تاریخ الانبیاءؑ

مولوی محمد انور

نگارشات

24- مزنگ روڈ ○ لاہور فون: 0092-42-7322892

E-mail:nigarshat@wol.net.pk - nigarshat@yahoo.com

نام کتاب ☜ تاریخ الانبیاءؑ
مصنف ☜ مولوی محمد انور
ناشر ☜ آصف جاوید
برائے نگارشات پبلشرز
میاں چیمبرز 3- ٹمپل روڈ لاہور
مطبع ☜ المطبعۃ العربیہ لاہور
سال اشاعت ☜ 2002ء
قیمت ☜ -/200 روپے

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روز محشر عذر ہائے من پذیر
گر تو خواہی حسابم ناگزیر
از نگاہ مصطفےٰ پنہاں بگیر

فہرست

پیش لفظ

میٹریکولیشن کی تعلیم ختم کر کے مزید حصول علم کیلئے مجھے لاہور بھیج دیا گیا جہاں میں اپنے ماموں میاں عبدالعزیز (بی۔اے) کے ہاں رہنے لگا ایک روز انہوں نے مجھے ایک کتاب مطالعہ کیلئے دی جسے باقاعدہ پڑھنے لگا لیکن سچ یہ ہے کہ اس کتاب کے بیشتر الفاظ اور فقرے میری سوچ سمجھ سے بالاتر تھے تاہم میں نے شکست نہ مانی اور کتاب کے ہر فقرے کو بار بار پڑھتا اور غور کرتا رہا تین چار ماہ بعد مجھے سمجھ آنے لگی۔ یہ کتاب حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کی مشہور کتاب کشف المحجوب (اردو ترجمہ) تھی یہ 1937ء کا زمانہ تھا دینی کتب پڑھنے کا تب سے مجھے شوق ہے جو الحمدللہ آج تک باقاعدہ جاری ہے۔

میرے اسی مطالعہ کے باعث میرے کچھ دوستوں نے خاص طور پر علامہ محمد نصرت اللہ (ڈبل ایم اے) اور جناب فضل الٰہی اعجاز اور حاجی بشیر اللہ مرحوم نے مجبور کیا کہ اپنے مطالعہ کا کچھ ماحصل ضبط تحریر میں لاؤں اس کے نتیجے میں میری پہلی کتاب ''معلم کائنات'' کے نام سے منظر عام پر آئی جو قرآن مجید اور تاریخ اسلام کے ۲۹ مختلف موضوعات پر مشتمل ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ علماء حضرات نے پسند فرمائی اور دوستوں سے بھی پذیرائی ملی۔

جناب علامہ محمد نصرت اللہ نے فرمایا کہ آپ نے ''معلم کائنات'' لکھ کر آدھا کام کیا ہے اب اس کا باقی حصہ بھی تحریر کریں۔ میں بات تو سمجھ گیا لیکن یہ موضوع میری استطاعت اور ظرف سے بہت بلند تھا۔ یعنی ''تاریخ الانبیاءؑ''۔ میں نے اپنے اندر جھانک کر اپنی بے بسی کا اظہار کیا جو آپ کے مسلسل اصرار کے ساتھ قائم رہا آخرکار ایک روز انہوں نے فرمایا کہ آپ جو لکھنا ہے لکھیں میں درستگی کرتا رہوں گا۔ بالآخر اس نئی کتاب ''تاریخ الانبیاءؑ'' پر اللہ کا نام لے کر کام شروع کر دیا تین چار سال میں مسودات مکمل ہو کر تیار ہوئے۔ قارئین کو کیسے لگیں گے مجھے اس کا غم ہے نہ فکر۔ کیونکہ میرے دل میں صرف ایک بات ہی سمائی ہوئی تھی کہ شاید میں بھی روز جزاء اللہ تعالیٰ سے عرض کر سکوں کہ اے باری تعالیٰ میں ادنیٰ انسان بھی آپ کے اور آپ کے محبوبان پاک کی حمد کرنے والوں میں سے تھا۔

مجھے اعتراف ہے کہ میں نہ عالم ہوں نہ مصنف اس لیے کسی ادبی لغزش کیلئے معذرت خواہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کو بنایا۔ جس میں ارض وسماء۔ فضا و خلا۔ جمادات و نباتات۔ چرند پرند اور وہ تمام مظاہرات جو ہم سے مخفی ہیں لیکن عالم شہادت کی آبادی جن وانس سے فرمائی اور اپنی اس مخلوق کی ہدایت وراہنمائی کیلئے اپنے انبیاء ورسل اور ان کے علاوہ صالح بندوں پر مشتمل ایک حزب اللہ بنائی جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک اپنا کردار ادا کرتی رہے گی۔ اپنے رسول نبی اور نمائندے مقرر فرمائے تاکہ یہ مخلوق اس کی ہدایت کے مطابق زندگی گزارے کیونکہ اس نوع کو کسی قدر فعل مختار بنا دیا گیا تھا۔ اس پروگرام پر کس طرح عمل ہوا میری اس کتاب کا یہی موضوع ہے اگر قارئین پسند فرمائیں تو میرے لیے یہی کافی ہے کہ وہ دعائے مغفرت فرمائیں۔

تاریخ الانبیاءؑ کی تیاری میں قرآن مجید کی مختلف تفاسیر۔ تاریخ اور سیرت کی جن کتب سے استفادہ کیا ہے ان میں سیرت النبیؐ ابن ہشام۔ علامہ حفظ الرحمٰن کی قصص القرآن۔ علامہ شبلی اور علامہ سید سلیمان ندوی کی سیرت النبیؐ۔ پیر محمد کرم شاہ علیہ رحمت کی ضیاء النبیؐ علامہ مولانا مودودی کی سرور عالمؐ۔ میاں خالد صاحب کی شان محمدؐ اور مولانا سید ابوالحسن ندوی کی نبیؐ رحمتؐ قابل ذکر ہیں۔

میں علامہ محمد نصرت اللہ ناظم دارالعلوم نقشبندیہ امینیہ کا بہت شکر گزار ہوں وہ اپنی مصروف ترین ذمہ داریوں سے وقت نکال کر میرے مضامین کی اصلاح فرماتے رہے۔ میں جناب محمد یعقوب بھٹی اکاؤنٹنٹ جامعۃ البنات کا ذکر نہ کروں تو یہ ناشکری ہوگی آپ نے بھی اس کتاب کی تیاری میں بڑی مدد فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں کا شکر ادا کرنے کیلئے الفاظ کہاں ہیں کہ اس عمر میں بھی مجھے اپنی حمد بیان کرنے کی توفیق عطاء فرمائی اور اپنے محبوب ترین بندوں کا ذکر خیر کرنے کے مواقع عطا فرمائے۔

مولوی محمد انور

تعارف

مولوی محمد انور صاحب کی زندگی رنگا رنگ بزم آرائیوں سے عبارت ہے اور اس نرم دم شخصیت کے اندر کئی ہنگام پوشیدہ ہیں۔

1948ء میں آپ وزیر آباد سے نقل مکانی کر کے شہر گوجرانوالہ میں اقامت گزین ہوئے اور ذریعہ معاش کے طور پر کاروباری راستے کا انتخاب کیا۔ اپنی گوناگوں مصروفیات کیساتھ ساتھ ایلومینیم ظروف سازی کی صنعت کیلئے مثبت قدم اٹھاتے ہوئے 1952ء میں "گوجرانوالہ یوٹینسلز مینوفیکچرنگ ایسوسی ایشن" کی بنیاد رکھی تو اس صنعت سے وابستہ افراد کیطرف سے ایسوسی ایشن کے پہلے صدر منتخب کیے گئے اور متواتر چار سال تک آپ اسی عہدے پر فائز رہے۔ 1977ء میں آپ "گوجرانوالہ ایسوسی ایشن آف ٹریڈ اینڈ انڈسٹری" کے چیئرمین اور 1982ء میں گوجرانوالہ چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے صدر منتخب ہوئے۔ اسکے علاوہ "علم و صنعت ٹرسٹ گوجرانوالہ کے ٹرسٹی (منتظم) اور سیکرٹری جنرل کی حیثیت سے آپ کی خدمات قابل صد تحسین ہیں۔ ٹرسٹ مذکورہ کے زیر انتظام "جامعۃ البنات ڈگری کالج ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ" جیسی معروف درسگاہ آپکی ذاتی دلچسپی اور حسن انتظام کی آئینہ دار ہے۔

ایک ماہر تعلیم اور انتظامی امور میں وسیع تجربے کا حامل ہونے کی حیثیت سے مولوی صاحب شہر کے سب سے معتبر روحانی اور علمی ادارے دارالعلوم نقشبندیہ امینیہ (رجسٹرڈ) ماڈل ٹاؤن" کی انتظامیہ کو بھی 1974ء سے اپنی صدارت سے نواز رہے ہیں۔ آپ "روشنی ٹرسٹ" اور "رفیق انور میموریل ہسپتال ٹرسٹ" کے بھی منتظم نامزد کیے گئے ہیں۔ 1990ء سے 1993ء تک ریلوے ایڈوائزری کمیٹی لاہور کے ممبر رہے ہیں اور 1983ء تا 1990ء "پنجاب ایمپلائز سوشل سیکورٹی انسٹی ٹیوشن" کی گورننگ باڈی (Governing Body) کے بھی ممبر رہے

ہیں۔اس کے علاوہ میاں نواز شریف سوشل سیکورٹی ہسپتال کی انتظامیہ کے رکن ہونے کی حیثیت سے بھی آپ نے نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں۔

عرصہ حیات میں تجارتی اغراض سے جنوبی کوریا' فلپائن' تائیوان' سعودیہ اور دوبئی جیسے ممالک کی سیاحت بھی آپ کی جہاندیدگی میں اضافے کا سبب بنی ہے۔

مولوی محمد انور صاحب کو حاصل ہونے والے یہ اعزازات انکے کردار کی خوبیوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور ان کی عظمت میں اضافہ کرتے ہوئے یہ ثابت کرتے ہیں کہ انہوں نے دیانتداری اور وفاشعاری کا دامن مضبوطی سے تھام رکھا ہے۔

ان سب انجمن سازیوں کے باوصف اگر انہوں نے اپنی خلوتوں کو وسعت مطالعہ اور تحقیق علمی و دینی سے آباد رکھا ہے تو اس کی وجہ ان کے والدین کی تربیت اور وہ آواز ہے جس نے بچپن ہی میں کانوں میں محبت رسول کا رس گھول دیا تھا۔یہی ایک ایسی خوبی ہے جو آپ کو علم دوست لوگوں کے دلوں میں تادیر زندہ رکھے گی۔

تمہارے نام سے منسوب ہو جاتے ہیں دیوانے
یہ اپنے ہوش میں ہوتے تو پہچانے کہاں جاتے

خالق کائنات

کائنات میں بنی نوع انسان کے علاوہ ہزار ہا قسم کے حشرات الارض' اور حیوانات ہیں اور فضا میں اڑنے والے لاتعداد اقسام کے پرندے بھی ہیں۔ کائنات کی موجودات کے ان گنت لشکروں میں انسان ہی ایک ایسی جنس ہے جس کو عقل وشعور حاصل ہے اور اس میں سمعی و بصری قوت موجود ہے۔ اسے صفات حس کے ساتھ ساتھ سوچنے سمجھنے اور سمجھانے کی صلاحیت بھی حاصل ہے۔ جب یہ حیوان ناطق اپنے سے ماسوا موجودات کو اپنے دائرہ فکر میں لاتا ہے تو ضروری ہے کہ یہ اپنی ہستی کو بھی پہچانے اور اپنے بدن کی سلطنت پر اسے جو تصرف و اختیار ہے اس کی حقیقت کو جانے۔ اس کی تفصیل کچھ ایسی ہے کہ انسان اس وجود میں آنے سے پہلے کچھ بھی نہ تھا۔ اپنے اس وجود سے قبل وہ پانی کا ایک قطرہ تھا جس میں عقل' بصارت' سماعت' سر' ہاتھ' پاؤں' زبان' آنکھ' ناک' کان' رگ' پٹھا' ہڈی' گوشت' چمڑا کچھ بھی نہ تھا۔ پھر اس میں یہ سب عجائبات یعنی عقل' سر' ہاتھ' پاؤں وغیرہ ظاہر ہوئے۔ اب یہ اس قطرہ سے ایسی شکل وصورت میں آیا جس میں جمال وکمال کے سارے جوہر موجود ہیں یعنی نیستی سے ہستی میں آ گیا۔ ظاہر ہے کہ وہ از خود نیستی سے وجود ہستی میں نہیں آیا۔ یعنی اس نے اپنے آپ کو خود ہی پیدا نہیں کر لیا وہ تو بذات خود ایک بال بھی پیدا کرنے سے عاجز ہے۔ یہ انسان اگر ظاہری ساخت اور باطنی اعضاء کی کارکردگی پر غور کرے تو اسے اپنے خالق کے علم اور قدرت کو پہچاننا آسان ہو جائے گا کہ اس کے پورے بدن کو کیسی حکمت متناسب اور احسن صورت وشکل میں پیدا فرمایا گیا ہے۔ انسان خود اپنے آپ سے جس قدر قریب ہے دنیا کی اور کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اس سے زیادہ قریب ہو۔ اس لئے وہ جتنا زیادہ اپنے ظاہری و باطنی اعضاء کی ساخت کے فوائد پر غور کرے گا وہ اپنے پیدا کرنے والے کو اتنا ہی زیادہ پہچاننے کے قابل ہو گا اور محسوس کرے گا کہ تمام عقلمند اگر اپنی عقل کو اجتماعی طور پر کام میں لائیں اور ان سب کو لمبی عمریں بھی نصیب ہو جائیں اور صرف اس مسئلہ پر سوچیں کہ انسانی اعضاء میں سے کسی ایک عضو کی ہی کوئی ایسی صورت نکال لیں جو اس موجودہ صورت سے بہتر ہو تو یہ ایسا ہی محال ہے جیسے سوئی کے ناکے سے اونٹ کا گزرنا۔ مثلاً دانتوں کی ساخت کی موجودہ کیفیت کو

لیجئے کہ کھانے کی چیز کو کاٹنے کے لئے تیز دانت ہیں تو چبانے اور باریک کرنے کے لئے چوڑے دانت، پھر دانتوں کے قریب زبان آبخورے کی مانند ہے جو اناج کو چکی میں ڈالنے کا کام کرتی ہے اور اس کے نیچے ایسی قوت ہے جو پانی چھڑکنے والے کی مانند ہے کہ جس وقت جتنا پانی بہانا چاہتی ہے اتنا بہا کر کھانا تر کر دیتی ہے تاکہ وہ آسانی سے حلق میں اتر جائے۔ عقلائے دنیا اس کے برعکس کوئی بہتر صورت نہیں بنا سکتے۔ اسی طرح ہاتھ کی ساخت پر غور کریں کہ اس کی چار انگلیاں مختلف سائز کی ہیں اور ان کی تین تین پوریں ہیں۔ ایک انگوٹھا ہے جس کی دو پوریں ہیں اور لمبائی میں چھوٹا ہے لیکن ہر انگلی کے ساتھ کام کرنے کے قابل ہے۔ آدمی جب چاہے ان سے آبخورہ بنا لے چاہے تو چلو بنا لے۔ انگلیاں بند کرے تو گھونسا بنا لے چاہے تو کھول کر پنجہ کو طباق بنا لے۔ اب اگر تمام عقلمند کوئی اور ساخت تجویز کریں مثلاً انگلیاں یکساں لمبائی کی ہوں یا انگوٹھا درمیان ہو۔ تعداد میں کم کر دی جائیں یا زیادہ۔ جس طرح بھی سوچیں گے تو اسی فیصلہ پر پہنچیں گے کہ ان کی سوچ غلط اور ہر انداز سے ناقص ہے اور جس خالق نے ان کو جس طرح بنایا ہے۔ وہی صحیح اور درست ہے انسان کے لئے یہ امر بھی قابل غور ہے کہ وہ اپنی پیدائش سے بعد کے حالات اور معاملات پر تھوڑا سا غور و فکر کرے کہ وہ تمام تر ضروریات جو اسے زندہ رکھنے اور اس کے نشوونما پانے کے لئے ضروری اور لازمی ہیں کیا انہیں اس نے خود یا اس کے کسی ہم جنس نے پیدا کیا تھا۔ یقیناً ایسا نہیں اگر روح اور بدن کا رشتہ قائم رکھنے والے تمام اسباب تخلیق کرنے والا پیدا ہی نہ کرتا تو اور کونسی ہستی ہے جو یہ سب کچھ بنا دے۔ انسان بالاخر اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ ہر چیز کی تخلیق خوب سے خوب تر ہوئی ہے اور تمام مصنوعات کی اساس ٹھیک اسی طرح ہوئی ہے جیسی کہ ہونی چاہئے۔

یہ تو معلوم ہو گیا کہ آدمی نے اپنے آپ کو پیدا نہیں کیا۔ نہ ہی آج تک اس کی جنس نے کبھی دعویٰ کیا ہے کہ جہان رنگ و بو کو اس نے تخلیق کیا ہے۔ اس دعویٰ کا بھی تاریخ کے کسی دور میں ذکر نہیں ملتا کہ انسانوں نے باہم مل کر کہا ہو کہ کائنات میں فلاں چیز فلاں انسان نے پیدا کی ہے اور فلاں چیز کی تخلیق کا سہرا فلاں آدمی کے سر ہے امریکہ کا ایک شہرہ آفاق سائنس دان تھامس ایڈیسن جس نے ایک ہزار سے زائد ایجادات کی ہیں ایک دفعہ کہنے لگا: ''میرے متعلق لوگ کہتے ہیں کہ میں بہت بڑا موجد ہوں۔ یہ بالکل غلط ہے میں قطعاً ایسا موجد نہیں ہوں جو قابل ذکر ہو۔ جب میں سوچتا ہوں کہ میں ایک زیرک آدمی تو کجا ایک بیوقوف آدمی بنانے پر قادر نہیں جو احمقوں کی سی ہی باتیں کر سکے۔ اس کے باوجود مجھے موجد کہنا بڑی بے انصافی ہے پھر اس نے اپنی انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کر کے کہا!''

"That is the real Inventor" (ریڈرز ڈائجسٹ 1973ء)

انسان جو کائنات کی تمام مخلوقات میں سے بہترین مخلوق ہے۔ صاحب عقل و شعور ہونے کے ناتے معاملات کو ان کی تہ تک جاننے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتوں سے بہرہ مند ہے جب وہی دعویٰ دار نہیں کہ وہ اس کائنات کا تو کجا اس کی کسی حقیری سی چیز کا بھی خالق ہے تو دیگر حیوانات، چرند، پرند جن میں انسانی صلاحیتوں کا شائبہ تک نہیں کیسے خالق سمجھے جا سکتے ہیں۔ نباتات، جمادات، شمس و قمر، ستارے، سیارے اور جو کچھ بھی ارض و سماء میں ہے۔ وہ تو خود ایک نظام میں جکڑے ہوئے ہیں۔ جب کوئی چیز کائنات میں تمام موجودات کی خالق ہونے کی مدعی نہیں تو انسانی تاریخ کے اوراق پر غور و فکر ضروری ہو گیا۔ اس کرہ ارض کے ہر حصے پر بنی نوع انسان کے بے شمار قبائل اور اقوام نسل در نسل ہزار ہا سال سے زندگی گزار رہے ہیں۔ ان کے قدیم و جدید علمی خزانے میں یہ شہادت مشترکہ طور پر پائی گئی ہے کہ کائنات اور اس کی تمام موجودات کی خالق صرف اور صرف ایک ہی ہستی ہے جسے اللہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور اس کے اقتدار اعلیٰ میں کوئی شریک نہیں۔ بنی نوع انسان کے تمام مذاہب بھی اس عقیدے پر متفق ہیں۔ کائنات میں تمام موجودات کے عمل پر غور کریں تو بالاتفاق یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ہر چیز ایک نظم و ضبط کے ساتھ رواں دواں ہے۔ اس کے روزمرہ کے معمولات میں سر مو انحراف نہیں۔ ان کی ساخت مدبرانہ قوانین کے تحت ہے جو سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کے بس کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ خود اعلان فرماتے ہیں کہ اسی نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے اور جو چیز وہ پیدا کرنا چاہتا ہے اسے صرف حکم کرتا ہے کہ ہو جا اور وہ مطلوبہ چیز پیدا ہو جاتی ہے اور وہ صرف پیدا ہی نہیں کرتا بلکہ وہ اس کا نگران بھی ہے۔ اس نے تمام مخلوقات کو ایسے مربوط قوانین کے تحت پیدا کیا ہے کہ انسان جب اس کے نظام کی تھوڑی سی جھلک دیکھتا ہے تو دنگ رہ جاتا ہے۔ یہاں نیو یارک سائنس اکیڈمی کے صدر اے سی موریسن کے مضمون کا ایک مختصر اقتباس پیش کیا جاتا ہے جو کائنات کی ساخت مدبرانہ قوانین سے تخلیق ہونا ثابت کرتا ہے اس کی تحقیق میں یہ کائنات کسی اتفاقی حادثہ کا نتیجہ نہیں۔ موریسن کا کہنا ہے!

"زمین اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چکر کاٹ رہی ہے اگر اس کی رفتار ایک ہزار میل کی بجائے ایک سو میل فی گھنٹہ ہوتی تو دن اتنے لمبے ہوتے کہ سورج کی تپش تمام کھیتوں کو بھون کر راکھ دیتی اور راتیں اتنی لمبی اور سرد ہوتیں کہ زندگی کی رمق اگر سورج کی تپش سے بچ جاتی تو رات کی سردی اسے منجمد کر کے رکھ دیتی۔ سورج کا درجہ حرارت بارہ ہزار ڈگری کی

بجائے چھ ہزار ڈگری ہوتا تو کرہ ارض برف کے نیچے دب جاتا اور اگر اٹھارہ ہزار ڈگری ہوتا تو ساری زمین اس کی تمازت سے جل کر راکھ ہو جاتی۔ زمین کا جھکاؤ 23 درجہ کا زاویہ بناتا ہے اور اسی جھکاؤ سے ہمارے موجود موسم مناسب وقفوں کے بعد باری باری آتے ہیں اگر اس میں یہ جھکاؤ نہ ہوتا تو سمندر سے اٹھنے والے بخارات جنوب اور شمال میں حرکت کرتے اور اتنی زور سے برف باری ہوتی کہ ساری زمین ڈھک جاتی۔ اگر چاند کی دوری اتنی نہ ہوتی جتنی کہ اب ہے بلکہ صرف پچاس ہزار میل ہوتی تو سمندروں میں مدوجزر اس شدت سے آتا کہ پہاڑوں تک کو بھی بہا لے جاتا۔ اگر زمین کی سطح موجودہ سطح سے صرف دس فٹ موٹی ہوتی تو یہاں آکسیجن ہی نہ ہوتی اور کوئی جاندار زندہ نہ رہتا اور اگر سمندر چند فٹ اور گہرے ہوتے تو ساری کاربن ڈائی آکسائیڈ اور آکسیجن صرف ہو جاتی اور روئے زمین پر کوئی سبز پتہ نظر نہ آتا۔ اس حکیمانہ نظام پر غور کرنے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ کارخانہ ہستی اتفاقاً معرض وجود میں نہیں آ گیا بلکہ ایک حکیم و دانا خالق نے اس کی تخلیق فرمائی ہے۔" (ریڈرز ڈائجسٹ اکتوبر 1900ء)

سائنس دانوں کی یہ تحقیقی رپورٹ کائنات کے صرف معدودے چند سیاروں اور ستاروں کے متعلق ہے۔ مگر اس خالق اعظم کی مخلوق کی مادی، غیر مادی، جاندار اور بے جان ہزار ہا اقسام ہیں جن پر اگر تحقیق کی جائے تو سائنس دانوں کی توقع سے کہیں زیادہ حکیمانہ اور مربوط تقدیر سے پیدا کی ہوئی معلوم ہوتیں۔ اس کے لامتناہی علم، قدرت کاملہ اور اقتدار کی تفصیلات با آسانی سمجھ آ جاتی ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"حقیقت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں بے شمار نشانیاں ہیں ماننے والوں کے لئے۔ اور خود تمہاری اپنی پیدائش اور ان حیوانات میں جن کو اللہ تعالیٰ (زمین میں) پھیلا رہا ہے بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو یقین لانے والے ہیں۔ اور شب و روز کے اختلاف ہیں اور اس رزق میں جسے اللہ تعالیٰ آسمان سے نازل فرماتا ہے (بارش) پھر اس کے ذریعے مردہ زمین کو جلا اٹھاتا ہے اور ہواؤں کی گردش میں بہت ہی نشانیاں ہیں جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں" (الجاثیہ)

جن لوگوں نے روشن دلائل ماننے سے انکار کر رکھا ہے اور اپنے آپ کا شک کی بھول بھلیوں میں ہی بھٹکتے رہنا پسند کر لیا ہوا ہے ان کا معاملہ تو ایسے ہی ہے جیسے کوئی سورج کو دیکھ کر بھی کہے کہ میں نہیں مانتا مگر جنہوں نے دل کے دروازے، دماغی سوچ اور اپنے ضمیر کو آیات الٰہی کے مشاہدوں کے لئے تاریک نہیں کر لیا۔ جب اپنی پیدائش اور اپنے جسم کی ظاہری و باطنی ساخت،

زمین میں اور فضا میں پھیلے ہوئے انواع واقسام کے ان گنت حیوانات' کیڑوں' مکوڑوں اور پرندوں پر غور وفکر کی نگاہ ڈالیں گے تو انہیں بے شمار ایسی علامات نظر آئیں گی جنہیں دیکھ کر شبہ کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے گی کہ یہ سب کچھ یونہی خدا کے بغیر خود بخود وجود میں آ گیا ہوا ہے' یا پھر اس کے بنانے میں ایک سے زیادہ خدا شریک ہیں۔

شب وروز اور ان کے اختلافات میں اس اعتبار سے نشانی ہے کہ یہ بڑی باقاعدگی کے ساتھ ایک دوسرے کے پیچھے آ رہے ہیں اور جب سے یہ معرض وجود میں لائے گئے ہیں ان کی ترتیب اور توازن ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں بگڑا۔ نیز ماہ وسال کے دوران ان کے بتدریج گھٹنے اور بڑھنے میں عظیم حکمتیں ہیں جو اس امر کی صریح علامت ہیں کہ شمس وقمر زمین وآسمان اور ان میں تمام موجودات کا ضرور کوئی خالق ہے۔ جس کے زبردست اقتدار اور قدرت نے اس تمام مخلوق کو مسخر کر رکھا ہے۔

عقل اور بصیرت سے کام لینے والوں کو اللہ تعالیٰ غور وفکر کی دعوت دیتا ہے کہ وہ ہواؤں کی تخلیق اور ان کی گردش پر تدبر کریں جس کو اللہ تعالیٰ نے عظیم نشانی قرار دیا ہے بلاشبہ ہواؤں کی گردش کے ذریعے مختلف اوقات میں زمین کے مختلف حصوں اور بلندیوں پر موسموں میں تبدیلیاں واقع ہوتی رہتی ہیں جو ہر جاندار کے زندہ رکھنے کے لئے ضروری ہیں۔ ہواؤں کا وقتاً فوقتاً مختلف طریقوں سے چلنا' گردش کرنا' کبھی ہلکی ہلکی تو کبھی تیز وتند طوفان کی شکل میں بادلوں کو لانے والی اور کبھی اڑا لے جانے والی کبھی خشک کبھی مرطوب کبھی ٹھنڈی اور کبھی گرم یہ طرح طرح اور قسم قسم کی ہوائیں یونہی اندھا دھند نہیں چلتی رہتیں۔ بلکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے قانون اور تقدیر کی پابند ہیں۔ ہواؤں کا یہ انتظام کمال درجہ حکمت پر مبنی ہے یہ ساری علامات بانگ دہل کہہ رہی ہیں کہ یہ تمام انتظامات اتفاقاً کسی اندھی فطرت نے نہیں کر دیئے ہیں اور نہ ہی کائنات میں مختلف مخلوقات کے کوئی الگ الگ مدبر ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے علم محیط اور قدرت کاملہ کے متعلق قرآن مجید میں یوں ارشاد ہوا ہے!

"وہ (اللہ) جانتا ہے جو کچھ خشکی اور تری میں ہے اور جو پتا بھی گرتا ہے وہ اس کو جانتا ہے اور زمین کی تاریکیوں میں جو دانہ ہے اور ہر تر وخشک اس کی روشن کتاب میں ہے۔"

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے جو کچھ آسمان سے اترتا

ہے اور اس میں عروج کرتا ہے اور وہ ہی رحیم وغفور ہے۔"

موجودہ دور میں بھی ایسے انسانوں کی کمی نہیں جو اللہ تعالیٰ کے وجود اس کی تخلیقی قدروں اور کائنات پر اس کی کامل فرمانروائی کے منکر ہیں۔ اور وہ اس نظریے پر ہی جمے ہوئے ہیں کہ دنیا میں سب کچھ یونہی خود بخود ہو رہا ہے۔ زمانہ انہیں زندہ رکھتا ہے اور زمانہ ہی انہیں ختم کر دیتا ہے اور مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں مگر ان کے پاس کوئی عقلی ونقلی دلیل نہیں ہے۔ اللہ رب العالمین نے اپنی روشن کتاب میں تخلیق کائنات کے متعلق بے شمار دلائل اہل بصیرت کی توجہ کے لئے ارشاد فرمائے ہیں منکرین کے پاس ان کا کوئی جواب نہیں۔

ذیل میں ایک تاریخی واقعہ قارئین کی دلچسپی کا باعث ہوگا جس میں صرف عقلی دلیل سے اللہ تعالیٰ کا ہی خالق کائنات ہونا ثابت کیا گیا ہے:

بنو عباسیہ کے خلیفہ منصور کے دور سلطنت کا واقعہ ہے۔ جب نصف سے زائد دنیا میں اس کا حکم چلتا تھا۔ وہ بہت سخت گیر اور ساتھ ہی عادل بھی تھا۔ اس کا دربار سجا ہوا ہے۔ خود تخت شاہی پر جلوہ افروز ہے۔ دائیں بائیں وزراء اور امرائے حکومت باادب اپنی نشستوں پر بیٹھے ہیں۔ ایک طرف فقہاء، علماء اور دانشور بادشاہ کے جلو میں حاضر ہیں۔ سب دربار میں داخل ہونے والے راستہ کی طرف بار بار دیکھ رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی خاص شخصیت کا انتظار ہے۔ اسی کیفیت میں کافی وقت گزر جاتا ہے۔ خلیفہ خود بھی انتظار میں بار بار پہلو بدل رہا ہے۔ کہ اچانک ایک عمر رسیدہ شخص چہرے پر عظمت اور ذہانت کے آثار ہویدا، متانت کا پیکر، پروقار رفتار میں بادشاہ کے دربار میں داخل ہوتا ہے۔ آداب وسلام پیش کرنے کے بعد دیر سے آنے کے لئے اپنا عذر پیش کرنے کی درخواست کرتا ہے۔ جس کے منظور ہونے کے ساتھ ہی وہ اس طرح معذرت خواہ ہوتا ہے۔

"اے بادشاہ میں آج حسب معمول دریا پار جنگل میں گیا ہوا تھا۔ واپسی پر کوئی کشتی نہ ملی کافی انتظار کے باوجود گوہر مقصود ہاتھ نہ آیا۔ دریا پار کرنے کا کوئی اور ذریعہ بھی نہ تھا انتظار کرنا پڑا۔ اس دوران جو میں نے دیکھا وہ میری دیر کا مزید سبب بنا اور میں اس پر حیران وششدر بھی رہ گیا۔ اے بادشاہ میں نے دیکھا کہ دریا کے کنارے کھڑے درخت از خود کٹنے شروع ہو گئے۔ جب کافی درخت کٹ چکے تو وہ چھوٹے موٹے ٹہنوں سے صاف ہونے لگے اور بڑے بڑے تختوں کی شکل بن کر صاف ستھرے مخصوص لمبائی چوڑائی میں تیار ہونے لگے۔ اے بادشاہ! خدا آپ کو سلامت رکھے۔ اب میری حیرانی اور بھی بڑھ گئی جب وہ تختے اور دوسرا سامان ایک کشتی کی

صورت میں خود بخود تیار ہونے لگا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک بہت خوبصورت اور بڑی کشتی تیار ہو گئی اور پانی میں اتر کر کنارے کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ درختوں کے کٹنے' تختے بننے اور کشتی کے تیار ہونے تک میں نے نہ کسی بنانے والے کاریگر کو دیکھا اور نہ کشتی بنانے میں مدد دینے والے آلات کو پھر جونہی میں کشتی میں بیٹھا وہ خود بخود بغیر ملاح کے دریا میں چلتی ہوئی دوسرے کنارے پر آ کر رک گئی اس طرح میں نے دریا تو عبور کر لیا مگر اسی سوچ میں ڈوبا دربار میں حاضری کے لئے چل پڑا۔ عالی جاہ! یہی عجیب وغریب واقعات میری دیر کا سبب بنے'' بزرگ کے خاموش ہوتے ہی بادشاہ کے زیریں ایک شخص جو یہ گفتگو سننے کے دوران بہت مضطرب رہا فوراً پکار اٹھا کہ عذر لنگ کی یہ کہانی بالکل جھوٹ ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کسی کاریگر اور آلات کے بغیر خود بخود درخت کٹنے' تختے بنے اور کشتی تیار ہوئی اور ناخدا کے بغیر پانی میں تیر کر دوسرے کنارے آ لگی۔ بادشاہ خود بھی حیران تھا۔ لہٰذا اس نے بزرگ سے کہا کہ یہ واقعہ ناقابل یقین ہے۔ بزرگ نے جواب دیا:

''اے بادشاہ میں نے تو تیرے مہمان مناظر کا شافی جواب دے دیا۔ اور وہ تسلیم بھی کر چکا ہے اے امیر المومنین کہ اگر یہ چھوٹا سا کام کسی تخلیق کار کے بغیر ممکن نہیں تو کائنات کا اتنا بڑا کارخانہ از خود کس طرح وجود میں آ گیا۔ جس میں دن اور رات کا اختلاف ہے۔ تاریکی اور روشنی کی کیت میں اختلاف ہے موسمیاتی تغیر وتبدل ہے اور ان اختلافات میں حکمت کی کتنی نشانیاں موجود ہیں۔ اے بادشاہ تسخیر بحر پر غور فرمائیں۔ پانی کی پیٹھ پر لاکھوں ٹن وزنی بڑے بڑے جہاز تیرانے کا جوہر کس نے بنایا کیا یہ خود بخود بغیر کسی حکیم کے ہے۔ آسمان سے بارش کا نزول زمین میں سرسبزی اور شادابی' جانداروں کا زمین میں پھیلاؤ۔ ہواؤں کی تبدیلی شمس وقمر کا نظام اس کے علاوہ بے شمار مظاہر جو منظم طریقے پر رواں دواں ہیں اور کبھی کسی کا کسی سے تصادم نہیں ہوتا کیا کسی تخلیق کار کے بغیر از خود وجود میں آ گئے۔ یقیناً ان سب مظاہر کائنات کو پیدا فرمانے والا کوئی ہے اور وہ صرف ایک اللہ ہے۔ یہ بزرگ حضرت نعمان بن ثابت المعروف ابوحنیفہ امام اعظم تھے۔ جو اللہ کی ہستی اور اس کو کائنات کا خالق نہ ماننے والے سے اس کے چیلنج پر مناظرہ کرنے تشریف لائے تھے۔ یوں خدا کی ہستی کا منکر تسلیم ورضا کا پیکر بن کر بادشاہ سے رخصت ہوا۔

ارض وسما خلا وفضا اور ان میں پوشیدہ خزانوں کی تخلیق کے بعد قرآن حکیم اور دیگر ذرائع مثلاً احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ملائکہ اور اس کے بعد جنات کو پیدا فرمایا اور پھر انسان کو اس امر کی شہادت نہیں ملتی کہ ہر دو مخلوقات کی تخلیق کے دوران کائنات کتنے ہزار سال یونہی رہی البتہ تخلیق انسان کے ساتھ ہی کائنات کی آبادی کی شروعات کا واضح اشارہ ملتا

ہے۔اس ترتیب کو مدنظر رکھتے ہوئے کلام الٰہی کی روشنی میں ان مخلوقات کی کچھ حقیقت حال ہدیہ قارئین ہے۔

1۔ ملائکہ:

قرآن حکیم اور احادیث رسول اکرم ﷺ سے جو کچھ اخذ ہوتا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جنس ملائکہ ایک مستقل مخلوق ہے اور وجود رکھتی ہے کھانے پینے سے پاک ہے۔تکوینی امور میں یہ اللہ تعالیٰ کے اہل کار ہیں۔دیگر مخلوق کو نظر نہیں آتے۔چلتے پھرتے اور اڑتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے جو شکل چاہیں اختیار کر سکتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کی عطا سے بے پناہ قوت کے مالک ہیں۔چشم زدن میں ہر مسافت طے کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جنس ملائکہ کو افزائش نسل سے پاک رکھا ہے اور ان کی تخلیقی حقیقت کے اسرار سے پوری طرح واقف نہیں کرایا گیا۔ان میں سے بعض کے نام سے آشنا کرایا گیا ہے مثلاً جبرئیل۔میکائیل۔عزرائیل اور اسرافیل۔جبرئیل کے متعلق بیان ہوا ہے کہ ان کو حضور علیہ السلام نے اپنی اصلی ملکوتی صورت میں دو دفعہ دیکھا ہے۔اہل ایمان کے لئے لازم ہے کہ ان کے وجود کو تسلیم کریں اور ان کو مستقل مخلوق جانیں۔جیسا کہ قرآن حکیم کی آیات ذیل ان حقائق کو واضح کرتی ہیں:

1- سب خوبی اللہ کو ہے جس نے بنائے آسمان و زمین جس نے بنایا فرشتوں کو پیغام لانے والے۔جن کے پر ہیں دو دو اور تین تین اور چار چار اور بڑھا دیتا ہے وہ پیدائش میں جو چاہے بے شک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے۔ (فاطر)
2- وہ اتارتا ہے فرشتوں کو بھید دے کر اپنے حکم سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے (النحل)
3- جو کوئی دشمن ہو اللہ کا اس کے فرشتوں کا اور اس کے پیغمبروں کا۔اور جبرئیل اور میکائیل کا تو اللہ دشمن ہے ان کافروں کا (بقرۃ)
4- پیش ہوں گے فرشتے اور روحیں اس کے آگے اور فرشتے ہوں گے (قیامت کے دن) آسمان کے کناروں پر اور اٹھائیں گے عرش تیرے رب کا اپنے اوپر اس دن آٹھ (فرشتے)

مندرجہ بالا آیات قرآنی کے علاوہ قرآن حکیم میں ملائکہ کے ذکر میں 88 مرتبہ اور کتب احادیث صحیحہ و قدیم آسمانی کتابوں مثلاً تورات' زبور اور انجیل وغیرہ میں بھی فرشتوں کا تذکرہ موجود ہے اور انہیں مستقل مخلوق ہی بتایا گیا ہے۔

جن:

انسان کی تخلیق سے قبل جن بھی مستقل مخلوق کی حیثیت سے موجود تھے یہ قوم بھی انسانی آبادی کو نظر نہیں آتی جب کہ وہ انسانی آبادی کو بخوبی دیکھتے ہیں۔ شریعت کے مقلد بنائے گئے ہیں چنانچہ ان میں بھی مومن' کافر اور منافق ہوتے ہیں۔ نیک بھی ہیں اور برے بھی۔ توالد و تناسل کے سلسلہ کے حامل ہیں پیدا ہوتے ہیں اور شادی کرتے ہیں' مرتے بھی ہیں۔ اللہ کی عطا سے جو شکل چاہیں اختیار کر سکتے ہیں' اس مخلوق کی تخلیقی حقیقت کو بھی پوری طرح آشکار نہیں کیا گیا۔

ذیل میں قرآن حکیم کی چند آیات مبارکہ ان حقائق کو واضح کرتی ہیں!

1- ہم نے پیدا فرمایا انسان کھنکھناتی مٹی سے اور جن کو آگ کی لو سے۔

2- نہیں پیدا فرمایا ہم نے انسانوں اور جنوں کو مگر عبادت کے لئے (بندگی کے لئے)

3- اے پیغمبر سب لوگوں کو بتا دو کہ میرے پاس خدا کی طرف سے اس بات کی وحی آئی ہے کہ جنات میں سے چند نے مجھے قرآن پڑھتے سنا۔ اور انہوں نے اپنے لوگوں سے جا کر کہا کہ ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم تو کسی کو اپنے پروردگار کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ (جن)

4- بے شک وہ (شیطان) اور اس کی ذریعت تم کو ادھر سے دیکھتے رہتے ہیں جدھر سے تم ان کو نہیں دیکھتے (اعراف)۔

5- اور تھا ابلیس جنات میں سے پس نافرمانی کی اس نے اپنے رب کی (البقرۃ)۔

آیات بالا کے علاوہ اس مخلوق کا تذکرہ قرآن پاک میں قریباً 32 مرتبہ آیا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ قرآن مجید اور حضور نبی اکرمؐ کے ارشادات مبارکہ کے مطابق ملائکہ اور جنات اگرچہ ہماری نظروں سے پوشیدہ ہیں۔ مگر بلاشبہ مستقل مخلوق ہیں اور اہل اسلام کا یہی عقیدہ ہے۔

انسان:

اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ تخلیق آدم سے قبل کائنات میں کتنے ہزار سال سب کچھ یوں ہی خاموش رہا۔ کیونکہ انسان کے زمین پر آباد ہونے کے بعد جو ہنگامہ ہائے ہست و بود ظہور پذیر ہوئے اور ہوتے رہیں گے۔ وہ پہلی دونوں قسم کی مخلوق یعنی ملائکہ اور جنات کے بس میں نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جن خزانوں سے زمین کے شکم کو بھر دیا ہوا ہے ان کا سراغ لانے والا کوئی نہ تھا۔ اس کی فضاؤں' خلاؤں' شمس و قمر اور دیگر مظاہر قدرت کے متعلق علوم و فنون سے استفادہ کرنے والا اور نہ ہی کوئی ان کے اسرار و رموز کا پردہ چاک کرنے والا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ

ایسی مخلوق پیدا کی جائے جو اس کے سمندروں میں غوطہ زن ہو اور اس میں چھپے خزانوں اور قوتوں کو دریافت کرے۔ اس کی فضا اور خلا کو مسخر کرے۔ اور ایسی مخلوق جو اس کے سیاروں اور شمس و قمر پر کمند ڈالے۔ اس کے تکوینی علوم و فنون کی وسعتوں کی جستجو کرے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

''میں مخفی خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں پس میں نے کائنات پیدا فرمائی۔''

چنانچہ خالق کائنات نے انسان اول کو حضرت آدم علیہ السلام کی شکل میں پیدا کیا۔ اور پھر اس کی طرح ایک ہم جنس مخلوق حوا کو وجود دے کر کائنات ارضی پر نسل انسان کا سلسلہ قائم کیا۔ یہی وہ انسان ہے جس کو خالق کائنات نے دیگر تمام مخلوق پر برتری و بزرگی عطا فرمائی۔ اور کائنات کو اس کے ہاتھ میں مسخر کر کے خلافت و نیابت الٰہی کا شرف بھی اسی کو بخشا۔ قرآن کریم نے اسی لئے حضرت انسان سے متعلق مثبت و منفی ہر دو پہلوؤں کو واضح کر کے انسانی ہستی کی عظمت کا اعلان کیا ہے اور بتایا ہے کہ خالق کائنات کی قدرت تخلیق و تکوین میں انسان کی تخلیق احسن تقویم کا درجہ رکھتی ہے۔ لہٰذا یہ مخلوق مقصد عظیم لے کر وجود پذیر ہوئی اور اس کی ہستی کو یونہی بے مقصد نہیں چھوڑ دیا گیا۔

قرآن حکیم کے مطابق انسان اول حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کرنے سے قبل اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو اطلاع دی کہ وہ مٹی سے ایک مخلوق پیدا فرمانے والا ہے جو بشر کہلائے گی اور زمین میں ہماری خلافت کا شرف حاصل کرے گی۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس جسد خاکی میں روح پھونکی تو وہ یک بیک گوشت پوست' ہڈی پٹھے کا زندہ انسان بن گیا۔ جو ارادہ' شعور' حس عقل اور وجدانی جذبات و کیفیات کا حامل ہو گیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم سب اس کے آگے سربسجود ہو جاؤ۔ ملائکہ تو حکم الٰہی بجالائے مگر ابلیس (جن) نے غرور و تکبر سے انکار کر دیا اور اللہ تعالیٰ سے مناظرہ کرنے لگا کہ وہ انسان سے بہتر مخلوق ہے اور اس سے افضل ہے۔ ابلیس (جن) تکبر' غرور' سرکشی اور الٰہی حکم سے بغاوت کے سبب ابدی لعنت کا مستحق ہو گیا اور جنت سے نکال دیا گیا۔ مگر اللہ نے اس کی یہ درخواست منظور کر لی کہ تا قیامت وہ زندہ رہے۔ یہ مہلت ملتے ہی ابلیس نے کہا کہ اے اللہ جب کہ تو نے مجھے راندۂ درگاہ کر ہی دیا ہے تو جس آدم کی بدولت مجھے رسوائی نصیب ہوئی میں بھی اس آدم کی اولاد کو ہر طرف سے آ کر گمراہ کروں گا اور اس کی اکثریت کو ناشکر گزار بنا کر چھوڑوں گا ماسوا تیرے مخلص بندوں کے جو مجھ سے اغوا نہ ہو سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہماری فطرت کا قانون مکافات عمل اٹل قانون ہے جو بنی آدم تیری پیروی کرے گا وہ تیرے ساتھ داخل جہنم ہونے کا سزاوار ہوگا۔ جا اور رسوائی اور شومئی قسمت کے ساتھ یہاں

سے دور ہو۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنی عظیم المرتبت صفت علم سے نواز کر علم الاشیاء عطا فرمایا تھا جب کہ ملائکہ ان علوم سے غفلت میں تھے۔ علم کی اسی برتری نے حضرت آدم علیہ السلام کو مسجود ملائکہ ٹھہرایا اور وہ خلافت الٰہی کے مستحق ہوئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خلافت الٰہی کا مدار کثرت تسبیح تہلیل پر نہیں رکھا بلکہ صفت علم پر رکھا کیونکہ حکومت ارضی صفت علم کے بغیر ناممکن تھی۔ چونکہ ملائکہ تکوینی احکامات بجا لانے کے سوا ہر قسم کی دنیوی خواہشوں اور ضرورتوں سے بے نیاز ہیں اس لئے وہ ان کے علم سے بھی ناآشنا تھے۔ جب کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ان سب سے رابطہ پڑتا تھا اس لئے ان کا علم ان کے لئے ایک فطری امر تھا جب کہ ملائکہ کو ضرورت نہیں کہ وہ زمین میں ودیعت شدہ رزق اور خزانوں کی جستجو کریں کیونکہ وہ اس کے محتاج نہیں نہ انہیں ڈوبنے کا غم ہے کہ کشتیوں اور جہازوں کو ایجاد کرتے۔ نہ انہیں کسی مرض کا خدشہ کہ وہ معالجات کی اشیاء کے خواص اور کیمیائی مرکبات معلوم کرتے' نہ ہی انہیں علوم نفسیات' طبعیات' فلکیات اور اسی طرح کے بے شمار علوم و فنون کے اسرار و رموز اور ان کی حکمتوں سے واقف ہونے کی ضرورت ہے۔ بلاشبہ یہ صرف حضرت انسان ہی کے لئے موزوں تھا کہ وہ زمین پر خدا کا خلیفہ بنے اور ان تمام حقائق و معارف اور علوم و فنون سے واقف ہو کر نیابت الٰہی کا صحیح حق ادا کرے۔

حضرت آدم علیہ السلام ایک عرصہ جنت میں تنہا زندگی بسر کرتے رہے جب ان کی طبیعت اور فطرت کسی مونس و ہمدم کی جویا نظر آئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت حوا کو پیدا فرمایا۔ حضرت آدم اپنے رفیق کو پا کر بہت مسرور ہوئے اور اطمینان قلب محسوس ہوا۔ دونوں کو اجازت تھی کہ وہ جنت میں رہیں' اس کی ہر چیز سے لطف اندوز ہوں مگر ایک درخت کو معین کر کے بتا دیا کہ اس کا پھل نہ کھائیں بلکہ اس کے نزدیک بھی نہ جائیں۔

اب ابلیس کو موقعہ ہاتھ آیا اور اس نے حضرت آدم و حوا کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ یہ شجر جنت کا وہ پھل ہے جس کا کھانا جنت میں سرمدی آرام' اور قرب الٰہی کی ضمانت ہے۔ اور اللہ کی قسم کھا کر اور خیر خواہ بن کر شجر خلد کا یقین دلایا۔ یوں حضرت آدم کے انسانی اور بشری خواص میں سب سے پہلے بھول چوک نے ظہور کیا۔ اور وہ اللہ کے حکم کو فراموش کر بیٹھے اور جنت میں دائمی قیام اور قرب الٰہی کی خاطر اس ممنوعہ درخت کا پھل کھا لیا۔ اس کے کھانے کے ساتھ ہی بشری لوازم ظاہر ہونے لگے' دیکھا تو ننگے ہیں اور لباس سے محروم۔ دونوں جلدی جلدی پتوں سے ستر ڈھانپنے لگے گویا انسانی تمدن کا یہ آغاز تھا کہ اس نے تن ڈھانکنے کے لئے سب سے پہلے پتوں کو استعمال کیا تا کہ انسانی شرم و حیا کا تقاضا پورا ہو سکے۔ ادھر یہ ہو رہا تھا کہ خدا تعالیٰ نے ابوالبشر سے باز پرس کی

کہ ممانعت کے باوجود یہ حکم عدولی کیسی؟ آدم آخر مقبول بارگاہ الٰہی تھے اس لئے ابلیس کی طرح مناظرہ نہیں کیا اور نہ اپنی غلطی کو تاویلات سے چھپانے کی کوشش کی بلکہ ندامت اور شرمساری کے ساتھ اقرار کیا کہ غلطی ضرور ہوئی مگر اس کا سبب سرکشی نہیں بلکہ بشری بھول چوک اس کا باعث ہے اس لئے توبہ واستغفار کرتے ہوئے درگزر کے خواستگار ہوئے حق تعالیٰ نے عذر کو قبول فرما کر معاف تو کر دیا مگر تقاضائے حکمت کے ساتھ یہ فیصلہ سنا دیا کہ تم اور تمہاری بیوی اب یہاں سے جاؤ اور میری زمین پر جا کر بسو۔ تمہیں اور تمہاری اولاد کو ایک معین وقت تک زمین پر قیام کرنا ہوگا۔ اور تمہارا دشمن ابلیس بھی معہ اپنی ذریت اور تمام سامان عداوت کے ساتھ وہاں موجود ہوگا۔ اس طرح تمام بنی نوع انسان کے باپ اور اللہ تعالیٰ کے خلیفہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی رفیقہ حیات حواء کے ساتھ خدا کی زمین پر قدم رکھا۔

پراسرار بندے

ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر قدم رکھنے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک بنی نوع انسان کی راہنمائی اور ہدایت کے لئے ایک لاکھ سے زائد انبیاء و رسل اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمائے۔ ان میں سے بہت مختصری جماعت کا تذکرہ قرآن حکیم میں مذکور ہے۔ جب کہ ارشاد الٰہی کے مطابق دنیا کی ہر قوم اور خطہ میں ان کی ہدایت کے لئے پیغمبران عظام تشریف لائے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جس قدر مناسب اور جس کا چاہا ذکر فرما دیا۔ قرآن حکیم نہ تو تاریخ کی کتاب ہے اور نہ سائنس یا فلسفہ کی بلکہ یہ ہدایت کے لئے اور انسانی کائنات کے لئے اس کے معاد و معاش کا کامل نظام اور اس کی ضروریات پر مبنی ایک مکمل قانون لئے ہوئے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں قابل ذکر قوموں کے حالات اور ان کی رشد و ہدایت کے لئے تشریف لانے والے انبیاء و رسل کے واقعات آنے والی مخاطب امتوں کی عبرت اور بصیرت کے لئے بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ پیغمبران عظام کی موجودگی میں اور درمیانی عرصہ میں بھی ایسے واقعات عالم انسان کی عبرت کے لئے رونما ہوئے جن کا کچھ نہ کچھ تذکرہ قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ میں ملتا ہے قارئین کرام کی معلومات کے لئے ان کا مختصر جائزہ پیش کرنا خالی از دلچسپی نہ ہو گا۔ ان میں بعض وہ واقعات ہیں جن کے متعلق حریف اہل قلم خصوصاً متعصب مستشرقین یورپ: ''یعنی یہ پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں'' کہہ کر انہیں بے سروپا اور غیر تاریخی داستانیں ظاہر کرتے ہیں۔ ان کے علی الرغم صحیح اور مستند اسلامی و تاریخی نقول کی روشنی میں یہ ثابت ہے کہ قرآن حکیم کے بیان کردہ یہ وقائع تاریخی مکمل حقائق ہیں اور ان کا انکار علمی حقائق کا انکار ہے۔ اس سلسلے میں حضرت لقمان اصحاب القریہ ذوالقرنین اصحاب کہف والرقیم اور اصحاب رس کے واقعات خصوصی حیثیت رکھتے ہیں جن کا تذکرہ حسب ذیل ہے۔

اصحاب القریہ

قرآن حکیم کی سورہ یٰسین میں اصحاب القریہ کے واقعہ کا بہت مختصر ذکر آیا ہے اس واقعہ کو سورہ مبارکہ کے اسلوب سے اصحاب یٰسین بھی نام دیا گیا ہے۔

قرآن حکیم میں اس واقعہ کے متعلق صرف اس قدر بتایا گیا ہے کہ گزشتہ زمانہ میں ایک بستی میں کفر و شرک اور شر و فساد دور کرنے اور لوگوں کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے دو پیغمبر بھیجے دونوں انبیاء کرام نے بے حد سعی کی کہ لوگ راہ راست پر آ جائیں مگر ان کو جھٹلایا گیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے تیسرے ہادی کو پہلے دونوں انبیاء کرام کی مدد کے لئے مبعوث فرمایا۔ اب تینوں نے باہم مل کر ایک جماعت کی طرح لوگوں کو شرک اور فتنہ و فساد سے باز رہنے کی تبلیغ شروع کی اور بتلایا کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبر ہیں مگر ان سب کا مذاق اڑایا گیا اور جواب دیا گیا کہ تم بھی آدمی ہو ہم بھی آدمی ہیں پھر تمہارے اندر وہ کونسی عجب شئے ہے کہ تم کو پیغمبر بنا دیا گیا ہے اس لئے ان کو پیغمبر خدا ماننے سے انکار کر دیا گیا۔ انبیاء کرام نے ان کو یقین دلایا کہ وہ اپنے مشن میں سچے ہیں اور اللہ کی مخلوق کو راہ راست پر لانے کے لئے احکام الٰہی ان تک پہنچانا ہی ہمارا فرض ہے اور یہ کہ تمہیں سیدھی راہ یعنی اللہ کا راستہ اور ٹیڑھی راہ یعنی شیطان کا راستہ بتا دیں۔ بستی والوں نے کہا کہ وہ پیغمبران عظام کو منحوس خیال کرتے ہیں کہ انہوں نے یہاں آ کر خواہ مخواہ گڑبڑ پیدا کر دی ہے اور دھمکی دی کہ اگر وہ باز نہ آئے تو وہ مار ڈالے جائیں گے یا سخت تکالیف میں مبتلا کر دیئے جائیں گے۔ انبیاء کرام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے نحوست تو تم خود اپنے اوپر لا چکے ہو۔ بستی کے آخری کنارے پر ایک نیک مرد رہتا تھا جب اس نے سنا کہ بستی کے لوگ رسولوں کو جھٹلا کر دھمکیاں دے رہے ہیں تو وہ بڑی تیزی کے ساتھ وہاں پہنچا جہاں بستی والے انبیائے کرام سے گفتگو کر رہے تھے اور کہنے لگا: اے قوم! خدا کے پیغمبروں کی پیروی کرو ان مقدس ہستیوں کی نافرمانی نہ کرو۔ یہ تجھ سے تبلیغ حق کا معاوضہ تو طلب نہیں کرتے۔ یہ تو خدا رسیدہ انسان ہیں۔ بتاؤ میں کیوں نہ ایک خدا کی پرستش کروں جس نے مجھے پیدا فرمایا ہے۔ اور مرنے کے بعد میں اور تم سب اسی کی جانب لوٹ جانے والے ہیں۔ میں تم سے پوچھتا ہوں کیا مجھے خدائے واحد کے سوا ان باطل

معبودوں کو اپنا خدا مان لینا چاہئے۔ اگر حق تعالیٰ مجھے کسی تکلیف سے دوچار کرنا چاہے تو کیا ان باطل معبودوں کی سفارش کارگر ہو سکتی ہے۔ یہ تو مجھے نہ نفع پہنچانے کی طاقت رکھتے ہیں نہ نقصان پہنچانے کی۔ لہٰذا کان کھول کر سن لو کہ ان مقدس انسانوں کی بات مان لو اور میں تو اس ذات پر ایمان لے آیا جو میرا' تمہارا اور سب کا پروردگار ہے۔

قوم نے اپنی تکذیب اور مقدس رسولوں کی تصدیق میں اس نیک مرد کی گفتگو سنی تو غیظ و غضب میں آ گئے اور اس کو شہید کر ڈالا۔ واقعہ کا اس حد تک ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے جرأت حق کی جزاء میں اس کو جنت عطا کی۔ جب اس نے اپنا پاک مقام دیکھ لیا تو کہنے لگا: کاش میری قوم کے لوگ یہ جان سکتے کہ میرے پروردگار نے مجھے مغفرت کا کیسا بے بہا تحفہ دیا ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اس مرد نیک کی قوم کی بدکرداری پر ان کو ہلاک کرنے اور سزا دینے کے لئے ہمیں آسمان سے کسی لشکر کو بھیجنے کی ضرورت نہ تھی فقط ایک ہولناک چیخ نے سب کا کام تمام کر دیا وہ جہاں تھے وہاں ہی بجھ کر رہ گئے۔

علمائے کرام کا خیال ہے کہ شائد ان بدبختوں نے خدا کے انبیاء کو بھی اسی وقت شہید کر ڈالا تھا۔ جس کی دھمکی وہ پہلے ہی دے چکے تھے۔ کیونکہ ان رسولوں کا بعد میں کہیں ذکر نہیں آیا۔ اس لئے واقعہ کا قرینہ یہی شہادت دیتا ہے۔

مفسرین کرام اور ارباب سیر اس واقعہ کے زمانہ اور مقام کی تفصیلات میں مختلف الخیال ہیں جو اسرائیلی روایات پر مبنی ہیں تاہم قرآن حکیم نے اپنے مقصد عظیم یعنی موعظت اور عبرت کے پیش نظر جس قدر بیان فرمایا ہے وہ ایک صاحب بصیرت کے لئے کافی وشافی ہے۔ خدا کی زمین پر حق و باطل کے بہت سے واقعات ہو گزرے ہیں اور چشم فلک نے اس سلسلے میں جتنے بھی مشاہدے کئے ہیں ان میں ایک یہ واقعہ اسی آسمان تلے اور اسی زمین کے اوپر گزرا ہے۔ اس بستی' مرد نیک اور مقدس پیغمبران کرام کے نام معلوم ہوئے تب بھی یا معلوم نہ ہو سکے تب بھی' قرآن حکیم کے بیان کے بعد نفس واقعہ پر ان باتوں کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔

ایک قول کے مطابق یہ واقعہ شہر انطاکیہ میں گزرا اس بستی کے لوگ بت پرست مشرک تھے جن کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے تین پیغمبروں صادق' صدوق اور شلوم کو بھیجا جو مرد نیک ان کی تائید کے لئے آیا اس کا نام حبیب بتایا گیا ہے جو کپڑا بننے کا کام کرتا تھا۔ یہ واقعہ قبل از مسیح علیہ السلام زمانہ قدیم میں ہوا۔ اس اسرائیلی روایت کو وہب بن منبہ نے نقل کیا ہے۔

حضرت لقمان (3000ق۔م)

اہل عرب میں لقمان حکیم مشہور شخصیت ہے لیکن اس کے باوجود ان کے حالات مختلف طور پر مذکور ہیں۔ مگر بالاتفاق یہ تسلیم شدہ تاریخی حقیقت ہے کہ وہ ایک بہت بڑے دانا (حکیم) تھے اور ان کے حکیمانہ اقوال صحیفہ لقمان کے نام سے مشہور و معروف تھے۔

تاریخ قدیم میں لقمان نام کی ایک اور شخصیت کا ذکر بھی موجود ہے۔ جو عاد ثانیہ میں ایک نیک بادشاہ کی حیثیت سے ہو گزرا ہے اور خالص عرب نژاد تھا۔ لیکن ابن جریر' ابن کثیر اور سہیلی جیسے مورخین کی رائے ہے کہ مشہور لقمان حکیم افریقی النسل تھا اور ایک غلام کی حیثیت سے عرب میں آیا۔ وہ صاحب حکمت اور دانا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے حکمت کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ مشہور مورخ اور صاحب مغازی محمد بن اسحاق بھی یہی کہتے ہیں کہ لقمان حکیم عرب کے مشہور قبیلہ عاد یعنی عرب بائدہ کی نسل سے تھے' اور غلام نہ تھے۔ بلکہ بادشاہ تھے۔ ارض القرآن کے مصنف یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ لقمان حکیم اور لقمان بادشاہ ایک ہی شخصیت ہے اور بلاشبہ عاد ثانیہ میں نیک بادشاہ اور بڑے دانا حکیم تھے اور عرب میں جو صحیفہ مشہور ہے وہ انہی کے نام سے منسوب ہے اور اپنے اس دعویٰ کی تائید کے لئے ایک مشہور جاہلی شاعر سلمی بن ربیعہ کے اشعار کا حوالہ دیتے ہیں' جن میں لقمان کا ذکر آیا ہے۔

قرآن حکیم میں حضرت لقمان کا ذکر ایک سورہ مبارک میں ہے جو آپ کے نام سے منسوب ہے یعنی سورہ لقمان اس سے حضرت لقمان کی شخصیت پر ایک حد تک روشنی پڑتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ دیکھا جائے کہ قرآن حکیم میں حضرت لقمان کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ کیا ہے۔

> "اور بلاشبہ ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی اور کہا کہ اللہ کا شکر ادا کرو پس جو شخص اس کا شکر ادا کرتا ہے وہ اپنے نفس کے فائدہ کے لئے کرتا ہے اور جو کفر کرتا ہے تو اللہ بے پرواہ ہے۔ مالک حمد ہے۔ اور جس وقت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: اے میرے بیٹے اللہ کا شریک نہ ٹھہرا

بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔"

آ گے چل کر پھر حضرت لقمان نے سلسلہ موعظت یوں شروع کیا ہے جو قرآن حکیم میں ہے۔

"اے میرے بیٹے! بلاشبہ اگر رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی چیز یا چھوٹی اور وہ پتھر کے اندر یا آسمانوں میں یا زمینوں میں کہیں بھی ہو۔ اللہ اس کو لے آتا ہے' بے شک اللہ دقیق مشاہدہ کرنے والا خبردار ہے۔ اے میرے بیٹے قائم کر نماز اور حکم کر بھلائی کا اور برائی سے منع کر اور جو تجھ پر پڑے اس پر صبر کر بلاشبہ یہ عظیم امور میں سے ہے اور تو اپنے رخساروں کو لوگوں سے دور نہ کر اور زمین پر اکڑ نہ چل بلاشبہ اللہ تعالیٰ کسی تکبر اور شیخی کرنے والے کو دوست نہیں رکھتا۔ اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر اور اپنی آواز کو نرم اور پست رکھ' بے شک گدھے کی آواز بہت ناپسندیدہ آواز ہے۔"

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو جو نصیحتیں کیں ان کا قرآن پاک نے ذکر کر دیا۔ ان میں حسن خلق اور تواضع کی ترغیب اور تکبر و شیخی اور بدخلقی کی مذمت کی گئی ہے اور امر و نہی کی تبلیغ کے لئے ان ہی باتوں کا انتخاب کیا گیا ہے کہ کائنات میں جس قدر بھی بھلائی یا برائی پیش آتی ہے' ان میں یہی چیزیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو احکام الٰہی کی تبلیغ کے لئے منتخب کیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرہ کی تشکیل کے لئے کسی کنبہ' خاندان اور قبیلہ کے سربراہ کی ذمہ داری ہے کہ پہلے وہ خود احکام الٰہی کی انجام دہی کر کے اپنے کنبہ' خاندان یا قبیلہ کے لئے نمونہ بن کر سامنے آئے۔ پھر اپنے زیر اثر افراد کو پیروی کی تبلیغ کرے۔ یہی ایک راستہ ہے جس سے گزرے بغیر معاشرہ کی تشکیل و تکمیل ممکن نہیں۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو تبلیغ کے پیرائے میں جو کچھ کہا کامیاب زندگی کے لئے بہت کافی ہے۔

اصحاب سبت

اصحاب سبت کا واقعہ قریباً 1100 ق۔م میں پیش آیا۔ قرآن حکیم میں سورہ البقرہ' النساء' مائدہ اور سورہ اعراف میں مختلف تفصیلات کے ساتھ یہی واقعہ مذکور ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات اور حالات میں یہ امر واضح ہو چکا ہے کہ اس زمانہ سے اللہ تعالیٰ کے سچے دین اسلام کی تعلیم و تبلیغ کا سلسلہ بنی نوع انسان کی دو شاخوں بنو اسماعیل اور بنو اسحاق علیہم السلام کے ذریعہ قوموں اور ملکوں میں پھیلا۔ اس لئے ان دونوں سلسلوں میں شعائر اللہ کے متعلق یکساں اصول پائے جاتے رہے مگر حضرت اسحاق علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت یعقوب (اسرائیل) علیہ السلام کی اولاد نے جو بنی اسرائیل کہلاتی ہے۔ اپنے زمانہ کے انبیاء علیہ السلام سے اختلاف اور جھگڑے کر کے بعض معاملات میں تشدد اور سختی کے احکام اور بعض معاملات میں ملت ابراہیم سے جدا احکام کا بار اپنے اوپر ڈال لیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی امت میں عبادت الٰہی کے لئے ہفتے کے سات دنوں میں جمعہ کا دن مقرر فرمایا تھا۔ مگر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ آیا تو یہود بنی اسرائیل نے اپنی روایتی کج روی کے باعث حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اصرار کیا کہ ان کے لئے جمعہ کی بجائے ہفتہ عبادت اور برکت کا دن مقرر کر دیا جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے قوم کو قائل کرنے کی بہت کوشش کی کہ وہ اپنے غلط مطالبے پر اصرار سے باز رہیں اور ملت ابراہیم کے اس امتیاز کو جو خدا کے نزدیک پسندیدہ اور مقبول ہے ہاتھ سے ضائع نہ ہونے دیں۔ مگر آپ کی قوم اپنے مطالبے پر قائم رہی۔ اور جب ان کی ضد حد سے تجاوز کر گئی تو وحی الٰہی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اطلاع دی کہ خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے بے جا اصرار کے نتیجہ میں جمعہ کی سعادت و برکت کو ان سے واپس لے لیا ہے' اور ان کی مرضی کے مطابق اب ہفتہ کا دن مقرر کر دیا ہے اور آپ قوم کو مطلع کر دیں کہ اب وہ مطلوبہ دن کی عظمت کا پاس کریں اور اس کی حرمت کو قائم رکھیں اور اس دن کو ان کے لئے خرید و فروخت' زراعت' تجارت اور شکار کو حرام کر کے صرف عبادت الٰہی کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔

قرآن مجید نے بھی اس کے متعلق مختصر ذکر کیا ہے جو انہوں نے عبادت کے لئے ایک دن یعنی ہفتہ مخصوص کرنے کے لئے کہا تھا:

"بے شک سبت کا دن ان لوگوں کے لئے عبادت کا دن مقرر کیا گیا جو اس کے متعلق جھگڑا کرتے تھے اور یقیناً تیرا رب قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ کرے گا جس کے متعلق وہ اختلاف کرتے تھے کہ اس میں حق کیا تھا اور باطل کیا؟" (نحل)

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سبت مقرر کرنے کے بعد بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ وہ اس دن کی حرمت کو برقرار رکھیں گے۔ قرآن مجید کی آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دن کی حرمت برقرار رکھنے کا بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا:

"اور ہم نے ان (بنی اسرائیل) سے کہا کہ سبت ہفتہ کے بارے میں حد سے نہ گزرنا اور خلاف ورزی نہ کرنا اور ہم نے ان سے اس کے متعلق بہت سخت قسم کا عہد و پیمان لیا۔" (آل عمران)

حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہم دنیا میں سب سے آخر میں آنے والے آخرت میں سب سے مقدم ہوں گے خصوصاً اہل کتاب سے جو کہ ہم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ جمعہ کا دن ہم سب سے پہلے ان اہل کتاب پر فرض کیا گیا تھا' مگر انہوں نے اس کے متعلق اختلاف ظاہر کیا اور ہم کو اللہ تعالیٰ نے اس دن یعنی جمعہ کو قبول کر لینے کی توفیق دی۔ سو دنیا میں بھی وہ اس معاملہ میں ہم سے پیچھے رہ گئے۔ اس لئے کہ یہود کا روز عبادت جمعہ سے ایک روز بعد ہفتہ اور نصاریٰ کا اس کے بعد اتوار کا دن ہے۔

بنی اسرائیل ایک مدت تک سبت کی حرمت کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد و پیماں پر برقرار رہے جن باتوں اور کاموں کو اس دن حرام کر دیا تھا ان سے بچتے رہے مگر آخرکار آہستہ آہستہ ان کی کج روی اور سرکشی عود کر آئی اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ان احکامات کی جو سبت کے بارے میں ان پر نافذ کئے گئے تھے' کھلم کھلا خلاف ورزی شروع کر دی رفتہ رفتہ اس خلاف ورزی میں بے باک ہوتے چلے گئے بلکہ بہانے اور حیلے تراش کر اس بدعملی پر فخر کیا جانے لگا۔ تب خدا کے عذاب نے ان کو آ پکڑا اور وہ ذلت و رسوائی کے ساتھ ہلاک کر دیئے گئے۔

اس واقعہ کی تفصیل یہ بیان ہوئی ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت بحر قلزم کے کنارے آباد ہو گئی تھی۔ چونکہ یہ لوگ ساحل سمندر کے باشندے تھے اس لئے مچھلی ان کا قدرتی

شکار تھا اور وہ اس کی خرید و فروخت کا کاروبار کرتے تھے۔ یہ لوگ ہفتہ کے چھ دن مچھلی کا شکار کرتے اس کی تجارت میں مشغول رہتے اور سبت کے روز عبادت الٰہی میں مصروف رہتے اس لئے قدرتی طور پر مچھلیاں ان کے شکار کے دنوں میں جان بچانے کے لئے پانی کی تہ میں چلی جاتیں اور سبت کے دن پانی کی سطح پر تیرتی نظر آتیں ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ حالات ان کی آزمائش کا سبب بھی بنا دیئے۔

کچھ عرصہ تک تو یہود اس حالت کو صبر آزما طریقے پر دیکھتے رہے پھر ان میں سے بعض نے خفیہ طریقوں سے حیلے ایجاد کئے کہ جمعہ کی شام قلزم کے کنارہ کے نزدیک گڑھے کھود کر چھوٹی چھوٹی نہریں بنا کر سمندر کے پانی سے ملا دیتے اس طرح ہفتہ کے روز مچھلیاں سطح پر آ کر ان گڑھوں میں آ جاتیں اور جب یہ گڑھے مچھلیوں سے بھر جاتے تو ان کو سمندری راستوں سے کاٹ دیتے جس سے مچھلیاں گڑھوں میں بند ہو جاتیں اس طرح وہ سبت کے روز گڑھوں سے مچھلیاں نہ پکڑتے بلکہ اگلے روز آسانی سے پکڑ کر بظاہر سبت کی حرمت برقرار رکھتے۔

یہود کے بعض لوگوں نے یہ طریقہ ایجاد کیا کہ جمعہ کے روز سمندر میں جال اور کانٹے ڈال جاتے اور سبت کے روز جال نہ کھینچتے بلکہ ہفتہ کا دن گزارنے کے بعد جو مچھلیاں جال اور کانٹوں میں پھنس جاتیں انہیں اگلے روز نکال لیتے۔

یہود کے وہ لوگ جو ایسے حیلوں سے اجتناب کرتے ان کی خلاف ورزیوں پر انہیں روکتے مگر وہ جواب دیتے کہ وہ سبت کے روز تو شکار نہیں کرتے اور جہاں تک شکار کرنے کی یہ ترکیبیں ہم نے ایجاد کی ہیں تو ان سے منع نہیں کیا گیا۔ یہ جواب دے کر وہ اپنے طور پر مطمئن ہو جاتے کہ ان کا یہ حیلہ خدا کے یہاں ضرور چل جائے گا۔ مگر درحقیقت یہ لوگ دین کے معاملہ میں اللہ کے احکام پر سچے دل اور خلوص نیت سے عمل کرنا ہی نہ چاہتے تھے۔ سعادت مند گروہ کے افراد نے اس نافرمان جماعت کو ہر طریقہ سے سبت کی حرمت برقرار رکھنے کے لئے پرزور کوششیں کیں مگر بے سود۔ تاہم وہ اپنی سعی و تبلیغ کو مسلسل جاری رکھنے پر گامزن رہے اس امید پر کہ شائد وہ سمجھ جائیں۔ اس جماعت کے ساتھ ساتھ بنی اسرائیل میں ایک گروہ نافرمانوں سے مایوس ہو کر خاموش ہو گیا اور خود سرکشی سے بچتا رہا۔ مگر انہیں خدا کے عذاب کے آنے کا کھٹکا ہر وقت لگا رہا۔ چنانچہ ان لوگوں نے نافرمان جماعت سے ترک تعاون کا راستہ اختیار کر لیا' ان سے خرید و فروخت اور ہر قسم کا اشتراک عمل ختم کر دیا حتیٰ کہ اپنے مکانوں کے دروازے بھی ان پر بند کر دیئے۔

چنانچہ ان بدکرداروں اور سرکشی کرنے والوں پر عذاب الٰہی آ گیا۔ سعادت مند

جماعت نے صبح کو دیکھا کہ تمام نافرمانوں اور سبت کی بے حرمتی کرنے والوں کو بندر اور سور بنادیا گیا ہے۔ اب ان کے پاس حسرت ویاس کے سوا کچھ نہ تھا۔ اپنے کیے کا اقرار کر کے روتے ہوئے وہ اپنی ذلت ورسوائی کا دردناک نظارہ بن کر رہ گئے قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

''اے گروہ یہود تم بلاشبہ اپنے پیش رووں میں سے ان لوگوں کو اچھی طرح جانتے ہو جو سبت کے بارے میں احکام الٰہی کی حدود سے متجاوز ہو گئے تھے۔ اور ہم نے ان کے لئے کہہ دیا تم ذلیل بندر ہو جاؤ۔ پس ہم نے اس بستی کے ان بدبخت لوگوں کو گردو پیش کے لوگوں کے لئے عبرت اور خدا سے ڈرنے والوں کے لئے نصیحت وموعظت بنادیا۔'' (البقرہ)

سورہ البقرہ میں یوم سبت کے معاملہ میں احکام الٰہی کی دانستہ بے حرمتی کرنے والے ان بدبخت گروہ کے لوگوں کو مسخ کرنے کی تفصیل کو مزید واضح کرتے ہوئے سورہ المائدہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا:

''آپ (انہیں) فرمایئے کیا میں آگاہ کروں تمہیں کہ کون برا ہے۔ ان سے باعتبار جزا کے اللہ کے نزدیک وہ لوگ جن پر لعنت کی اللہ نے اور غضب فرمایا اور بنایا ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو سور اور وہ برے ہیں جنہوں نے پوجا کی طاغوت کی۔''

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مغضوب گروہ کے نوجوان بندر کی شکل میں مسخ کئے گئے اور بوڑھے سور کی شکل میں مسخ ہوئے۔ چنانچہ مغضوب ومسخ شدہ لوگ چند ایام ہی میں فنا کر دیئے گئے۔

انسان کی مختلف گمراہیوں میں بہت بڑی گمراہی یہ بھی ہے کہ احکام الٰہی سے بچنے کے لئے حیلے بہانے تراش کر حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنانے کی سعی کرے۔ کیونکہ وہ اس طرح شریعت کے اوامر ونواہی کو مسخ کرنے کا مرتکب ہوتا ہے۔ قرآن حکیم اس امر کا شاہد ہے اور اوراق تورات گواہ ہیں کہ یہود اس گمراہی میں پیش پیش اور اس اقدام پر بہت جری تھے۔ اسی لئے ان پر مسخ کا عذاب نازل ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے بیان کردہ اس واقعہ کی روشنی میں امت کو سخت تاکید فرمائی ہے کہ وہ ایسی گمراہی پر ہرگز راغب نہ ہوں اور اپنا دامن عمل اس سے بچائے رکھیں۔

اصحاب الرس

اصحاب الرس کا قرآن مجید کی سورہ فرقان کے اوراق میں بہت مختصر ذکر ہے۔ جن اقوام نے انبیاء علیہ السلام کی تکذیب کی انہیں جھٹلایا اور استہزاء کے ساتھ سرکشی کی جن کے باعث ان باغی اقوام کو ان کی سرکشی کی پاداش میں ہلاک و برباد کر دیا گیا ان اقوام کی فہرست میں اصحاب الرس کا نام بھی شامل ہے مگر ان کے حالات اور واقعات سے تعرض نہیں کیا گیا۔

"اور ثمود اور اصحاب الرس کے درمیانی زمانہ کی بہت سی قوموں کو ہم نے ہلاک کر دیا اور ہم نے ہر ایک کے واسطے مثالیں بیان کیں۔ اور ہم نے ان سب کو ہلاک کر دیا۔" (الفرقان)

ان سے پہلے بھی نوح کی قوم نے اور اصحاب الرس نے اور ثمود و عاد و فرعون اور برادران لوط اصحاب ایکہ اور تبع کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا ان میں سے ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا۔ پس ان پر عذاب لازم ہوا۔

اصحاب الرس کو اس نام سے کیوں موسوم کیا گیا ہے۔ اس کے جواب میں علمائے تفسیر کے اقوال مختلف ہیں کہ حقیقت حال واضح ہونے کی بجائے اور زیادہ مستور ہو گئی۔ اس کے لغوی معنی پرانے کنویں کے ہیں اس لئے اصحاب الرس کے معنے پرانے کنویں والے ہوئے۔

ابن عساکر نے اپنا رجحان یہ ظاہر کیا ہے کہ اصحاب الرس عاد سے صدہا سال قبل ایک قوم کا نام تھا جن کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک پیغمبر حنظلہ بن صفوان کو مبعوث فرمایا مگر ان کی قوم نے سرکشی دکھائی اور تشدد کر کے انہیں قتل کر دیا اور بعد میں خود بھی سب ہلاک ہو گئے۔

ابن ابی حاتم بہ روایت عبداللہ بن عباسؓ نقل کرتے ہیں کہ آذربائیجان کے قریب ایک کنواں تھا چونکہ یہ واقعہ اس سے متعلق ہے اس لئے اس بستی کے رہنے والوں کو اصحاب الرس کہتے ہیں مصر کے ایک مشہور عالم فرج اللہ ذکی کردی کہتے ہیں کہ یہ ایک مشہور شہر کا نام ہے جو قفقاز کے علاقہ میں واقع ہے' اسی وادی الرس میں اللہ تعالیٰ نے ایک نبی کو مبعوث فرمایا جس کا نام ابراہیم زردشت تھا۔ انہوں نے اپنی قوم کو دین حق کی دعوت دی مگر انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا'

اور دعوت حق کے مقابلہ میں زیادہ سرکشی اور نافرمانی اختیار کر لی۔ چنانچہ قوم نے اس کی سزا پائی اور ہلاک کر دی گئی۔ اس کے بعد دعوت دین اسلام کے لئے میدان عمل قفقاز آذربائیجان سے ایران تک پھیل گیا۔ زردشت کے صحیفے کا کچھ حصہ اب بھی قدیم فارسی میں مکتوب ہے۔ اس صحیفہ میں اب بھی نبی کریم ﷺ کی بعثت اور دین اسلام کی بشارت کا ذکر پایا جاتا ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے۔

''عنقریب عرب میں ایک عظیم نبی مبعوث ہوگا اور جب اس کی شریعت پر ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ گزر جائے گا۔ اور دوسرا ہزار شروع ہوگا تو اس دین میں ایسی باتیں پیدا ہو جائیں گی تو یہ پہچاننا مشکل ہو جائے گا کہ کیا یہ دین وہی دین ہے جو اپنے قرن اول میں تھا۔ یعنی بدعات اور رسوم قبیحہ پیدا ہو جائیں گی۔''

علامہ زکی کے اس قول کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ کتب تفسیر میں اس کے متعلق ایک قول ابن عباسؓ سے بھی منقول ہے۔ بلکہ خود ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں قرآن مجید کی ایک آیت کے تحت زردشت کے متعلق یہ فرمایا ہے۔

''اور مجوس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے مبعوث پیغمبر زردشت پر دل سے ایمان لے آئے تھے اس کے بعد انہوں نے کفر کی راہ اختیار کی پس اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو ان کے درمیان سے اٹھالیا۔''

بہر حال اس واقعہ پر قرآن کا اظہار یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ واقعہ یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل ہو گزرا ہے۔ اب رہا یہ کہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیانی زمانے کی کس قوم کا تذکرہ ہے یا کسی قدیم زمانہ کی قوم کا تو قرآن مجید نے اس سے تعرض نہیں کیا اور مذکورہ بالا تفسیری روایات سے اس کے تعلق کا فیصلہ کرنا قطعی ناممکن ہے۔ البتہ علمائے تفسیر آخری روایت کو ہی راجح سمجھتے ہیں۔

حضرت ذوالقرنین

ذوالقرنین کا واقعہ اور حالات اس قدر دلچسپ ہیں کہ قرآن مجید میں بھی بڑی تفصیل سے ان پر روشنی ڈالی گئی ہے بعض علمائے تاریخ آپ کی شخصیت کے متعلق مستشرقین یورپ کے خیالات کو زیر بحث لاتے ہوئے یہ رائے ظاہر کرتے ہیں کہ ذوالقرنین کی داستان اہل عرب کی فرسودہ اور بے سروپا کہانی سے زیادہ کچھ نہیں اور قرآن مجید میں اس کا ذکر ایک تمثیل کے طور پر ہے نہ کہ یہ حقیقت پر مبنی ہے اور تاریخی دنیا میں ذوالقرنین' یاجوج ماجوج اور رسد ذوالقرنین کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ پس ایسی صورت حال کے پیش نظر علمائے تفسیر نے نہ صرف اپنے ذاتی اعتماد کی بنا پر بلکہ تاریخی نقطہ نگاہ کے مطابق یہ ثابت کیا ہے کہ دوسرے تاریخی مسائل کی طرح قرآن مجید نے اس مسئلہ کو اپنی جگہ ایک اٹل اور علم و یقین کے درجہ کی حیثیت دی ہے اور مستشرقین کے انکار کو ان کی اسلام دشمنی کے ساتھ جہالت قرار دیا ہے۔ قرآن مجید کی سورہ کہف میں اللہ تعالیٰ نے ایسے بادشاہ کا ذکر کیا ہے جس کو ذوالقرنین کا نام دیا ہے' اس نے مشرق سے مغرب تک فتوحات کیں اور ایسے مقامات پر پہنچا کہ جہاں یاجوج ماجوج اور رسد قائم کرنے کے واقعات سامنے آئے ہیں' جو ذوالقرنین نے وہاں کے لوگوں کی تسلی کے مطابق حل کئے۔ قرآن مجید کی اسی سورہ مبارکہ میں اصحاب کہف کا واقعہ بڑی تفصیل سے مذکور ہے۔

یہ شہادت ہر طرح سے درست اور ثابت ہے کہ سورہ کہف کا ابھی نزول نہیں ہوا تھا کہ محمد بن اسحاق بروایت حضرت عبداللہ بن عباس نے بیان کیا کہ قریش مکہ نے نضر بن حارث اور عقبہ بن محیط کو علمائے یہود کے پاس روانہ کیا کہ چونکہ وہ لوگ خود کو اہل کتاب کہتے ہیں اور ان کا دعویٰ بھی ہے کہ ان کے پاس زمانہ سابق کے پیغمبروں کا وہ علم ہے جو ہمارے پاس نہیں لہٰذا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہمیں بتائیں کہ ان کی پیغمبری کی صداقت کے متعلق آپ کی الہامی کتب میں کوئی تذکرہ موجود ہے یا نہیں۔ قریش کے وفد نے یثرب (مدینہ) پہنچ کر یہود سے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا۔ علماء یہود نے قریش کے وفد کو کہا کہ تم سب اور باتوں کو چھوڑ دو ہم تم کو تین سوالات بتا دیتے ہیں اگر وہ یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا صحیح جواب دے دیں تو سمجھ لینا کہ وہ اپنے

دعوئ نبوت میں سچے ہیں اور تم پر ان کی پیروی واجب ہے بصورت دیگر تم آزاد ہو جو چاہو کرو۔

وہ تین سوالات یہ ہیں!

1- اس شخص کا حال بیان کریں جو مشرق سے مغرب تک فتوحات کرتا چلا گیا۔

2- ان چند نوجوانوں پر کیا گزری جو کافر بادشاہ کے خوف سے پہاڑ کی غار میں جا چھپے تھے۔

3- روح کے متعلق بیان کیجئے۔

قریش کا وفد تین سوالات لے کر مکہ پہنچا اور قریش کو جمع کر کے علماء یہود سے کی گئی گفتگو سے آگاہ کیا اور اپنی رائے دی کہ اب ہمارے لئے محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں فیصلہ کرنا آسان ہو گیا ہے کہ یہود کے ان سوالات کا جواب ایک امی انسان تب ہی دے سکتا ہے جب اس پر خدا کی وحی آتی ہو۔ چنانچہ قریش نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر تینوں سوال پیش کئے کہ وہ ان کے متعلق جوابات دیں چنانچہ ان تینوں سوالات کے جواب دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر سورۂ کہف کا نزول فرمایا اور ان سوالات کے ٹھیک جوابات دیئے گئے قرآن مجید کی آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ تین سوالوں میں سے ایک سوال ذوالقرنین کے متعلق تھا۔

(ترجمہ) تجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ ذوالقرنین کا حال بتاؤ۔

ذوالقرنین کس شخصیت کا نام یا لقب ہے' بعض علمائے تاریخ کو سخت مغالطہ ہو گیا ہے کہ سکندر مقدونی ہی ذوالقرنین ہے جس کا ذکر سورہ کہف میں کیا گیا ہے مگر یہ قول بالاتفاق جمہور علماء سلف وخلف باطل اور جہالت پر مبنی ہے کیونکہ قرآن کی تصریحات کے مطابق قرآن کا مذکورہ ذوالقرنین صاحب ایمان اور صالح بادشاہ تھا جب کہ تاریخی شہادت سے ثابت ہے کہ سکندر مقدونی مشرک اور جابر بادشاہ گزرا ہے جس کے شرک اور ظلم کی داستان اسی کے بعض امرائے سلطنت نے لکھی ہے۔

چنانچہ حضرت علامہ سید محمد انور شاہ نے اس حقیقت کو بخوبی واضح کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ذوالقرنین کے معاملہ میں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو وہ اہل مشرق میں سے تھا اور بعض کا خیال چین کی جانب ہے اس لئے کہ اگر وہ مشرقی ہوتا تو قرآن مجید اس کو سفر مغرب کے بعد کہتا کہ وہ پھر مشرق کو لوٹ گیا اور نہ وہ اہل مغرب میں سے تھا بلکہ مشرق و مغرب کے درمیانی علاقے میں سے تھا۔ سکندر مقدونی کی جنگی مہمات میں ایسی کسی مہم کی تاریخی شہادت موجود نہیں جیسی قرآن مجید نے ذوالقرنین کی مہمات بیان کی ہیں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں شخصیتیں الگ الگ ہی گزری ہیں۔

۱ ذوالقرنین کی مہمات کے اوصاف بیان کرتے ہوئے قرآن نے بتایا ہے کہ اس نے تین سفر اختیار کئے ایک سفر میں وہ مطلع الشمس تک پہنچتا ہے یعنی مشرق کی جانب اس حد تک جہاں انسانی آبادیوں کا سلسلہ ختم ہو کر سامنے سورج طلوع ہوتا نظر آتا تھا اور دوسرے سفر میں وہ مغرب تک گیا جہاں حصہ زمین ختم ہو کر سمندر کا کوئی مقام سامنے تھا جس میں غروب کے وقت یہ دکھائی دیتا تھا کہ گویا سورج پانی کی دلدل میں ڈوب رہا ہے۔ اور ذوالقرنین کی تیسری مہم ایسے سفر کے متعلق تھی جس میں اس کو ایک ایسی قوم سے واسطہ پڑا جو اس کی زبان سے نا آشنا تھی جس نے یاجوج ماجوج قبائل کی تاخت و تاراج کے بارے میں اس سے شکایت کی اور ذوالقرنین نے ان ہی کی فرمائش پر دو پہاڑوں کی درمیانی گزرگاہ کو لوہے کی چادروں اور تانبہ سے ایک بہت مضبوط سد قائم کر کے حملہ آور یاجوج ماجوج قبائل سے اس قوم کو محفوظ کر دیا۔ ۱

اب رہا یہ مسئلہ کہ علمائے یہود نے دیگر دو مسائل کے ساتھ خاص کر ذوالقرنین کے متعلق نبی اکرم ﷺ سے معلومات حاصل کرنے کے لئے وفد قریش کو کیوں فہمائش کی۔ قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہود کو ذوالقرنین کے متعلق کیا دلچسپی تھی کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے جواب لینے کے لئے ذوالقرنین کی شخصیت کا انتخاب کیا دوسرے سوالات بابت اصحاب کہف والرقیم اور روح کے متعلق الگ بحث آئے گی کیونکہ یہ موضوع صرف ذوالقرنین کی شخصیت کے متعلق ہے۔ علمائے تاریخ و مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ ذوالقرنین کی شخصیت بنی اسرائیل کی زندگی کے سلسلے میں بہت اہمیت رکھتی تھی جس کو وہ اپنی ملی و اجتماعی حیات میں کسی وقت بھی فراموش نہیں کر پائے۔ کیونکہ اسی شخصیت کی بدولت بنی اسرائیل نے بابل کی غلامی سے نجات پائی اور ان کا قومی مرکز و قبلہ بیت المقدس ہر قسم کی تباہی اور بربادی کے بعد ذوالقرنین کے ہاتھوں ہی دوبارہ آباد ہوا اس لئے یہود ان کی عظمت کا بہت اظہار کرتے تھے اور سب سے بڑھ کر وہ سمجھتے تھے کہ اگر محمد ﷺ پیغمبر خدا ہیں تو صرف وہی اللہ کی وحی سے اس سوال کا جواب دے سکیں گے۔

قرآن مجید کے ذوالقرنین، بنی اسرائیل کے نجات دہندہ خدا کے مسیح اور اس کے چرواہے کے متعلق کچھ پیش گوئیاں یہود کے پاس صحیفوں میں موجود تھیں جن کو دیکھ کر وہ انتہائی مایوسیوں کے باوجود اس وقت کے لئے چشم براہ تھے اس سلسلے میں حضرت یسعیاہ علیہ السلام کی پیش گوئی سامنے آتی ہے جو یہودیوں کے یوم نجات سے ایک سو ساٹھ سال قبل سنائی گئی تھی جس کا نفس مضمون لمبا ہے اس لئے اس میں سے صرف متعلقہ بات درج ہے:

"جو یروشلم کی بابت کہتا ہو کہ وہ آباد کی جائے گی اور یہود کے شہروں کی

بابت کہ وہ بنائے جائیں گے اور اس کے ویران مکانوں کو تعمیر کروں گا۔"

اور یرمیا نبی کی کتاب میں ہے کہ خداوند یہ کہتا ہے کہ جب بابل میں ستر برس گزر چکیں گے تو میں خبر لینے آؤں گا اور تمہیں اس مکان میں پھیر لانے سے اپنی اچھی بات تم پر قائم کروں گا۔

الغرض ایسی بہت سی پیش گوئیاں کتب میں موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اس بادشاہ کے ہاتھوں بنی اسرائیل کو بابلیوں سے نجات ملی جس کو یہاں خورس کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

محققین تاریخ نے فارس کی تاریخ کو تین عہدوں میں تقسیم کیا ہے۔ایک حملہ سکندر سے پہلے، دوسرا طوائف الملوکی اور تیسرا عہد ساسانی سلاطین کا۔فارس کی عظمت اور عروج خورس کے عہد حکومت سے شروع ہوتا ہے۔فارس کے دوسرے عہد کے خاتمے کے قریب 559 ق۔م میں قدرت نے ایک ہستی کو نمایاں کیا جو ابتدا میں اگرچہ ایک چھوٹی سی ریاست کا رئیس تھا مگر حیرت انگیز طور پر اس کے عدل و انصاف خدا ترسی، علم اور سیاسی تدبر نے بغیر جنگ و جدل فارس اور ماہات دونوں حکومتوں کی باگ دوڑ اسی کے ہاتھوں میں دے دی اور سب قبائل نے برضا و رغبت اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کرلیا۔یہی وہ ہستی ہے جسے اہل فارس گورش اور یہود خورس کہتے ہیں اور قرآن نے اسی ہستی کو ذوالقرنین کہا ہے۔کیونکہ تاریخی اعتبار سے اسی ہستی کی زیر قیادت تینوں سفر اور مہموں کا ذکر آتا ہے مورخین کہتے ہیں کہ اس بادشاہ نے اگرچہ ایشیائے کوچک کو فتح کرلیا مگر دوسرے بادشاہوں کی طرح ممالک مفتوحہ پر ظلم روا نہیں رکھا نہ ان کو بے وطن کیا انقلاب رونما ہوا مگر شخصیت کا یعنی کرویسس کی جگہ خورس (ذوالقرنین) جیسا عادل بادشاہ آ گیا۔حکومت کے متعلق اس کا اصول وہی تھا جو ایک نیک اور صالح بادشاہ کا ہونا چاہئے۔ایک یونانی مورخ لکھتا ہے کہ اس کا عقیدہ یہ تھا کہ دولت بادشاہوں کے ذاتی عیش و آرام کے لئے نہیں ہے بلکہ اس لئے ہے کہ رفاہ عامہ کے کاموں میں صرف کی جائے اور ماتحتوں کو اس سے فائدہ پہنچے۔

تاریخ اور تورات دونوں اس پر متفق ہیں کہ ذوالقرنین دین اور مذہب کے معاملہ میں بھی ایران کے مروجہ مذہب کے برعکس دین حق کا تابع اور ایمان باللہ اور توحید الٰہی کا داعی تھا جیسا کہ قرآن مجید بھی ذوالقرنین کو مومن قرار دیتا ہے آخر میں اللہ تعالیٰ نے سورہ کہف میں ذوالقرنین کے متعلق جو حالات بیان فرمائے ہیں اس کی موجودگی میں کسی دوسری تاریخی تقریری یا تحقیقی شہادت کی حیثیت نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اے پیغمبر تم سے ذوالقرنین کا حال پوچھتے ہیں آپ کہہ دیں میں اس کا حال تمہیں (کلام الٰہی) میں پڑھ کر سنا دیتا ہوں۔ ہم نے اسے زمین میں حکمرانی دی تھی نیز اس کے لئے ہر طرح کا ساز و سامان مہیا کر دیا تھا۔ تو اس نے پہلے ایک مہم کے لئے سامان تیار کیا اور مغرب کی طرف نکل کھڑا ہوا یہاں تک کہ سورج کے ڈوبنے کی جگہ پہنچ گیا' وہاں اسے سورج ایسا دکھائی دیا جیسے سورج سیاہ دلدل کی جھیل میں ڈوب رہا ہے۔ اور اس کے قریب ایک گروہ کو بھی آباد پایا ہم نے کہا اے ذوالقرنین اب یہ لوگ تیرے اختیار میں ہیں تو چاہے انہیں عذاب میں ڈالے چاہے اچھا سلوک کر کے اپنا بنا لے۔ ذوالقرنین نے کہا: ہم ناانصافی کرنے والے نہیں جو سرکشی کرے گا اسے ضرور سزا دیں گے پھر اسے اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے وہ بداعمالوں کو سخت عذاب میں ڈالے گا اور جو ایمان لائے گا اور اچھے کام کرے گا اس کے بدلے میں اسے بھلائی ملے گی اور ہم اسے ایسی باتوں کا حکم دیں گے جس سے اس کے لئے راحت اور آسانی ہو۔ اس کے بعد اس (ذوالقرنین) نے پھر تیاری کی اور مشرق کی طرف نکلا یہاں تک کہ سورج نکلنے کی آخری حد تک پہنچ گیا اس نے دیکھا کہ سورج ایک گروہ پر نکلتا ہے جس سے ہم نے کوئی آڑ نہیں رکھی ہے معاملہ یوں ہی تھا اور جو کچھ ذوالقرنین کے پاس تھا اس کی ہمیں پوری خبر ہے اس نے پھر ساز و سامان تیار کیا اور تیسری مہم کو نکلا یہاں تک کہ دو پہاڑوں کی دیواروں تک پہنچا وہاں اس نے دیکھا کہ پہاڑوں کے اس طرف ایک قوم آباد ہے جس سے بات کی جائے تو کچھ نہیں سمجھتی اس قوم نے کہا اے ذوالقرنین یاجوج ماجوج آ کر اس ملک میں لوٹ مار کرتے ہیں کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک روک بنا دیں اور اس غرض کے لئے ہم آپ کے لئے کچھ خراج مقرر کر دیں۔ ذوالقرنین نے کہا کہ میرے پروردگار نے میرے قبضے میں جو دے رکھا ہے وہ ہی میرے لئے بہتر ہے میں تمہارے خراج کا محتاج نہیں مگر تم اپنی قوت سے اس کام میں میری مدد کرو میں تمہارے اور یاجوج ماجوج کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دوں گا۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ لوہے کی سلیں میرے لئے مہیا کرو اور پھر جب تمام سامان مہیا ہو گیا اور دونوں پہاڑوں کے درمیان دیوار اٹھا کر ان کے برابر کر دی تو حکم دیا کہ بھٹیاں سلگاؤ اور اسے دھونکو پھر جب اس قدر دھونکا گیا کہ بالکل آگ کی طرح سرخ ہو گئی تو کہا پگھلا ہوا تانبا اس پر انڈیل دو۔ پس اس طرح ایک ایسی روک بن گئی کہ نہ تو یاجوج ماجوج اس پر چڑھ سکتے تھے اور نہ اس میں سرنگ لگا سکتے تھے ذوالقرنین نے کہا کہ یہ میرے پروردگار کی مہربانی ہے۔

قرآن مجید کی ان آیات میں ذوالقرنین کا جو واقعہ موجود ہے اگر اس کا مورخین کی

تحقیق کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو فیصلہ خود بخود ہو جاتا ہے کہ ذوالقرنین کا اطلاق خورس کے سوا کسی اور شخصیت پر نہیں ہوتا قرآن کے اسلوب بیان سے ظاہر ہے کہ ذوالقرنین کا واقعہ یہود کے سوال کرنے پر مذکور ہوا جو اپنی کتب سماویہ کے ذریعے جانتے تھے کہ ذوالقرنین کس قسم کا بادشاہ ہو گزرا ہے اور سوائے وحی الٰہی کے حامل شخص کے کوئی دوسرا ذوالقرنین کے حالات بتا نہیں سکے گا۔

ذوالقرنین کی شخصیت کے تعین کے بعد یہ سوال بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ وہ نبی تھے یا محض ایک صالح بادشاہ اس مسئلہ سے بحث کرتے ہوئے کچھ ذوالقرنین کو نبی قرار دیتے ہیں جبکہ صحابہ کرامؓ کی کثیر تعداد کی رائے ہے کہ وہ صرف ایک صالح نیک اور مومن بادشاہ تھا حتیٰ کہ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ ذوالقرنین نہ نبی تھے نہ فرشتہ وہ ایک نیک انسان تھے۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو محبوب رکھا اصحاب سلف کے علاوہ مشہور علماء اور مورخین بھی اسی طرف گئے ہیں کہ ذوالقرنین ایک عامل نیک اور صالح بادشاہ تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ قرآن مجید میں بھی ذوالقرنین کا تعارف کراتے ہوئے صرف اسی قدر کہا گیا ہے کہ ہم نے اسے صرف زمین میں حکمرانی دی تھی نیز اس کے لئے ہر طرح کا ساز و سامان مہیا کر رکھا تھا۔

اصحاب الفیل

اصحاب الفیل کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی ایک چھوٹی مگر پوری سورۂ مبارکہ میں فرمایا ہے۔اس واقعہ کے پس منظر کی تحقیق میں مفسرین کرام اور علمائے تاریخ نے بڑی جستجو کی ہے کہ وہ کون لوگ تھے جنہیں اصحاب الفیل کہا گیا اور کس ملک کے باسی تھے۔ چنانچہ مورخین فرماتے ہیں کہ سبا کی حکومت کی حدود مملکت جنوبی عرب سے شروع ہو کر شمالی عرب اور افریقہ تک وسیع ہوگئی تھیں یمن اور افریقہ کے درمیان بحر احمر اور بحر عرب کے جو گوشے حائل ہیں ان کو حبش کہا جاتا ہے اور یورپین اقوام میں ابی سینیا' یونان میں ایتھوپیا اور خود اہل حبش میں جیز کہلاتا ہے اور عرب مورخین کے نزدیک حمیرا (سبا) اور حبشہ کے اصل باشندوں کے اختلاط سے یہ قوم عالم وجود میں آئی تھی۔

اس مخلوط سبائی قوم کا دارالحکومت شہر اکسوم تھا جو حبش کے ایک صوبے کے مشرق میں واقع تھا۔حبش نے اکسوم میں جس حکومت کی بناڈالی وہ 11ء ق م سے چھٹی ہجری تک قائم رہی۔ عرب حبشہ کے بادشاہ کو نجاشی کا لقب دیتے ہیں۔حبش کی زبان میں نجوس کے معنی بادشاہ کے ہیں۔ مشہور نجاشی بادشاہ اصحمہ بن الجبران خوش قسمت بادشاہوں میں سے ہے جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا زمانہ پایا اور اسلام کی دولت سے مشرف ہوا۔انہی کے زمانہ میں مسلمانوں نے پہلی ہجرت حبشہ کی جانب کی اور نجاشی نے انہیں عزت سے پناہ دی۔

حبش کا مذہب اور تمدن شروع سے ہی مصر و عرب کے مذہب اور تمدن سے متاثر رہا ہے اس لیے مذہبی اعتبار سے یہ مصری اور یمنی قبائل کی طرح بت پرست تھے۔لیکن جب رومی بادشاہوں کے اثر سے مصر نے عیسائیت کو قبول کر لیا تو اس کا اثر حبش پر بھی پڑا اور 330ء میں سب سے پہلے آذینہ نجاشی نے عیسائیت کو قبول کیا۔تاہم روم اور ایران کی باہم سیاسی و تجارتی کشمکش نے حبش اور یمن کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا نتیجتاً حبش اور روم ایک جانب ہیں تو یمن اور ایران دوسری طرف۔جس زمانے میں حبش میں عیسائیت کا ظہور ہوا تو اس کے قریب یمن میں یہودیت

نے قدم جمائے۔ مگر عرب عیسائیت سے کبھی مانوس نہ ہوئے رفتہ رفتہ یمن اور حبش میں مذہبی منافرت کے باعث ظلم و جور کے کئی واقعات رونما ہوئے تو قیصر روم نے نجاشی حبش کو حکم دیا کہ وہ یمن پر حملہ کر کے انتقام لے۔

ابن کثیر لکھتے ہیں کہ قیصر روم کا پیغام نجاشی کو پہنچا تو وہ ستر ہزار فوج کے ساتھ یمن پر حملہ آور ہوا یمن کا بادشاہ ذونواس بھی فوج گراں کے ساتھ مقابلہ میں آیا مگر شکست کھا کر فرار ہونے کے لیے دریا میں کودا تو غرق آب ہو گیا۔ عرب مورخین کہتے ہیں کہ یمن کے فاتح کا نام ارباط تھا اور ابرہہ الاشرام اس کے ہمراہ تھا۔ عرب مورخین کی روایت کے مطابق ارباط یمن کا پہلا گورنر بنایا گیا۔ مگر چند سال بعد ابرہہ نے ارباط کے خلاف بغاوت کر کے اسے مار ڈالا اور بلا شرکت غیرے یمن پر قابض ہو گیا لیکن جب نجاشی کو یہ خبر ملی تو وہ ابرہہ پر سخت ناراض ہوا مگر ابرہہ نے فرمانبرداری کا یقین دلا کر اسے راضی کر لیا اور مطمئن ہو کر یمن پر حکومت کرنے لگا۔

ابرہہ عیسائیت میں بہت پر جوش تھا اس نے اپنی قلمرو میں عیسائی مبلغ مقرر کیے اور شہروں میں بڑے بڑے گرجے تعمیر کرائے اور سب سے بڑا کلیسا دارالحکومت صنعا میں تیار کرایا۔ جسے اہل عرب القلیس کہتے تھے ابن جریر اور ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ گرجا بلحاظ فن تعمیر عدیم المثال تھا اس کی تعمیر کے بعد اس نے نجاشی کو لکھا کہ میں نے آپ کے صنعا میں ایسا کلیسا بنوایا ہے جس کے مثل کوئی دوسرا نہیں۔ اب میری خواہش ہے کہ عرب جو مکہ میں کعبہ کا حج کرنے کے لیے جمع ہوتے ہیں ان سب کا رخ اس کلیسا کی طرف پھیر دوں۔ اہل عرب نے یہ سنا تو ان میں سخت برہمی پیدا ہو گئی۔ کیونکہ تمام اہل عرب خواہ وہ کسی بھی فرقہ یا مذہب سے تعلق رکھتے ہوں کعبہ کی بہت زیادہ تعظیم کرتے اور اپنے عقیدہ کے مطابق اس کا حج کرنا فرض سمجھتے تھے۔

صنعا میں کسی حجازی نے ابرہہ کا بیت اللہ کے خلاف اعلان سنا تو اس نے ایک شب موقعہ پا کر کلیسا کو نجس اور پلید کر دیا اور بے حرمتی کی۔ صبح ابرہہ کو اس کی خبر ملی تو غضبناک ہو کر کہنے لگا کہ یقیناً یہ کسی حجازی کا کام ہے اور قسم کھا کر اعلان کیا کہ اب وہ کعبہ ابراہیمی کو تباہ و برباد کیے بغیر چین سے نہیں بیٹھے گا۔ یہ فیصلہ کر کے ابرہہ لشکر جرار اور ہاتھیوں کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ مکہ کی جانب روانہ ہو گیا۔ مکہ پر لشکر کشی کی خبر تمام قبائل عرب میں پھیل گئی۔ جس سے ایک ہیجان پیدا ہو گیا۔ سب سے پہلے یمن کے ہی ایک امیر ذونفر نے یمن سے نکل کر عرب کے مختلف قبائل کے پاس قاصد روانہ کیے کہ میں ابرہہ کا مقابلہ کرنا چاہتا ہوں۔ اس نیک مقصد کے لیے آپ میرا ساتھ دیں چنانچہ ذونفر کا ابرہہ سے مقابلہ ہوا مگر شکست کھائی اور گرفتار ہو کر مارا گیا۔ اس کے بعد قبیلہ

بنی خشعم کے سردار نفیل بن صہیب سے پڑاؤ پڑا مگر وہ بھی شکست کھا کر گرفتار ہو گیا۔ ابرہہ طائف پہنچا تو بنی ثقیف کے سردار مسعود بن معتب نے آگے آ کر اس کا خیر مقدم کیا اور کہا کہ آپ بیت اللات کے انہدام کا ارادہ نہیں رکھتے تو ہمیں آپ سے کوئی پرخاش نہیں' ابرہہ اسے بیت اللات کی حفاظت کا یقین دلا کر آگے بڑھ گیا۔

وادی مغمس پہنچ کر ابرہہ رک گیا اور ایک حبشی فوجی افسر کو جس کا نام اسود بن مقصود تھا حکم دیا کہ وہ چھاپہ مارے۔ اسود مکہ کے نزدیک پہنچا تو وہاں قریش اور دیگر قبائل کے بے شمار اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کے ریوڑ چر رہے تھے انہیں گھیر کر اپنے لشکر میں لے گیا۔ ان ریوڑوں میں عبدالمطلب کے دو سو اونٹ بھی تھے۔

اس زمانہ میں عبدالمطلب قریش کے سردار تھے۔ ابرہہ کی لشکر کشی کا یہ حال دیکھ کر قریش' کنانہ' ہذیل اور دیگر قبائل نے مشورہ کیا کہ ابرہہ کا مقابلہ کس طرح کیا جائے۔ سوچ بچار کے بعد طے ہوا کہ ہم میں مدافعت کی طاقت نہیں لہٰذا مکہ کو چھوڑ کر قریب کے پہاڑوں میں چلے جانا چاہیے۔ ابھی یہ لوگ مکہ میں ہی تھے کہ ابرہہ نے ایک سفارت بھیجی جو حناطہ الحمیری پر مشتمل تھی اس نے آ کر دریافت کیا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ لوگوں نے عبدالمطلب کی طرف اشارہ کیا الحمیری نے کہا کہ میں ابرہہ کی جانب سے آیا ہوں۔ بادشاہ نے کہا ہے کہ ہمارا ارادہ آپ کو نقصان پہنچانا نہیں نہ ہم آپ سے جنگ کرنے آئے ہیں ہم تو صرف اس گھر (بیت اللہ) کو ڈھانے آئے ہیں پس اگر تمہارا ارادہ جنگ اور مدافعت کا ہے تو پھر تم جانو اور اگر ہمارے ارادے میں حائل نہیں ہو تو بادشاہ آپ سے ملاقات کا خواہشمند ہے۔ عبدالمطلب نے کہا کہ ہمارا بھی کوئی ارادہ نہیں کہ جنگ کریں۔

الغرض عبدالمطلب ابرہہ کے پاس پہنچے تو ان کا تعارف کرایا گیا۔ عبدالمطلب بہت شاندار اور وجیہہ وشکیل شخصیت کے مالک تھے۔ ابرہہ آپ سے بہت عزت سے پیش آیا اور اپنے برابر ان کو جگہ دی۔ دوران گفتگو عبدالمطلب نے شکایت کی کہ آپ کے ایک سردار نے میرے اونٹ گرفتار کر لیے ہیں۔ لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ میرے اونٹ میرے حوالے کر دیئے جائیں۔ ابرہہ نے یہ سنا تو کہا: اے عبدالمطلب میں تو تم کو فہیم اور عقیل سمجھتا تھا لیکن اس سوال پر سخت تعجب میں ہوں۔ تم کو معلوم ہے کہ میں کعبہ کو ڈھانے کے لیے آیا ہوں۔ لیکن تم نے اس کے متعلق ایک جملہ بھی نہیں کہا اور صرف اونٹوں کی واپسی کی حقیر بات کی۔ عبدالمطلب نے کہا: بادشاہ اونٹ چونکہ میری ملکیت ہیں' اس لیے میں نے صرف ان کے متعلق بات کی اور کعبہ

میرا گھر نہیں۔ خدا کا مقدس گھر ہے۔ وہ آپ اس کا محافظ ہے میں کون ہوں جو اس کے لیے سفارش کروں۔ اگر اللہ اس کی حفاظت کرنا چاہے گا تو وہ کر سکتا ہے اور اگر اس کو اس کی حفاظت مقصود نہیں تو ہم قوت مدافعت کے حامل نہیں۔ ابرہہ نے کہا: اب اس کو میرے ہاتھ سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ آپ جانیں اور رب البیت جانے۔ یہاں گفتگو کا سلسلہ ختم ہو گیا تو ابرہہ نے فوجی افسر کو حکم دیا کہ عبدالمطلب کے اونٹ واپس کر دیئے جائیں۔ ساتھ ہی دوسرے سردار نے ابرہہ کو پیش کش کی کہ تہامہ کے تہائی مال کے عوض کعبہ کو نقصان نہ پہنچایا جائے مگر ابرہہ نہ مانا۔

عبدالمطلب نے واپس آ کر دیگر قبائل کو جمع کیا اور ابرہہ سے گفتگو کی روئداد سنائی اور مشورہ دیا کہ لوگ مکہ خالی کر کے پہاڑوں میں چلے جائیں۔ جانے سے قبل عبدالمطلب اور دیگر افراد کعبہ اللہ میں حاضر ہوئے اور زنجیر پکڑ کر بارگاہ الٰہی میں دعا کی کہ خدایا ہم اس بارے میں غمگین نہیں ہیں کہ جب ہم اپنی متاع کی حفاظت کر سکتے ہیں' تو اپنی متاع (کعبہ) کی تجھ کو بھی حفاظت کرنی چاہئے اور تیری تدبیر پر نہ صلیب کی تدبیر غالب ہے اور نہ اہل صلیب کی۔ ہاں اگر تو ہی چاہتا ہے کہ ان کو اپنے مقدس گھر کو خراب کرنے دے تو پھر ہم کون ہیں جو تیرا جی چاہے کر۔ اس کے بعد قریش مکہ خالی کر کے پہاڑوں میں چلے گئے۔

اگلے روز ابرہہ نے اپنے لشکر کو ترتیب دیا۔ پہلی قطار میں ہاتھی تھے اور ان کے پیچھے لشکر جرار۔ ابھی یہ لشکر مکہ نہیں پہنچا تھا کہ پرندوں کے غول اچانک فضاء میں لشکریوں کے اوپر نمودار ہوئے' پرندوں کی چونچ اور پنجوں میں سنگریزے تھے جو انہوں نے لشکریوں پر پھینکنا شروع کر دیئے۔ جس فوجی کو سنگریزہ لگتا اس کا بدن اور اعضاء گلنے اور سڑنے شروع ہو جاتے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تھوڑی ہی دیر میں لشکر ریزہ ریزہ ہو کر رہ گیا۔ چند فوجی جو فرار ہو کر یمن پہنچے انہوں نے ابرہہ اور اس کے لشکر کی تباہی کا حال سنایا۔ کہا جاتا ہے کہ جب ابرہہ نے مکہ پر حملہ کرنے کے لیے ہاتھیوں کو آگے بڑھانے کا حکم دیا تو فیلبانوں نے ہاتھیوں کو آنکس مارے مگر وہ آگے بڑھنے سے رک گئے اور واپسی کیلئے دوڑنے کی کوشش کرنے لگے۔ اس طرح ہاتھیوں کے ذریعے حملہ کا منصوبہ بھی ناکام ہو گیا اور کعبہ اللہ کو تباہ و برباد کرنے والا ابرہہ اور اس کا لشکر پرندوں کے ذریعہ دیکھتے ہی دیکھتے خس و خاشاک کی طرح ڈھیر کر دیا گیا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس واقعہ کا سورۃ الفیل میں یوں ذکر فرمایا:

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے ہاتھی والوں

کے ساتھ کیا کیا کہ ان کے فریب کو ناکارہ بنادیا اور بھیج دیئے ان پر پرندوں کے جھنڈ۔ وہ پھینک رہے تھے ان پر سنگریزے۔ پس کردیا ان کو کھائے ہوئے بھوسہ کی طرح:

جب اہل قریش اور دیگر قبائل ابرہہ کے لشکر سے اپنی بے چارگی اور تاب مقاومت سے معذوری کا اظہار کر کے کعبہ کو رب کعبہ کے سپرد کر کے راہِ مزاحمت سے ہٹ جاتے ہیں تو اب مقابلہ انسانوں کا انسانوں سے نہیں ہے بلکہ فرعون صفت اور ہامان خصلت انسانی طاقت خدا کی طاقت سے ٹکرانا چارہی ہے۔ اب یہاں انسانی مقاصد دوسرے انسانوں کے مقاصد سے متصادم نہیں بلکہ حق کے مقاصد پاک سے ایک ناپاک انسان کا ارادۂ ناپاک نبرد آزما ہو رہا ہے۔ پھر پاک اور ناپاک کی کشمکش کا انجام کیا ہوا کہ خدا کی طاقت کے سامنے انسانی قوت پاش پاش ہو کر رہ گئی ہے۔

آج نہ اصحاب الفیل کا نام ونشان باقی ہے نہ قدیم صنعا کا اور نہ ہی قریش مکہ باقی ہیں جنہوں نے اپنی آنکھوں سے وہ منظر دیکھا لیکن توحید اور مرکز صداقت کعبۃ اللہ اپنی عظمت و جلالت کے ساتھ قائم ہے اور تاقیامت قائم رہنے والا ہے۔

اصحاب الفیل کا یہ عجیب وغریب واقعہ ماہ محرم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت با سعادت سے پچاس دن قبل پیش آیا۔ اہل عرب میں یہ واقعہ اس درجہ اہمیت اور شہرت رکھتا تھا کہ انہوں نے اس واقعہ کی نسبت سے اس سال کا نام عام الفیل رکھ دیا اور آئندہ اہم واقعات کو اس سن کے حساب سے شمار کرنے لگے۔ جو عیسوی سن کے حساب سے **571**ء کے مطابق ہوتا ہے۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی حیات مبارکہ میں یہ سورہ الفیل نازل ہوئی تو مشرکین عرب اور یہود ونصاریٰ کی عداوت کے باوجود وہ اس سورۂ مبارکہ کے بیان کردہ واقعہ کے خلاف کوئی صدا بلند نہ کر سکے کہ یہ واقعہ غلط ہے یا اس کی حقیقت یہ نہیں۔ کیونکہ اس وقت تمام لوگ اس واقعہ کے وقوع پذیر ہونے پر متفق تھے۔ یہ سب شواہد مقام کعبہ کی صد ہزار عظمت کا اظہار کرتے ہیں اور اس کی حرمت بلاشبہ ہے کیونکہ یہ شعائر اللہ ہے اور مرکز توحید چنانچہ ایک عارف باللہ نے خوب کہا ہے۔

قبلہ کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں
فاعتبروا یا اولی الابصار

اصحاب الاخدود

اخدود لغت میں گڑھے، کھائی اور خندق کو کہتے ہیں اس واقعہ کا تعلق ایک کافر بادشاہ اور اس کے اہل سلطنت سے ہے جنہوں نے گڑھے، کھائیاں اور خندقیں کھدوا کر ان میں آگ خوب طرح دہکائی اور پھر مومنوں کو ان میں ڈال کر زندہ جلا دیا تھا اس نسبت سے ان کافروں کو اصحاب الاخدود کہا جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں اس واقعہ کا تذکرہ سورہ بروج میں صرف اسی قدر ہوا ہے اور اتنی ہی معلومات ہم پہنچاتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔ قسم ہے آسمان کی جس میں برج ہیں اور اس دن کی جس کا وعدہ ہے اور اس دن کی جو حاضر ہوتا ہے اور اس دن کی جس کے پاس حاضر ہوتے ہیں مارے گئے کھائیاں کھودنے والے۔ آگ ہے بہت ایندھن والی جب وہ اس پر بیٹھے اور جو کچھ وہ کرتے تھے مومنین کے ساتھ (اپنی) آنکھوں سے دیکھتے تھے اور ان سے بدلہ نہیں لیتے تھے مگر صرف اس بات کا کہ وہ ایمان لائے تھے اللہ پر جو زبردست ہے۔

اصحاب الاخدود کی نسبت سے قرآن مجید میں مذکور متعلقہ حصے کے ترجمے سے اسی قدر ظاہر ہوتا ہے کہ خندقیں کھود کر ان کو آگ سے بھر دیا گیا پھر مومنین کو اس میں ڈال کر جلا دیا گیا اور خود کناروں پر بیٹھے نظارہ کرتے رہے ان کا قصور صرف اتنا ہی تھا کہ وہ ایک اللہ پر ایمان لائے۔

اس واقعہ کی دیگر تفصیلات مفسرین کرام نے مختلف حوالوں سے نقل کی ہیں جو واقعہ کے لحاظ سے ایک جیسی ہیں مگر محل وقوع اور کچھ تفصیلات میں مختلف ہیں مگر ان میں سے جو زیادہ مشہور ہیں ان میں سے ایک کا ذکر امام احمدؒ نے اپنی مسند میں اور امام مسلمؒ نے صحیح میں اور نسائی و ترمذی نے سنن میں کیا ہے۔ وہ یہ کہ صہیب رومیؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: گذشتہ زمانہ میں ایک بادشاہ تھا۔ اس کے دربار میں ایک جادوگر تھا جب وہ بہت بوڑھا ہو گیا تو ایک روز اس نے بادشاہ سے کہا کہ میں اب بوڑھا ہو چکا ہوں اور موت کا وقت قریب ہے اس لیے میری خواہش ہے کہ آپ ایک زیرک لڑکا میرے حوالے کر دیں تا کہ میں اس کو اپنا فن سحر سکھا

کر زندگی میں ہی کامل ساحر بنادوں۔ بادشاہ نے ایک لڑکا انتخاب کر کے اس کے حوالے کر دیا۔ جادوگر نے لڑکے کی تعلیم شروع کر دی۔ لڑکا ہر روز گھر سے نکلتا اور ساحر کے گھر پہنچتا اتفاق سے راستہ میں ایک راہب کی جھونپڑی تھی۔ ایک مرتبہ لڑکا راہب کے پاس چلا گیا اور اس کی باتوں اور طریقوں کو دیکھ کر بہت مسرور ہوا اور راہب کے پاس آنے جانے لگا۔ اس وجہ سے ساحر کے پاس جانے میں دیر ہونے لگی تو ساحر نے بادشاہ سے لڑکے کی نسبت آنے جانے میں تاخیر کی شکایت کی جس پر بادشاہ لڑکے پر بہت برافروختہ ہوا۔ لڑکے نے راہب کو معاملہ سے آگاہ کیا تو راہب نے کہا کہ اگر ساحر تاخیر کا سبب دریافت کرے تو کہہ دینا کہ بادشاہ کے پاس دیر ہوگئی اور اگر بادشاہ کے پاس جانے میں دیر ہو جائے تو کہنا کہ ساحر کے پاس زیادہ دیر بیٹھا رہا۔ اس حیلے بہانے سے وہ جادوگر اور بادشاہ کی ڈانٹ سے بچا رہا۔

یہ سلسلہ کافی دیر چلتا رہا۔ ایک دفعہ لڑکے نے ایک بہت ہیبت ناک اور عظیم الجثہ درندہ راستہ میں بیٹھا دیکھا کہ اس نے پورا راہ روک رکھا ہے اور کسی میں جرأت نہیں کہ اس کے سامنے سے گزر جائے۔ لڑکے نے سوچا کہ یہ وقت بہترین ہے جانچ کرنے کا کہ آیا ساحر کا مذہب سچا ہے یا راہب کا یہ سوچ کر اس نے ایک پتھر اٹھایا اور کہنے لگا: اے خدا اگر تیرے نزدیک ساحر کے مقابلہ میں راہب کا دین سچا ہے تو میرے اس پتھر سے تو جانور کو ہلاک کر دے۔ یہ کہہ کر لڑکے نے جانور کو پتھر مارا جس کا لگنا تھا کہ وہ فوراً ہلاک ہو گیا۔ لڑکا چل دیا اور راہب کے پاس پہنچ کر سارا ماجرہ بیان کر دیا۔ راہب نے کہا: صاحبزادے تم مجھ پر فضیلت لے گئے۔ اب مجھے ڈر ہے کہ تم آزمائش میں ڈالے جاؤ گے۔ دیکھو وہ وقت آ جائے تو میرا ذکر نہ کرنا۔ لوگوں نے لڑکے کی یہ جرأت اور عمل دیکھ کر اس واقعہ کا اور اس کے علم کا چرچا کیا۔ یہ سن کر اس کے پاس کوڑھی اور جزامی مریض آنے لگے تو وہ اپنے علم کی وجہ سے انہیں مرض سے نجات دلانے لگا چنانچہ اس کی دعا سے اور اللہ کے فضل سے مریض تندرست ہو جاتے۔

بادشاہ کا ایک درباری نابینا ہو گیا تھا اس نے لڑکے کا چرچا سنا تو وہ تحائف لے کر لڑکے کے پاس گیا اور اسے بینا کرنے کی درخواست کی لڑکے نے اسے کہا کہ میں تو کچھ نہیں ہوں اور نہ مجھ میں یہ طاقت ہے بلکہ شفاء دینے والا تو خدائے واحد ہے۔ پس اگر تو ایمان لے آئے اور اللہ واحد کے سوا کسی کی پرستش نہ کرے تو میں ضرور تیری شفاء کے لیے دعا کروں گا۔ درباری یہ تبلیغ حق سن کر اللہ پر ایمان لے آیا اور مسلمان ہو گیا تو اللہ نے اسے شفاء عطا فرمائی اور وہ بینا ہو گیا۔

اگلے روز وہ درباری بادشاہ کے پاس گیا۔ اس نے جب درباری کو بینا پایا تو دریافت

حالات کے لیے اسے پوچھا تو درباری نے جواب دیا کہ میرے رب نے مجھے بینا کر دیا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ تیرا رب تو میں ہوں میں نے تجھے اچھا کر دیا ہے۔ درباری بولا: نہیں تیرے میرے اور کل جہان کے رب نے اچھا کیا ہے۔ بادشاہ نے غضب ناک ہو کر کہا: کیا میرے سوا بھی کوئی تیرا رب ہے۔ درباری نے کہا: ہاں اللہ تعالیٰ تیرا اور میرا دونوں کا رب ہے۔ تب بادشاہ نے اسے طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کر دیا آخر اس نے لڑکے کا ماجرہ کہہ سنایا۔ بادشاہ نے لڑکے کو بلایا اور اسے کہا: بیٹا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو جادو کے ذریعہ اندھوں کو بینا اور کوڑھی و جزامی کو شفا دیتا ہے۔ لڑکے نے کہا: مجھ میں یہ طاقت کہاں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے شفاء دینے سے صحت یاب ہوتے ہیں۔ بادشاہ نے کہا: کیا میرے سوا بھی تیرا کوئی رب ہے۔ لڑکے نے جواب دیا: وہ خدا جو واحد اور یکتا ہے تیرا میرا اور سب کا رب ہے۔ تب بادشاہ نے لڑکے کو بھی عذاب میں مبتلا کرنا شروع کر دیا۔ آخر کار لڑکے نے راہب کا نام پتہ بتا دیا۔ بادشاہ نے راہب کو طلب کیا اور اسے دین حق ترک کرنے پر مجبور کیا لیکن وہ کسی طرح آمادہ نہ ہوا۔ بادشاہ نے مایوس ہو کر راہب کے سر پر آرا چلا دیا اور اسے شہید کر دیا۔ اب لڑکے کو ترغیب دی کہ وہ دین حق سے پھر جائے لڑکے نے بھی انکار کر دیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ لڑکے کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر وہاں سے گرا دیا جائے کہ یہ پاش پاش ہو جائے۔ جب سرکاری اہل کار لڑکے کو لے کر پہاڑ پر چڑھے تو لڑکے نے دعا کی کہ یا الٰہی تو ان لوگوں کے مقابلہ میں میرے لیے کافی ہو جا۔ چنانچہ اسی وقت زلزلہ آیا اور سرکاری آدمی گر کر ہلاک ہو گئے اور لڑکا صحیح و سالم بچ کر بادشاہ کے سامنے آ کھڑا ہوا بادشاہ نے حیران ہو کر پوچھا: سرکاری اہل کار کہاں ہیں۔ لڑکے نے کہا: خدا نے میرے مقابلہ میں ان سب کو ہلاک کر دیا ہے۔

بادشاہ نے سرکاری اہل کاروں کی تباہی کا سنا تو اور غضب ناک ہو کر حکم دیا: اسے لے جاؤ اور دریا میں غرق کر دو۔ سرکاری ملازم لڑکے کو لے کر دریا کے درمیان پہنچے تو لڑکے نے اللہ تعالیٰ سے پھر وہی دعا کی۔ فوراً ہی دریا میں جوش آیا اور دیکھتے ہی دیکھتے سب سرکاری ملازم غرق آب ہو گئے۔ لڑکا پھر بچ گیا اور بادشاہ کے سامنے کھڑا ہو کر کہنے لگا! میرے رب نے میری پھر مدد کی میں بچ گیا اور تیرے ملازم غرق دریا کر دیئے گئے۔ بادشاہ نے لڑکے کو دین الٰہی ترک کرنے کو کہا۔ مگر لڑکا اپنے دین اسلام کے عقیدے پر قائم رہا اور کہا کہ تو مجھے ہرگز ہلاک نہیں کر سکتا بجز ایک ترکیب کے اور وہ یہ کہ بادشاہ شہر کی تمام مخلوق کو بلند جگہ پر جمع کرے جب سب لوگ جمع ہو جائیں تو میرے ترکش سے ایک تیر لے اور یہ الفاظ پڑھ کر میرے سینہ پر کہ اللہ کے نام سے جو اس لڑکے

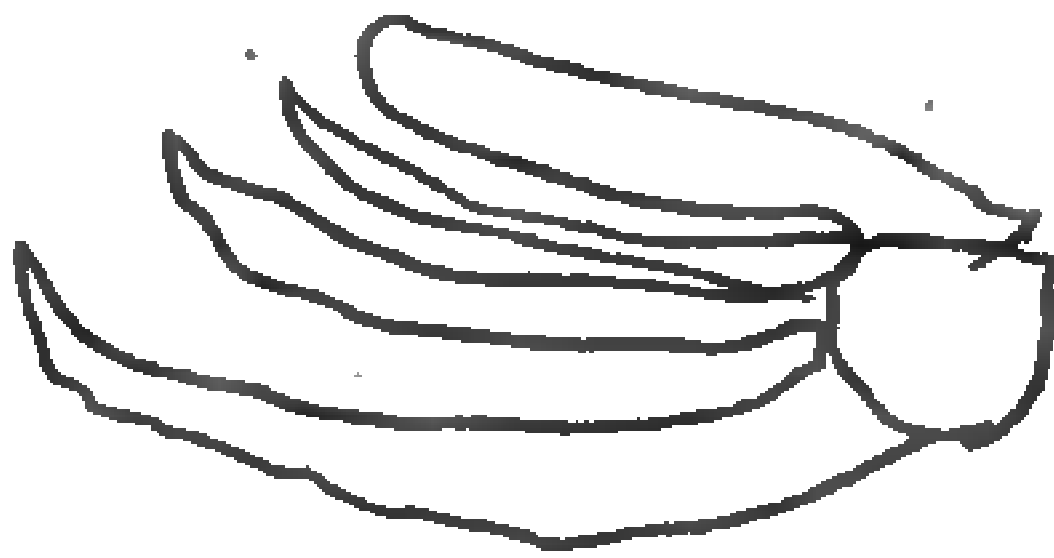
کا پروردگار ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ تیر لگتے ہی لڑکا جاں بحق ہو گیا۔ خلقت نے یہ نظارہ دیکھا تو سب نے بہ آواز بلند ایک دم نعرہ لگایا: ''ہم لڑکے کے رب پر ایمان لائے'' اور وہ سب ایمان لا کر مسلمان ہو گئے یہ دیکھ کر درباری کہنے لگے: اے بادشاہ جس بات کا تجھ کو خوف تھا آخر وہ بات ہو کر رہی کہ بہت سی رعایا مسلمان ہو گئی یہ سن کر بادشاہ آپے سے باہر ہو گیا اور حکم دیا کہ خندقیں اور کھائیاں کھدوائی جائیں اس کے بعد ان میں خوب آگ دہکا دو پھر ایسے تمام مومنین اکٹھے کر لیے گئے جو دین اسلام چھوڑنے کے لیے تیار نہ ہوئے اور انہیں آگ سے دہکتی خندقوں کے کنارے کھڑا کر دیا۔ ہر مومن کو باری باری بلایا گیا اور آخری موقعہ دیا کہ دین اسلام ترک کر دے اس کے انکار پر اسے آگ میں گرا دیا جاتا۔ ہر مسلمان کا ایک ہی جواب تھا کہ اے بادشاہ جو آگ تو نے دہکائی ہے وہ تو بہت جلد بجھ جانے والی ہے تو بھی اپنے آپ کو جہنم کی اس آگ سے بچا جو کبھی نہ بجھے گی اور نہ تمازت میں کم ہو گی اور اپنی رعایا کو بھی اس کی تبلیغ کر۔ اللہ تعالیٰ نے تو ہم کو جنت کے باغوں میں اپنا مقام دکھا دیا ہے۔ مگر بادشاہ جو اپنی رعایا کا رب بنا ہوا تھا اس پر کچھ اثر نہ ہوا اور ایک ایک کر کے تمام مومنین کو خندقوں میں گرا کر جلا دیا۔ اس واقعہ کو دیکھنے کے لیے بادشاہ کے علاوہ اس کے درباری اور کافروں کی کافی تعداد نظارہ کرتی رہی کہ اتنے میں ایک مومن عورت لائی گئی جس کی گود میں شیر خوار بچہ تھا۔ عورت بچے کی محبت میں ہچکچائی تو بچے کو قدرت نے طاقت بخشی وہ بول پڑا کہ ماں صبر سے کام لے اور بے خوف خندق میں کود جا اس لیے کہ بلاشبہ تو حق پر ہے اور یہ ظالم باطل پر۔ چنانچہ وہ عورت اپنے بچے کو ساتھ لیے آگ میں گرا دی گئی۔

اس واقعہ کو مندرجہ بالا تفصیلات میں الفاظ کے فرق کے ساتھ ایسی ہی شکل میں محمد بن اسحاق نے بہ سلسلہ سند محمد بن کعب نقل کیا ہے اور مذکورہ بالا واقعات کی تائید کی ہے۔ اس روایت میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اصحاب الاخدود کا یہ واقعہ شام اور حجاز کے درمیان ایک بستی کے لوگوں پر گزرا اور اس بستی کا نام نجران تھا جس کے باشندے بت پرست تھے۔ 1

اس واقعہ میں دو نکات واضح ہو کر سامنے آئے ہیں: ایک یہ کہ دنیا کے کسی گوشہ میں یہ الم ناک واقعہ ضرور پیش آیا۔ دوسرا یہ کہ واقعہ کے نتیجہ اور ثمرہ کے پیش نظر ظالم خسارے میں رہا اور مظلوموں کو فلاح نصیب ہوئی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے جو سچ اور حق ہے۔ لیکن وقتی طور پر موقعہ پر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ ظالم بادشاہ اور اس کی حکومت مومنین کو ختم کر دینے میں کامیاب رہے اور مظلوم زندگی کی بازی ہار گئے۔ لیکن چشم فلک ہمیشہ گواہ رہی ہے کہ اللہ کی راہ میں فدا کاروں کے لیے اس عارضی زندگی کے بعد بے حد و حساب نعمتوں کا تحفہ ہے اور بظاہر کامیاب ظالم بہت جلد

اپنے انجام کو پہنچے یعنی نیست و نابود کر دیئے گئے اور آخرت کی ابدی زندگی میں جہنم کا عذاب الیم بھی ان کا نصیب بنا۔

اسی طرح جب انسان انفرادی یا اجتماعی زندگی میں خدائے ذوالجلال کے خوف سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور اسے دولت و حکومت کا نشہ کبر و غرور کی اس بلندی پر پہنچا دیتا ہے' جہاں اس کی نگاہ میں تمام مخلوق ہیچ اور حقیر نظر آنے لگتی ہے تو ایسے وقت میں اخلاق حسنہ اور جذبات عالیہ اس سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں اور اسے اپنی ذات یا نفسانی خواہشات اور اغراض کے علاوہ کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ تب سنت الٰہی اپنا کام کرتی ہے اور اسے اس بلندی سے اس طرح پٹخ دیتی ہے کہ پستی ذلت و رسوائی کے تاریک غار کے علاوہ اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا اور انا ربکم الاعلیٰ کہنے والا اللہ تعالیٰ کی ایسی گرفت میں آ جاتا ہے کہ کائنات کی کوئی طاقت کام آتی ہے نہ کوئی مادی اسباب جن کے بل بوتے پر وہ خدا کو بھول جاتا ہے اللہ کی راہ میں نور ایمان کی روشنی کے ساتھ باطل طاقتوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہونے والوں کا ہی ذکر باقی رہتا ہے اور وہی آخری زندگی میں ابدی نعمتوں اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے میں کامیاب اور کامران ہوتے ہیں۔



اصحاب کہف والرقیم

کہف: لغت میں پہاڑ کے اندر وسیع غار کو کہتے ہیں' مگر رقیم کے معنی میں اہل لغت ومفسرین کو کچھ تردد ہے۔ اس مقام پر بھی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کئی اقوال منقول ہیں۔ یعنی رقیم لفظ رقم سے مشتق ہے اور رقیم بمعنی مرقوم (مکتوب) ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بادشاہ وقت نے چند اصحاب کی تلاش کے بعد ان کے نام پتھر کی ایک تختی پر کندہ کرا دیئے تھے اس لیے ان کو اصحاب رقیم بھی کہا جاتا ہے۔ بعض مفسرین کے یہاں یہ قول مشہور ہے کہ رقیم اس وادی کا نام ہے جہاں پہاڑ میں وہ غار تھے جن میں اصحاب کہف روپوش ہوئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایلہ (عقبہ) کے قریب ایک شہر کا نام ہے جو بلاد روم میں واقع ہے۔

تاریخ اور علم الاثار کے اوراق کے مطابق یہ واقعہ بعثت مسیح علیہ السلام سے کچھ زمانہ بعد کا ہے۔ اور اصحاب کہف کا تعلق قبیلہ انباط سے تھا۔ یہ انباط کون ہیں اور ان کا وطن کہاں ہے۔ یہی وہ گتھی ہے اور پیچیدہ مسئلہ جس کے سلجھانے سے ہی حقیقت واضح ہوتی ہے۔ اس لیے مفسرین کرام اور علمائے تاریخ نے ان امور پر بڑی توجہ دی ہے۔

عرب مورخین کے ایک گروہ کے نزدیک انباط عجمی النسل قبیلہ تھا مگر یہ صحیح نہیں مانا گیا۔ اس کے برعکس عرب مورخین کے ایک طبقہ کے اقوال' توراۃ اور رومی و یونانی تاریخیں یہ ثابت کرتی ہیں کہ انباط خالص عربی اور اسمٰعیلی النسل ہیں اور بدویانہ زندگی ترک کر دینے کے بعد حجاز سے نکل کر دوسرے علاقوں میں آباد ہو جانے کی وجہ سے عربوں کے لیے اجنبی ہو گئے حتیٰ کہ یہ خود بھول گئے کہ عرب سے ان کی کیا نسبت ہے۔ توراۃ نے اسے بہت واضح کیا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹوں میں سے سب سے بڑے بیٹے کا نام نابت بن اسماعیل تھا جس کی نسل بہت کثیر ہوئی اور بہت سے علاقوں میں پھیلی۔ مورخین نے نابت کو نبط کا نام بھی دیا ہے اور ڈائیڈ رو (۸۰ ق م) بیان کرتا ہے کہ انباط ایلہ (عقبہ) پر رہتے تھے۔ دوسری جگہ یہ مورخ لکھتا ہے کہ اوپر سے گزرتے ہوئے تم خلیج عقبہ (ایلہ) میں داخل ہو گئے ہو تو اس کے حدود پر ان عربوں کی بہت سی

آبادیاں ہیں جن کو لوگ نبط کہتے ہیں۔

آثار اور کتبات میں بھی نبط کا نام سب سے پہلے 700 ق م میں نظر آتا ہے۔ جبکہ شاہ اسیریا کے کتبہ میں وہ اپنے مفتوحین کی فہرست میں ناتان شاہ نبط کا تذکرہ کرتا ہے۔ ان تاریخی حقائق سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ ایلہ (عقبہ) کی خلیج سے شام تک اور سواحل مصر سے خلیج فارس تک جو قوم ان حوالہ جات کی روشنی میں برسر اقتدار نظر آتی ہے وہ نابت بن اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل ہے جو نبط نبایوط اور انباط کے ناموں سے پکاری جاتی رہی۔

مورخین کے نزدیک انباط کا رقبہ حکومت مختلف العہد قوموں کے دائرہ حکومتوں پر حاوی تھا۔ یعنی ثمود کا ملک اور وادی قریٰ وغیرہ اس کا دارالحکومت مشہور شہر حجر تھا۔ ملک مدین کا دارالحکومت شہر مدین ہی تھا اور ملک ادوم کا دارالحکومت رقیم تھا۔ انباط کا زمانہ حکمرانی 106 ق م سے شروع ہو کر 70 ق م تک ختم ہو جاتا ہے۔ رومیوں نے ان پر لشکر کشی کر کے انہیں شکست دی اور رقیم پر قبضہ کر لیا تب انباط کے پاس صرف حجر کا علاقہ رہ گیا اور 70 ق م میں وہ بھی ان کے ہاتھ سے نکل گیا تو انباط کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور یہ قبیلہ منتشر ہو گیا۔

یہی وہ رقیم ہے جس کا ذکر اصحاب کہف کے واقعہ میں قرآن مجید نے کیا ہے اور یہی وہ شہر ہے جس کے کچھ سعادت مند انسان بت پرستی سے انکار کر کے بت پرست حکمرانوں کے ظلم وجور سے محفوظ رہنے کی خاطر اس شہر کے پہاڑوں کے ایک غار میں روپوش ہو گئے تھے۔

اس تاریخی انقلاب نے ایک طرف انباط کی رقیم پر حکومت کا خاتمہ کر دیا تو دوسری طرف رومیوں نے شہر رقیم کا نام تبدیل کر کے پیڑا رکھ دیا تھوڑے ہی عرصہ میں رقیم کا یہ شہر پیڑا کے نام سے اپنے علوم وفنون کے سبب شہرت پکڑ گیا اور لوگ اس کے پرانے تشخص کو بھول گئے کہ یہ شہر کبھی رقیم کے نام سے انباط کا دارالحکومت تھا مگر صدیوں بعد سنت الٰہی نے اپنا کام کیا کہ جب قرآن مجید نے اس کا اصل نام بیان کیا تو عجمی لوگوں کی طرح اہل عرب بھی حیران تھے کہ رقیم غار کا نام ہے یا لوہے کی تختی کا' یا پہاڑ یا شہر کا لیکن اس نام کو انباط کے بھائیوں (حجازیوں) نے تو بھلا دیا تھا مگر توراۃ نے اپنی سند میں محفوظ رکھا تا کہ جب نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم وحی الٰہی کے ذریعہ اصل حقیقت کا اعلان کریں تو وہ اس کی تائید کے لیے خود کو پیش کر سکے۔

ان بے لاگ اثری اور تاریخی شواہد کے بعد یہ رائے قائم کرنی بہت آسان ہو جاتی ہے کہ قرآن مجید نے جن اصحاب کہف کا واقعہ بیان کیا ہے وہ اسی شہر رقیم سے تعلق رکھتے تھے۔

اسماعیلی عربوں نے کچھ عرصہ اپنے آباؤ اجداد کا دین حق قائم رکھا اور ملت ابراہیمی کی

پیروی کرتے رہے مگر آہستہ آہستہ مصر شام اور عراق کے تعلقات نے ان میں بھی بت پرستی اور ستارہ پرستی داخل کر دی اور اولاد نابت بھی شرک کی گمراہی میں ڈوب گئی تا آنکہ مسیحی دور آ گیا اس دور کے اوائل میں دارالحکومت رقیم کے اندر ایک عجیب معاملہ پیش آیا جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

مسیحی مذہب کے ابتدائی زمانے کے وقت نبطی حکومت خود شرک اور گمراہی میں مبتلا تھی جبکہ اس کے اطراف یعنی شام وغیرہ میں عیسائیت کا اثر و نفوذ تھا۔ رقیم کی چند نوجوان سعید روحیں شرک سے بیزار ہو کر توحید کی طرف مائل ہو جاتی ہیں اور دین عیسوی کو قبول کر لیتی ہیں بادشاہ وقت کو ان نوجوانوں کی دین عیسوی کی قبولیت کی خبر پہنچتی ہے تو وہ ان کو دربار میں بلاتا ہے اور ان سے انکشاف حال چاہتا ہے۔ نوجوان بادشاہ کے سامنے کلمہ حق بیان کرنے میں بڑے بے باک اور جری ثابت ہوتے ہیں۔ بادشاہ ان کے اعلان حق پر ناگواری ظاہر کرتا ہے اور نوجوانوں کو اپنے مسلک پر غور کرنے کے لیے چند یوم کی مہلت دیتا ہے۔ وہ دربار سے واپس آ کر مشورہ کرتے ہیں اور طے کرتے ہیں کہ خاموشی کے ساتھ کسی پہاڑ کی غار میں روپوش ہو جانا چاہیے تا کہ مشرکوں کے شر سے محفوظ ہو کر عبادت الٰہی کر سکیں۔ یہ فیصلہ کر کے نوجوان ایک غار میں چھپ جاتے ہیں۔ جب وہ غار میں داخل ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر نیند طاری کر دیتا ہے اور یہ خواب کی ہی حالت میں کروٹیں بھی بدلتے رہتے ہیں۔ غار اندر سے بہت کشادہ ہے اس کے دھانہ کی مخالف سمت متعدد سوراخ ہیں جس کے باعث غار کے اندر ہر وقت تازہ ہوا میسر ہے۔ غار کا دھانہ اس رخ پر ہے کہ دھوپ اندر نہیں پہنچ پاتی مگر قدرے روشنی چھوڑ دیتی ہے کہ نہ زیادہ تاریکی ہو کہ کچھ نظر نہ آئے اور نہ اتنی تیز روشنی کہ ہر شے روشن نظر آئے۔ ایسے حالات میں یہ چند انسان اس غار میں خوابیدہ ہیں اور ان کا رفیق کتا اپنے اگلے ہاتھ پھیلائے غار کے دھانہ پر باہر کی جانب منہ کر کے بیٹھا ہے۔ اس مجموعی صورت حال نے یہ کیفیت پیدا کر دی ہے کہ پہاڑوں میں غار کے اندر جھانکنے والے پر خوف و ہراس طاری ہو جاتا ہے اور وہ وہاں سے بھاگنے میں ہی عافیت سمجھتا ہے۔

برسوں تک یہ نوجوان غار میں آرام سے سوتے ہوئے محفوظ رہتے ہیں۔ اسی اثناء میں شہر میں انقلاب آ جاتا ہے کہ عیسائی نبطی حکومت پر حملہ آور ہو کر اسے شکست فاش دیتے ہیں اور شہر پر قابض ہو جاتے ہیں اس طرح رقیم یعنی پیٹرا عیسائیت کی آغوش میں آ جاتا ہے۔ اس موقعہ پر خدا کی مشیت فیصلہ کرتی ہے کہ یہ نوجوان بیدار ہوں چنانچہ یہ بیدار ہو جاتے ہیں آپس میں سرگوشیاں کرتے ہوئے ایک دوسرے سے دریافت کرتے ہیں کہ ہم یہاں کتنی مدت سوتے رہے ایک نے

کہا: ایک دن۔ دوسرے نے جواب دیا! شاید دن کا کچھ حصہ۔ پھر کہنے لگے ہم میں سے کوئی شہر جا کر کھانا لے آئے اور یہ سکہ لے جائے مگر جو بھی جائے احتیاط سے لین دین کرے کہ کسی کو شبہ نہ ہو کہ ہم کون ہیں، ایسا نہ ہو کہ پھر پکڑے جائیں۔ بادشاہ مشرک اور ظالم ہے اس حالت میں بے دینی پر مجبور کرے گا یا قتل کرا دے گا۔

اب ان نوجوانوں میں سے ایک سکہ لے کر بازار گیا۔ وہاں گیا تو دیکھا حالات بالکل بدل چکے ہیں۔ نئے آدمی، نئی عمارات اور نیا طور طریقہ نظر آ رہا ہے۔ پھر بھی ڈرتے ڈرتے ایک باورچی کی دوکان پر جا کر اشیائے خوردنی خریدیں۔ جب قیمت ادا کرنے لگا تو باورچی نے دیکھا کہ سکہ بہت قدیم ہے۔ اس طرح بات آخر کھل گئی۔ لوگوں کو اصل حقیقت معلوم ہوئی تو انہوں نے اس شخص کا خیر مقدم کیا اور جوق در جوق نوجوانوں کی زیارت کے لیے غار پر پہنچ گئے۔ اہل غار کو لوگ اپنی طرف آتے نظر آئے تو گھبرا کر کہنے لگے کہ شاید ہم پکڑے گئے مگر لوگوں نے آ کر نوجوانوں کی بڑی تعظیم کی، کوتوال شہر سے گزرے حالات کا تبادلہ ہوا۔ نوجوان خوش ہوئے کہ مشرک اور ظالم بادشاہ کا دور حکومت ختم ہو چکا ہے اور دین عیسوی برسر اقتدار آ گیا ہے۔ لوگوں نے نوجوانوں سے اصرار کیا کہ شہر چل کر اپنی پاکیزہ زندگی سے خلقت کو فائدہ پہنچائیں مگر وہ کسی طرح آمادہ نہ ہوئے اور عمر کا باقی حصہ راہبانہ زندگی کے ساتھ اسی غار میں گزار دیا۔

جب ان مردان حق کا انتقال ہو گیا تو لوگوں میں چرچا ہوا کہ ان کی یادگار قائم ہونی چاہیے بااثر اور صاحب اقتدار لوگوں نے فیصلہ کیا کہ ان کی غار کے دہانہ پر ہیکل یعنی مسجد تعمیر کی جائے چنانچہ انہوں نے مسجد تعمیر کرا دی۔

غار میں پناہ گزیں نوجوان کتنے تھے اور کتنے سال وہ غار میں رہے؟ آیئے قرآن مجید سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے۔ ہم اس کے متعلقہ حصوں کا ترجمہ پیش کرتے ہیں سورہ کہف میں ہے:

"اے پیغمبر کچھ لوگ کہیں گے وہ تین آدمی ہیں چوتھا ان کا کتا۔ کچھ لوگ ایسا بھی کہتے ہیں نہیں وہ پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا۔ یہ سب اندھیرے میں تیر چلاتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا۔ (اے پیغمبر) کہہ دے کہ ان کی اصل گنتی تو میرا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کیونکہ ان کا حال بہت کم لوگوں کے علم میں آیا ہے اور تو لوگوں سے اس بارے میں نزاع نہ کر مگر اس حد تک کہ صاف صاف بات میں ہو"

یہ نوجوان غار میں کتنے سال سوئے رہے قرآن پاک نے مزید وضاحت فرمائی کہ:

"اور کہتے ہیں وہ غار میں تین سو برس تک رہے لوگوں نے نو برس اور بڑھا دیئے ہیں اے پیغمبر تو کہہ دے اللہ ہی بہتر جانتا ہے وہ کتنی مدت تک رہے۔ وہ آسمان وزمین میں ساری پوشیدہ باتیں جاننے والا بڑا ہی دیکھنے والا ہے۔ اس کے سوا لوگوں کا کوئی کارساز نہیں اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے"

اصحاب کہف ورقیم کے واقعہ کے بعد آنے والی نسل میں اس واقعہ کی صحت کے متعلق تو کوئی شک وشبہ نہ تھا بلکہ صدہا سال گزرنے کے بعد بھی یہود نے قریش مکہ کے وفد کو نبی علیہ السلام سے یہ دوسرا سوال دریافت کرنے کے لیے کہا۔ مگر نوجوانوں کی تعداد اور غار میں سوئے رہنے کی مدت کے متعلق لوگوں میں اختلاف رائے رہا۔ جسے قرآن مجید نے تمام طبقوں کے ظن کو سامنے رکھ کر پوری طرح بتا دیا کہ اصل مسئلہ کسی واقعہ کے ہو گزرنے کی صحت کا ہے جو سب مانتے ہیں رہا ان کی اصل تعداد اور سوئے رہنے کی مدت تو یہ ایسے معاملات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ تو بخوبی جانتا ہے مگر لوگوں کو اتنی باریکیوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ زبردست قدرت والا ہر پوشیدہ چیز کا جاننے اور دیکھنے والا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام

حضرت آدم علیہ السلام اور حوا کو زمین پر پہنچا دیا گیا۔ کسی انسان کا زمین پر یہ پہلا قدم تھا۔ بعض مورخین و مفسرین کی روایات میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سراندیپ (ہند) میں اور حوا کو جدہ (حجاز) میں اتارا گیا۔ پھر دونوں ایک عرصہ بعد میدان عرفات (حجاز) میں آ کر ایک دوسرے کو ملے۔ کہتے ہیں کہ حج کے لئے اس میدان کو عرفات اسی لئے کہتے ہیں کہ جنت سے اترنے کے بعد آدم علیہ السلام اور حوا نے یہاں پہنچ کر ایک دوسرے کو پہچانا۔ بعض علماء اور مفسرین کرام کا رجحان اس جانب ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حوا ایک ہی جگہ زمین پر اتارے گئے تاکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کے مطابق جلد ہی نسل انسانی کی افزائش ہو سکے۔

کلام الٰہی حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر نزول کی تفصیلات پر خاموش ہے۔ جیسے ان امور پر جستجو کی چنداں ضرورت نہیں۔ بہرحال آپ بنی نوع انسان کے پہلے فرد اور کائنات بشری کے ابوالبشر ہیں۔ قرآن حکیم میں اسی نظریہ کی تائید ہے۔

شریعت اسلامی میں "نبی" اس ہستی کو کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے چن لیا ہو اور وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہو۔ اور رسول اس نبی کو کہا جاتا ہے جس کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نئی شریعت اور کتاب بھیجی گئی ہو۔ چونکہ حضرت آدم علیہ السلام دنیائے انسانی کے باپ ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی یہ زمین نسل انسانی سے آباد ہونے والی تھی' اسی لئے جس طرح آپ اپنی نسل کی دنیوی سعادت و فلاح کے رہنما اور ہادی تھے اسی طرح اخروی کامیابی کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کے نبی و رسول تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کے درمیان براہ راست گفتگو کے متعلق کافی آیات مبارکہ قرآن حکیم کی زینت ہیں۔

حضرت آدم شجرہ ممنوعہ کھا کر جس جنتی زندگی سے نکل چکے تھے توبہ قبول ہونے کے باوجود وہ دوبارہ تو نہ مل سکتی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو فرمایا:

"اب تم سب یہاں سے نکل جاؤ (اور جس زندگی کا دروازہ تم پر کھولا جا رہا

ہے اسے اختیار کرلو) لیکن جب کبھی ایسا ہوگا کہ ہماری جانب سے تم پر راہ ہدایت کھولی جائے گی تو تمہارے لیے وہ یہی راہیں ہوں گی تو جو کوئی ہدایت کی پیروی کرے گا اس کے لئے کوئی کھٹکا نہیں (البقرہ)

سورۃ طٰہٰ میں اللہ تعالیٰ نے اس موقعہ کے متعلق پھر فرمایا اور حضرت آدم کو حکم دیا:

"تم اکٹھے یہاں سے نکل چلو تم میں سے ایک دوسرے کا دشمن ہوا (اب تم پر ایک دوسری زندگی کی راہ کھلے گی) پھر جب میری طرف سے تمہارے پاس (تمہاری نسل کے پاس) کوئی پیغام ہدایت آیا تو جو کوئی ہدایت پر چلے گا وہ نہ تو راہ سے بے راہ ہوگا اور نہ دکھ میں پڑے گا۔"

احکامات الٰہی سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام زمین پر اتارے جانے کے ساتھ زمینی زندگی کے تمام امور سے باخبر کر دیئے گئے تھے اور اس کے متعلق ضروری تعلیم کے حامل تھے آپ کو یہ بھی بتا دیا گیا کہ تمہاری نسل انسانی کو راہ ہدایت بتانے کے لئے اللہ کے پیغمبر مبعوث کئے جائیں گے تو ان کی پیروی کرنی ہوگی۔

چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کی رفیقہ حیات حوا نے اللہ کی تعلیم کے مطابق زمینی زندگی کا آغاز کیا۔ اعتقاد و اعمال کے سلسلے میں حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے بذریعہ وحی جو پیغامات سنے وہ ہی آپ کی شریعت قرار پائی۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے جو قواعد و ضوابط آپ کو سکھائے گئے وہ ہی دین اسلام کہلایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تمام انبیائے کرام و مرسلین کا ایک ہی دین رہا ہے جسے دین اسلام کا نام دیا گیا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام جس طرح دنیائے انسانی کے ابوالبشر ہیں اسی طرح آپ کاروان اسلام کے پہلے قائد ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ میں بے شمار پند و نصائح اور مسائل کا ذخیرہ موجود ہے۔ علماء تفسیر نے مندرجہ ذیل عبرتوں کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی ہے:

1- اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کے اسرار و رموز بے حد حساب اور ان گنت ہیں جن کا احاطہ ناممکن ہے۔ اسی لئے ملائکہ خلافت آدم کی حکمت سے آشنا نہ ہو سکے۔

2- اللہ تعالیٰ کی عنایت و توجہ اگر کسی حقیر شے کی جانب ہو جائے تو وہ بڑے سے بڑے مرتبہ و منصب پر فائز ہو سکتی ہے۔ اور اس کی توجہ کا فیضان بخت و اتفاق کی بدولت خالی از حکمت نہیں ہوتا۔

3- خطا کار ہونے کے باوجود انسان کا دل ندامت و توبہ کی طرف مائل ہو تو اس کے لئے

باب رحمت بند نہیں ہے۔

4- بارگاہ الٰہی میں گستاخی اور سرکشی بڑی سے بڑی نیکی کو تباہ کر دیتی ہے۔

5- اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کو حقیر جاننا اور ان کی تعظیم و توقیر نہ کرنا بارگاہ الٰہی کا مغضوب اور راندہ ہو جاتا ہے۔

''پس عبرت حاصل کرو اے چشم بصیرت رکھنے والو۔''

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے جسد خاکی کی تخلیق کے لئے کائنات کے ہر حصے سے مٹی لی گئی۔ آپ جمعہ کے دن پیدا ہوئے۔ جمعہ کے دن جنت سے زمین پر اتارے گئے اور اسی دن ہی وفات پائی۔ آپ نے ایک ہزار سال عمر پائی۔ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کثیر بتائی گئی ہے جو قرب و جوار کے مختلف علاقوں میں آباد ہوتی رہی حضرت شیث علیہ السلام آپ کے سب سے پہلے بیٹے کا نام تھا جو آج کل کے موسوم علاقہ مصر کی سرزمین میں آباد ہوئے۔

آپ کی نرینہ اولاد میں قابیل اور ہابیل کا واقعہ آپ کی زندگی میں ہوا اس لئے یہاں قابل ذکر ہے:

قابیل وہابیل

حافظ حدیث عماد الدین ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں ایک روایت نقل کی ہے کہ جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور بعض دوسرے صحابہ کرامؓ سے منقول ہے کہ دنیائے انسانی میں اضافہ کے لئے یہ دستور کارفرما ہوا کہ زوجہ حضرت آدم علیہ السلام حوا کے بطن سے توام جوڑا یعنی لڑکا۔ لڑکی کا عقد دوسرے پیٹ سے پیدا ہونے والے توام جوڑے کے ساتھ کر دیا کرتے تھے۔ اسی دستور کے مطابق قابیل اور ہابیل کی شادی کا وقت آیا تو قابیل کا دستور کے مطابق جس لڑکی سے عقد ہونا تھا اس نے اسے مسترد کر دیا اور دوسری لڑکی سے عقد کا خواہاں ہوا جو دستور کے مطابق ہابیل کے عقد میں آنے والی تھی کیونکہ وہ زیادہ خوبصورت تھی۔ مذاکرات سے جب یہ معاملہ حل ہوتا نظر نہ آیا تو حضرت آدم علیہ السلام نے یہ فیصلہ فرمایا کہ دونوں اپنی اپنی قربانی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کریں۔ جس کی قربانی منظور ہو جائے وہ ہی اپنے ارادہ کے پورا کرنے کا مستحق ہوگا۔

جیسا کہ کتب میں مذکور ہے اس زمانہ میں قربانی (نذر) کا یہ الہامی دستور تھا کہ قربانی کی چیز کسی بلند جگہ پر رکھ دی جاتی اور آسمان سے آگ نمودار ہوتی اس کو جلا دیتی یا قربانی کے قبول ہونے کی دلیل بنتی۔ چنانچہ ہابیل نے اپنے ریوڑ سے ایک بہترین دنبہ خدا کی نذر کیا اور قابیل نے

اپنے کھیت کا ناقص غلہ نذر میں رکھا۔ دستور کے مطابق آگ نمودار ہوئی اور ہابیل کی قربانی کو جلا دیا اس طرح قبولیت کا شرف اس کے حصہ میں آیا۔ قابیل اپنی نذر مسترد ہونے پر اپنی توہین سمجھ کر برداشت نہ کر سکا اور غیض و غضب میں آ کر ہابیل کو کہا کہ میں تجھ کو قتل کئے بغیر نہ چھوڑوں گا تا کہ تو اپنی مراد کو نہ پا سکے۔ قابیل کو کسی کی نصیحت کا اثر نہ ہوا اور غصہ سے مشتعل ہو کر اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا۔

ہابیل کے قتل کے بعد قابیل حیران تھا کہ اس کی نعش کا کیا کرے کیونکہ اس وقت تک نسل آدم موت سے دوچار نہیں ہوئی تھی۔ یکا یک اس نے دیکھا کہ ایک کوے نے زمین کرید کر ایک گڑھا کھودا۔ روایت ہے کہ کوے نے دوسرے مردہ کوے کو اس گڑھے میں چھپا دیا یہ دیکھ کر قابیل نے اپنے آپ پر افسوس کیا کہ اس میں اس جرم کو چھپانے کی اہلیت بھی نہیں۔

دمشق کے شمال میں جبل قاسون پر ایک زیارت بنی ہوئی ہے جو مقتل ہابیل کے نام سے مشہور ہے۔

امام احمدؒ نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ایک روایت نقل کی ہے۔

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا میں جب بھی کوئی ظلم سے قتل ہوتا ہے تو اس کا گناہ حضرت آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے قابیل کی گردن پر ضرور ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے ظالمانہ قتل کی ابتداء کی اور یہ ناپاک سنت جاری کی۔"

حضرت آدم علیہ السلام بنی نوع انسان کے پہلے فرد تھے جو اللہ تعالیٰ کی زمین پر آباد ہوئے اور آپ کو ہی نیابت ربی کے فرائض سونپے گئے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے واضح ہدایت بھی دی گئی کہ نسل انسانی کی راہنمائی احکام الٰہی کی روشنی میں کی جائے اور اپنی نسل میں تبلیغ دین کا یہ انتظام کیا جائے کہ جب بھی نسل انسانی کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت دینے والا مبعوث ہو تو اس کی پیروی کی جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسے مبعوث ہونے والے تمام انبیاء اور رسل سے عہد لیا جسے میثاق الانبیاء کہتے ہیں کہ۔

"اور یاد کرو کہ جب لیا اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے پختہ وعدہ کہ قسم ہے تمہیں اس کی جو دوں میں تم کو کتاب اور حکمت سے پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول جو تصدیق کرنے والا ہو ان (کتابوں) کی جو تمہارے پاس ہیں۔ تو تم ضرور ایمان لانا اس پر اور ضرور مدد کرنا اس کی فرمایا کیا تم

نے اقرار کرلیا اور اٹھالیا اس پر میرا بھاری ذمہ سب نے عرض کیا ہم نے
اقرار کیا (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا تو گواہ رہنا۔ اور میں بھی تمہارے ساتھ
گواہوں میں سے ہوں (آل عمران)

چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیائے کرام اور رسول پیغام الٰہی کے ساتھ اپنے اپنے دائرہ اختیار میں بیک وقت اور یکے بعد دیگرے اپنی اپنی اقوام اور امتوں میں یہی اعلان فرماتے رہے کہ ساری کائنات کی ہدایت کے لئے ایک آخری نبی ورسول تشریف لانے والے ہیں تو تم میں سے جو کوئی آپ کا زمانہ پائے آپ پر ایمان لائے۔ اس طرح ہر نبی ورسول نے اپنے طور پر اپنے علاقہ کے کاروان اسلام کی بھرپور قیادت فرمائی۔ کاروان اسلام کے وہ قائد جن کا تذکرہ قرآن مجید میں کیا گیا ہے۔ مستند ذرائع سے ان کے جو حالات میسر آسکے ہیں تاریخ کی روشنی میں ترتیب کے ساتھ قارئین کی خدمت میں پیش کئے جا رہے ہیں۔



حضرت ادریس علیہ السلام

حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر اختصار کے ساتھ قرآن مجید کی صرف دو سورتوں یعنی سورہ مریم وسورہ انبیاء میں ملتا ہے۔ یا پھر کچھ احادیث مبارکہ اور اسرائیلی روایات سے آپ کے حالات زندگی کا پتہ چلتا ہے۔ مورخین کے مطابق آپ کا نسب نامہ اس طرح بیان ہوا ہے۔
ادریس بن یارد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم علیہ السلام۔

حضرت ادریس علیہ السلام کی ولادت کہاں ہوئی۔ نبوت سے قبل اور بعد کے واقعات کیا تھے۔ ان مسائل میں مورخین ومفسرین کے کئی اقوال ہیں۔ ایک جماعت کی رائے ہے کہ آپ کا نام ہرمس الرامسہ ہے اور آپ مصر کے قریب قریہ منف میں پیدا ہوئے۔ یونانی زبان میں ہرمس کو ارمیس کہتے ہیں جسے کے معنی عطارد کے ہیں۔

ایک گروہ مفسرین کی تحقیق یہ ہے کہ آپ کا نام یونانی میں طرمیس ہے۔ عبرانی میں قنوح اور عربی میں اخنوخ ہے مگر سب کی تحقیق سے قطع نظر قرآن مجید نے آپ کو ادریس کے نام سے خطاب کیا ہے۔

"اور یاد کرو ادریس کو بلاشبہ وہ سچے نبی ہیں اور بلند کیا ہم نے ان کا مقام۔" (سورہ مریم)

مفسرین کا کہنا ہے کہ آپ نے ابتدائی تربیت غوثا بن دیمون سے حاصل کی جو یونان یا مصر کے لئے نبی مبعوث ہوئے تھے۔ آپ نے بہت ملکوں کی سیاحت بھی کی۔

مفسرین کے ایک اور گروہ نے اپنی تحقیق کے مطابق آپ کو بابل کا باشندہ قرار دیا ہے کہ آپ وہیں پیدا ہوئے اور سن شعور کو پہنچے بہرحال جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا تو آپ نے احکام الٰہی کے مطابق لوگوں کو راہ ہدایت کی طرف آنے کی تبلیغ شروع کی آپ کی دعوت اسلام کا خلاصہ یہ تھا:

"کہ خدا کی ہستی اور توحید پر ایمان لانا اور صرف خالق کائنات کی بندگی و عبادت کرنا۔ آخرت کے عذاب سے نجات کے

لئے اعمال صالح کرنا۔ تمام امور میں عدل و انصاف کو پیش نظر رکھنا۔
دشمنان اسلام سے جہاد کرنا' روزے رکھنا' زکوٰۃ ادا کرنا' ہر نشہ آور چیز سے
پرہیز کرنا اور پاک صاف رہنا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے جماعت
مسلمین کے لئے سال میں چند دن عید کے مقرر فرمائے۔ اور مخصوص
اوقات میں نذر یا قربانی دینا مقرر فرمایا۔"

ایک قلیل تعداد نے آپ کی تعلیمات کو تسلیم کیا اور ایمان لائے جب کہ بہتوں نے آپ کو جھٹلایا اور وہ بدستور جہالت و گمراہی پر گامزن رہے اور آپ کی بار بار تبلیغ کے باوجود آپ کی دعوت پر ایمان لانے سے صاف انکار کر دیا۔ منکرین کے یہ حالات دیکھ کر آپ کو وہاں سے ہجرت کا حکم ملا جو جماعت اسلام کے کچھ افراد کو شاق گزرا۔ آپ نے انہیں سمجھایا کہ اللہ کی راہ میں اور اللہ کے دین کی خاطر یہ ابتدائی تکلیف برداشت کر لو تو اللہ تعالیٰ اس کا اچھا نعم البدل دے گا۔ چنانچہ جماعت اسلام کے ساتھ دریائے نیل کے کنارے کسی جگہ آباد ہو گئے اور وہاں حکم الٰہی سے اردگرد کے علاقے میں دین اسلام کی تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔ مفسرین نے کہا ہے کہ اس وقت ان لوگوں کی زبانیں بہتر (72) تھیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان تمام زبانوں کا علم عطا فرمایا تھا اور آپ ہر گروہ سے اسی کی زبان میں گفتگو فرماتے تھے۔

دین اسلام کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ آپ نے ریاستی حکومت کے قیام کو بڑے انداز فکر سے سنبھالا۔ آپ نے ملکی سیاست' شہری زندگی اور بودوباش کے متمدن طریقوں کی تعلیم دی اور اس شعبہ میں بہت سی اصلاحات کیں۔ آپ ہر شعبہ زندگی سے طلبا جمع کرتے اور ان کو مدنی سیاست اور اس کے اصول وضوابط سکھاتے۔ جب ایسے طلباء ان علوم وفنون کے ماہر بن کر اپنے قبائل میں آتے تو وہاں شہر اور بستیاں آباد کرتے اور اسلامی تعلیمات کی بدولت بہترین معاشرہ کے علمبردار ہوتے۔

آپ نے اپنے زیر اقتدار مملکت کو مناسب حد تک کئی انتظامی حصوں میں تقسیم کیا اور ہر انتظامی حصہ مملکت کا ایک سربراہ مقرر فرمایا جو اپنے اپنے علاقے کے انتظام و انصرام کا کلی طور پر مختار ہوتا مگر مرکز کے آگے جواب دہ ہوتا اور شریعت اسلامی کی پیروی کرتا۔

آپ نے اپنی مملکت کے باشندوں کو بھی فرائض کے لحاظ سے تین طبقوں میں بانٹ دیا۔ کاہن' بادشاہ اور رعیت حسب ترتیب ان کے مراتب کا تعین فرمایا۔ کاہن اپنے نفس کے علاوہ بادشاہ اور رعیت کے معاملات میں اللہ تعالیٰ کے آگے جواب دہ تھے یہ طبقہ مراتب میں بلند درجہ

قرار پایا۔ بادشاہ کا دوسرا درجہ مقرر فرمایا اور اسے اپنے نفس اور امور مملکت کے متعلق جواب دہ بنایا۔ تیسرا طبقہ رعیت صرف اپنے نفس کا ذمہ دار بنا۔ البتہ یہ تینوں طبقے فرائض کے اعتبار سے مقرر ہوئے تھے۔ اور نسلی وخاندانی امتیاز سے پاک تھے۔

ابن حیان سے روایت ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام پہلے شخص ہیں جنہوں نے قلم استعمال کیا۔ آپ ہی نے سب سے پہلے علم وحکمت اور رمل ونجوم کی بھی تعلیم دی۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم افلاک وکواکب اور ان کے اجتماع وافتراق کے نکات اور ان میں باہم کشش کے رموز و اسرار کے علوم سے بھی آگاہ فرمایا تھا۔ آپ علم الاعداد اور حساب کے بھی ماہر تھے۔

مشہور مفسر ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں ہلال بن بساف کی سند سے حسب ذیل روایت بیان کی ہے۔

فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے کعب احبار سے دریافت کیا کہ حضرت ادریس علیہ السلام سے متعلق اس آیت "ورفعنه مكانا ... الخ" کا کیا مطلب ہے تو کعبؓ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام پر ایک مرتبہ وحی نازل فرمائی کہ اے ادریس تمام اہل دنیا جس قدر روزانہ نیک اعمال کریں گے ان سب کے برابر میں تجھ کو ہر روز اجر عطا کروں گا۔

حضرت ادریس نے سنا تو ان کی خواہش ہوئی کہ ان کی عمر طویل ہو اور اس طرح انہیں روز افزوں اجر ملے۔ ایک فرشتہ آپ کا رفیق تھا آپ نے اس معاملہ میں اسے فرشتہ موت سے گفتگو کرنے کو کہا۔ آپ کو رفیق فرشتہ نے کہا کہ آپ میرے ساتھ چلیں دونوں فرشتہ موت سے بات کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ رفیق فرشتہ کے پروں پر بیٹھ گئے۔ فرشتہ آپ کو لے کر آسمان کی طرف اڑا۔ جب دونوں آسمان چہارم پر پہنچے تو وہاں فرشتہ موت سے ملاقات ہوگئی تو فرشتہ نے ادریس علیہ السلام کی خواہش کا ذکر کیا۔ فرشتہ موت نے کہا وہ خود کہاں ہیں تو رفیق فرشتہ نے کہا کہ وہ میرے پروں پر ہیں۔ فرشتہ موت نے حضرت ادریس علیہ السلام کی روح فوراً قبض کر لی اور کہا کہ اللہ نے مجھے حکم دیا تھا کہ ادریس علیہ السلام کی روح آسمان چہارم پر قبض کروں۔ میں حیران تھا یہ کیونکر ہوگا جب کہ وہ زمین پر ہیں۔

ابن جریر کی طرح ابن ابی حاتم نے بھی اپنی تفسیر میں اسی قسم کی روایت نقل کی ہے ان روایات کو بیان کرنے کے بعد حافظ عماد الدین ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ سب اسرائیلی روایات ہیں جن میں روایتی اعتبار کا فقدان ہے۔ تاریخ الحکماء کے صفحہ 348 پر ہرمس ثالث کا تذکرہ ہے

اور علماء کی ایک جماعت کی پختہ رائے ہے کہ طوفان نوح سے قبل جتنے بھی علوم شائع ہوئے ان سب کے معلم اول یہی ہرمس ہیں جنہیں حضرت آدم علیہ السلام کی نسل میں ادریس کہا جاتا ہے۔

حضرت ادریس علیہ السلام نے 82 سال عمر پائی۔

آپ کی انگوٹھی پر یہ عبارت کندہ تھی:

''اللہ پر ایمان لانے کے ساتھ صبر فتح مندی کا باعث ہے۔''

آپ کے ایک پٹکے پر یہ الفاظ تحریر تھے:

''حقیقی عیدیں اللہ تعالیٰ کے فرائض کی حفاظت میں پوشیدہ ہیں اور دین کا کمال شریعت سے وابستہ ہے۔ اور مروت میں کمال دین کی تکمیل ہے۔''

آپ کے ایک دوسرے پٹکے پر لکھا تھا:

''سعادت مند وہ ہے جو اپنے نفس کی نگرانی کرے۔ اور پروردگار کے سامنے انسان کے شفیع اس کے اپنے نیک اعمال ہیں۔''

حضرت ادریس کے بہت سے پند و نصائح اور آداب و اخلاق کے جملے مشہور ہیں۔ جو مختلف زبانوں میں ضرب المثل اور رموز و اسرار کی طرح مستعمل ہیں آپ فرمایا کرتے:

- جو علم میں کمال اور عمل صالح کا خواہش مند ہو اسے جہالت کے اسباب اور بدکرداری کے قریب بھی نہیں جانا چاہیے۔
- دنیا کی بھلائی مسرت ہے اور برائی ندامت۔
- خدا کی یاد اور عمل صالح میں خلوص نیت شرط ہے۔
- حکمت روح کی زندگی ہے۔
- جو ضروریات زندگی سے زیادہ کا طالب ہو وہ کبھی قانع نہ رہا۔

حضرت نوح علیہ السلام

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد آپ پہلے نبی ہیں جن کو رسالت کا منصب بھی عطا ہوا۔صحیح مسلم باب شفاعت میں حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک طویل روایت میں یہ تصریح ہے۔

''اے نوح تو زمین پر سب سے پہلا رسول بنایا گیا۔''

علم الانساب کے ماہرین کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام سے آپ کا نسب نامہ اس طرح بیان ہوا ہے۔

نوح بن لامک بن متوشالح بن اخنوخ یا خنوخ بن یارد بن مہلیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم (علیہم السلام) اگرچہ مورخین اور علماء تورات نے اس نسب نامے کی صحت کو تسلیم کیا ہے لیکن پھر بھی دیگر کئی ماہرین تاریخ نے کہا ہے کہ حضرت آدم اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان مندرجہ بالا سلسلوں سے کہیں زیادہ سلسلے ہیں۔تورات میں آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کی درمیانی مدت 1026 سال بتائی گئی ہے۔اگرچہ تورات کے عبرانی سامی اور یونانی زبان کے نسخوں میں فرق ہے۔

قرآن حکیم کے معجز نما کلام میں اللہ تعالیٰ کا یہ دستور بڑا واضح ہے کہ تاریخی واقعات میں سے جب کسی واقعہ کا ذکر ہوتا ہے تو اکثر قرآن حکیم اپنے مقصد وعظ کے پیش نظر واقعہ کی اتنی ہی تفصیل سے آگاہ کرتا ہے جو اس کے مقصد کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔چنانچہ اسی اسلوب بیان کے مطابق جہاں اللہ تعالیٰ نے دیگر پیغمبران عظام کے واقعات بیان فرمائے ہیں۔حضرت نوح علیہ السلام کے واقعات کا تفصیلی ذکر تینتالیس جگہ قرآن پاک میں مذکور ہے لیکن اہم تفصیلات صرف سورہ اعراف، ہود، مومنون، شعرا، قمر اور نوح میں بیان ہوئیں ہیں۔ان سے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے متعلق جس طرح کی تاریخ ملتی ہے مفسرین نے صرف وہی اختیار کی ہے۔

اللہ تعالیٰ جو خالق کائنات ہے اس کی ہر مخلوق کا حق ہے۔اور اس پر فرض ہے کہ وہ اپنے خالق کی مشیت اور مرضی کے مطابق اس کی ہدایات کی پیروی کرے۔جیسا کہ قرآن میں ارشاد فرمایا:

''اور نہیں پیدا کیا ہم نے جن اور انسان کو مگر وہ عبادت گزار ہیں۔''

اس کی تمام مخلوقات میں انسان ہی ایسی مخلوق ہے جسے عقل، شعور، ارادہ، قوت عمل، نیک و بد میں تمیز، علوم وفنون میں جستجو اور بے شمار صلاحیتوں سے نوازا گیا ہے۔ تخلیق کائنات کے مقاصد کی انجام پذیری کی ذمہ داری بھی اسی نوع خلق نے قبول کی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر یہ قرآن کو پہاڑوں پر نازل فرماتا تو وہ خوف سے ریزہ ریزہ ہو جاتے۔

اس طرح دیگر مخلوقات نے بھی قرآن کے نزول کے لئے اپنے آپ کو متحمل نہ پایا۔ مگر حضرت انسان نے اسے بخوشی قبول کیا۔ قرآن کوئی ایسی چیز نہ تھی کہ اس کے وزن کو پہاڑ یا دیگر مخلوق برداشت کرنے کی سکت نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ اس میں احکام الٰہی پر من وعن خوشی خوشی عمل کرنے کی ذمہ داریوں کو قبول کرنا تھا۔ اسی لئے حضرت آدم علیہ السلام کو فہمائش کی گئی اور زمین پر اترنے کے حکم کے ساتھ واضح پروگرام دے دیا کہ:

> اب تم سب سے یہاں سے نکل جاؤ اور جس نئی زندگی کا دروازہ تم پر کھولا جا رہا ہے۔ اسے اختیار کر لو۔ لیکن (یاد رکھو) جب کبھی ایسا ہوگا کہ ہماری جانب سے تم پر راہ حق کھول دی جائے گی تو تمہارے لئے دو ہی راہیں ہوں گی جو کوئی راہ حق کی پیروی کرے گا اس کے لئے (کامیابی وسعادت ہوگی) کسی طرح کا کھٹکا نہیں۔ کسی طرح کی غمگینی نہیں۔ (بقرہ)

حضرت آدم نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق کاروان اسلام کی بنیاد رکھی۔ اسے تشکیل کیا اور اس کو ایسے خطوط پر استوار کیا جو ضروریات دین اسلام میں آپ کی وفات کے بعد نسل در نسل یہ کاروان آپ کی اولاد کی قیادت میں چلتا رہا۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ کاروان اپنا راستہ ہی بھول گیا۔ جس سے اس کا رشتہ اپنے خالق سے منقطع ہو گیا۔ تاہم ارکان کاروان کی ایک قلیل تعداد نے ابوالبشر کا راستہ نہ بھولا اور اپنے خالق سے تعلق برقرار رکھا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق اپنے بندے حضرت نوح علیہ السلام کو جو اپنی ہی قوم کے فرد تھے ان کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا۔ جنہوں نے کاروان کے قائد اولیٰ کے دین اسلام پر کما حقہ، عمل کرنے کی دعوت دی مگر قوم نے ان کی دعوت کو نفرت اور حقارت کے ساتھ مسترد کر دیا کیونکہ وہ اپنے ابوالبشر کو بھول چکے تھے اور اب اس پر تعجب کرتے تھے کہ ان کی اپنی ہی قوم کے ایک معمولی فرد کو جو نہ تو دولت وثروت میں نہ انسانی درجات کے لحاظ سے کوئی بڑا ہے، ان کا پیشوا بن رہا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ جب وہ آپ کے پیروؤں میں کمزور اور پست لوگ دیکھتے تو ان کی نفرت وحقارت

کے جذبات میں اور اضافہ ہو جاتا اور ان کے پہلو بہ پہلو بیٹھنا بھی گوارا نہ کرتے اور اپنی ممتاز حیثیت کو صرف اپنی حشمت اور دولت کے ساتھ سمجھتے جب کہ حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغام کے مطابق قوم کے سرداروں کو تبلیغ کرتے کہ مجھے خود تمہارے مال و دولت کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور اصلاح و فلاح کے حصول کا تعلق دنیا کے مال و منال کے ساتھ مشروط نہیں۔ بلکہ یہ طمانیت نفس، رضائے الٰہی، غناء قلب اور اخلاص نیت سے عمل پر موقوف ہے۔

بہر صورت حضرت نوح علیہ السلام نے انتہائی کوشش کی کہ بدبخت قوم سمجھ جائے، رحمت الٰہی کی آغوش میں آئے اور پھر کاروان اسلام میں سچے دل سے شامل ہو جائے اور بتوں کی پرستش چھوڑ دے، آپ کی قوم کے سرداروں نے آخر زچ ہو کر کہا کہ اے نوح! اب ہم سے جنگ و جدل نہ کر اور ہمارے اس انکار پر اپنے خدا کا جو عذاب لا سکتا ہے لے آ۔ حضرت نوح علیہ السلام نے یہ جواب سن کر کہا کہ عذاب الٰہی تو میرے قبضہ میں نہیں۔ یہ تو اسی کے اختیار میں ہے جس نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ وہ چاہے گا تو یہ سب کچھ بھی ہو جائے گا۔

جب قوم کی اصلاح سے حضرت نوح علیہ السلام بالکل مایوس ہو گئے اور اس کی باطل پرستی، عناد اور ہٹ دھرمی ان پر پوری طرح واضح ہو گئی اور اپنی 950 سال کی پیہم دعوت و تبلیغ کا ان پر کوئی اثر نہ دیکھا تو سخت ملول ہوئے۔ تب خدائے تعالیٰ نے ان کی تسلی کے لئے فرمایا:

"اور نوح پر وحی کی گئی کہ جو ایمان لے آئے وہ لے آئے اب ان میں کوئی ایمان لانے والا نہیں ہے۔ پس ان کی حرکات پر غم نہ کر۔" (سورہ ہود)

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح پر وحی کے یہ الفاظ نازل فرمائے تو آپ کو معلوم ہو گیا کہ ان کے ابلاغ حق میں کوتاہی نہیں بلکہ نہ ماننے والوں کی استعداد کا قصور ہے، اور ان کی اپنی سرکشی کا نتیجہ۔ تب حضرت نوح علیہ السلام نے ان کی ہٹ دھرمی سے متاثر ہو کر بارگاہ ایزدی میں یہ دعا فرمائی:

"اے پروردگار تو کافروں میں سے کسی کو بھی زمین پر باقی نہ چھوڑ۔ اگر تو ان کو یونہی چھوڑ دے گا۔ تو یہ تیرے بندوں کو بھی گمراہ کریں گے۔ اور ان کی نسل بھی انہی کی طرح نافرمان پیدا ہو گی۔" (سورہ نوح)

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا قبول فرما کر اپنے قانون جزائے اعمال کے مطابق سرکشوں کی سزا کا اعلان فرما دیا۔ اور نوح علیہ السلام کو ہدایت دی کہ وہ اللہ کی تعلیم کے مطابق ایک کشتی تیار کریں۔ تاکہ ظاہری اسباب کے اعتبار سے کاروان اسلام کے مومنین کو آنے

والے عذاب سے محفوظ رکھا جائے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے جب حکم الٰہی سے کشتی بنانی شروع کی تو کفار نے ہنسی اڑانا اور مذاق کرنا شروع کر دیا۔ اور کہتے کہ بہت خوب جب ہم غرق ہونے لگیں گے تب تو اور تیرے پیروکار اس کشتی میں سوار ہو کر محفوظ رہیں گے' یہ کیسا احمقانہ خیال ہے۔ مگر نوح علیہ السلام ان کی غفلت اور خدا کی نافرمانی دیکھ کر ان ہی کے طرز پر جواب دیتے اور کشتی تیار کرنے میں مصروف رہتے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے کافروں کی حقیقت حال سے آگاہ تھے:

''اے نوح تو ہماری حفاظت میں (آنکھوں کے سامنے) ہماری وحی کے مطابق سفینہ تیار کئے جاؤ اور اب مجھ سے ان کے متعلق کچھ نہ کہو یہ بلاشبہ غرق ہونے والے ہیں''۔ (سورہ ہود)

آخر کار ایک دن جب سفینہ تیار ہو گیا۔ اور خدا کے وعدۂ عذاب کا وقت بھی آ گیا تو حضرت نوح علیہ السلام نے زمین سے چشمے کے ابلنے کی علامت کو دیکھا۔ تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ کشتی میں اپنے خاندان کو بیٹھنے کا حکم دو اور تمام جانداروں میں سے ہر ایک کا ایک جوڑا بھی کشتی میں سوار کرالو۔ اور کاروان اسلام کے ارکان جو قریباً چالیس بیان ہوئے ہیں وہ بھی بیٹھا لئے گئے۔ جب حکم الٰہی کے مطابق کشتی میں سوار ہونے کے متعلق ہدایت وحی کی تعمیل ہو گئی تو آسمان کو حکم ہو گیا کہ پانی برسانا شروع ہو۔ اور زمین کے چشموں کو امر ہوا کہ اب پوری طرح ابل پڑو۔ پانی کی سطح بلند ہوتی گئی کافروں کے ہر فرد کی غرقابی سے نجات کے تمام راستے ختم ہو گئے تو تمام منکرین غرق آب ہو گئے اور کشتی ایک مدت تک پانی پر تیرتی رہی۔ غرق آب ہونے والوں میں حضرت نوح علیہ السلام کی زوجہ اور ایک بیٹا بھی تھا۔[1] ان دونوں نے کاروان اسلام میں شمولیت سے انکار کیا اور کافروں کے مسلک پر قائم رہے چنانچہ بالاخر ان کے ساتھ ہی ڈوب گئے۔

جب تمام منکرین حق کیفر کردار کو پہنچ گئے تو حکم الٰہی سے عذاب ختم ہو گیا۔ اور نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی۔ اس کا تذکرہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

''اور حکم پورا ہوا اور کشتی جودی پر جا ٹھہری۔ اور اعلان کر دیا گیا کہ ظالم قوم کے لئے ہلاکت ہے۔'' (سورہ ہود)

تورات میں جودی کو ارارا ط کے پہاڑوں میں سے بتایا گیا ہے۔ تورات کے شارحین کا یہ خیال ہے کہ جودی اس سلسلہ کوہ کا نام ہے جو ارارا ط اور جارجیا کے پہاڑی سلسلہ کو باہم ملاتا ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ سکندر اعظم کے زمانہ کی یونانی تحریریں بھی اس کی تصدیق کرتی ہیں اور

اس تاریخی واقعہ سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آٹھویں صدی مسیحی تک اس جگہ ایک معبد اور ہیکل موجود تھا۔ جسے کشتی کا معبد کہا جاتا تھا اور ان تاریخی حوالوں سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ارارط اور جارجیا کا علاقہ ہی حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت اسلام کا مرکز تھا۔

حضرت نوح علیہ السلام جنہیں آدم ثانی بھی کہا گیا ہے۔ کثیر الاولاد تھے۔ آپ کی ساری اولاد میں تین صاحبزادے سام، حام اور یافث بہت مشہور ہوئے ہیں۔ انہی کے نام سے قبیلے بن کر دنیا میں پھیل گئے۔ سام کی اولاد صحرا نشیں قبائل کی صورت میں عرب میں گھومتی پھرتی رہی۔ جب کہ حام کی نسل حبشہ اور نیل کے کنارے بسی اور کچھ حصہ ہند اور گجرات کاٹھیاواڑ میں آ کر آباد ہوا۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں:

"اور یافث (بن نوح) تاتاریوں کا نسلی باپ ہے۔ پس یاجوج تاتاریوں کی ہی ایک شاخ ہیں اور یہ منگولیا کے قبائل کے منگولی ہیں اور تاتاریوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ طاقتور اور بہت زیادہ فسادی لوٹ مار مچانے والے ہیں۔"

اپنی تفسیر میں آپ نے ثابت کیا ہے کہ یہ قبائل حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے یافث کی نسل سے ہیں ان کا وطن منگولیا کا وہی علاقہ ہے جہاں سے قوموں کے طوفان اٹھے اور جا کر یورپ وغیرہ میں آباد ہوتے رہے۔

سید محمود آلوسی روح المعانی میں بحث کر کے لکھتے ہیں کہ یاجوج ماجوج حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے یافث کی اولاد میں سے دو قبیلے ہیں اور وہب بن منبہ بھی اسی تحقیق پر یقین رکھتے ہیں۔ تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ دنیا کی قوموں کے سب سے بڑے سرچشمے کہ جہاں سے سیلاب کی طرح امنڈ امنڈ کر انسانی آبادی پھیلی اور پھلی پھولی اور زمین کے مختلف ملکوں اور خطوں میں جا کر بسی ہے وہ حضرت نوح علیہ السلام کی ہی نسلی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کے ایک صاحبزادے سام کی اولاد جو تمام حجاز اور ان تمام قبائل کا سرچشمہ ہے سامی نسل کہلاتی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی نسل کے یہ لوگ ہزاروں سال سے اس بے آب و گیاہ زمین سے طوفان کی طرح اٹھتے اور بگولے کی طرح دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلتے رہے اور بدوی و صحرائی زندگی سے نکل کر زبردست تمدن اور عظیم الشان شہرت کے مالک ہوئے۔ الغرض نوح علیہ السلام کے اس بیٹے سام کی سامی نسل خواہ بدوی اور صحرائی ہوں یا متمدن شہری۔ سب اسی خاک حجاز (عرب) کے

ذرات تھے جنہوں نے یمن' مصر' شام و عراق' روم اور فارس بلکہ ہندوستان کے بعض حصوں پر ایک عرصہ تک حکم جاری کیا۔

اُسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کے دوسرے صاحبزادے یافث کی نسل سے قبائل و اقوام عالم کا دوسرا سمندر چینی ترکستان اور منگولیا کا وہ علاقہ رہا جو شمال مشرق میں زمین کا بلند اور مرتفع حصہ ہے۔ اس مقام سے بھی ہزاروں سال کے دوران سینکڑوں قبائل دنیا کے مختلف گوشوں تک پہنچے۔ یہیں سے انسانوں کی موجیں اٹھیں اور وسط ایشیا جاگزیں ہوئیں۔ یہیں سے یورپ پہنچیں اور ہندوستان اور شمال مغرب تک پھیل گئیں۔ ہند میں رہ جانے والوں نے اپنا تعارف آرین سے کرایا۔ اور وسط ایشیا میں بسنے والوں نے اریانہ کہلا کر اپنے علاقہ کا نام ایران مشہور کیا۔ نسل نوح علیہ السلام کی اسی شاخ سے یورپ میں ہن' گاتھ اور واندیال کے ناموں سے قبائل بنے۔ اور بحر اسود سے لے کر دریائے ڈینیوب تک کے رہنے والے سیتھین کہلائے۔ اور یورپ اور ایشیا کے ایک حصے پر چھا جانے والے رشین کے نام سے مشہور ہوئے۔[1]

حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا قبول کی (اے رب تو زمین پر کسی کافر کو باقی نہ چھوڑ) پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا (پس ہم نے اس کی ذریت ہی کو باقی رہنے والوں میں چھوڑا)

ابن کثیر مزید فرماتے ہیں کہ یہ نص قرآن سے ثابت ہے کہ کائنات کی موجودہ انسانی مخلوق کا ہر فرد حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے۔ شاید اسی وجہ سے آپ کو اکثر مفسرین نے آدم ثانی کے لقب سے یاد رکھا ہے۔

"حضور علیہ السلام کا فرمان بروایت حضرت سمرہ بن جندبؓ بھی سن لیں کہ آپؐ نے فرمایا: سام اہل عرب کا باپ ہے حام اہل حبشہ کا باپ ہے۔ اور یافث اہل روم کا (روح المعانی) اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ "اور ہم نے ان کے پیچھے آنے والے لوگوں میں یہ بات رہنے دی کہ نوح پر سلام ہو عالمین میں۔" (سورہ صافات)

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد جو لوگ پیدا ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کی نظر میں حضرت نوح علیہ السلام کو ایسا معزز و مکرم بنا دیا کہ وہ قیامت تک حضرت نوح علیہ السلام کے لئے سلامتی کی دعا کرتے رہیں گے۔ چنانچہ وہ تمام مذاہب جو اپنے آپ کو آسمانی کتابوں سے منسوب کرتے ہیں سب کے سب حضرت نوح علیہ السلام کی نبوت اور تقدس کے قائل ہیں۔ مسلمانوں کے علاوہ یہودی اور نصرانی بھی آپ کو اپنا پیشوا مانتے ہیں۔

حضرت ہود علیہ السلام

حضرت ہود علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید میں سورہ اعراف' ہود اور شعرا کی سات مختلف جگہوں پر ملتا ہے۔ آپ قوم عاد کی سب سے زیادہ معزز شاخ خلود کے ایک فرد تھے۔ سرخ وسفید رنگ اور وجیہہ شکل وصورت کے مالک اور داڑھی رکھے ہوئے تھے۔

آپ کی قوم یعنی عاد کا ذکر قرآن حکیم کی نو سورتوں میں ملتا ہے محققین کے نزدیک ارض احقاف قوم عاد کا مرکزی مقام تھا۔ جو حضرموت کے شمال میں واقع ہے۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ عاد کی آبادی عرب کے سب سے بہترین حصہ حضرموت اور یمن میں خلیج فارس کے سواحل سے حدود عراق تک وسیع تھی اور یمن ان کا دارالسلطنت تھا۔

قوم عاد کا زمانہ قریباً دو ہزار سال قبل مسیح علیہ السلام مانا جاتا ہے اور قرآن مجید کی آیت میں قوم عاد کو من بعد قوم نوح کہہ کر اس کی تصدیق کر دی ہے کہ عاد قوم نوح علیہ السلام کے خلفاء میں سے ہے اور سام بن نوح علیہ السلام کی نسل سے شام کی دوبارہ آبادی کے بعد امم سامیہ کی ترقی قوم عاد سے شروع ہوئی۔ قوم عاد بت پرست تھی۔ وہ اپنی پیشرو قوم نوح کی طرح صنم تراشی میں ماہر تھے۔ تاریخ قدیم کے ماہرین کے مطابق قوم عاد کے معبودان باطل قوم نوح علیہ السلام کی طرح ود' سواع' یغوث' یعوق اور نسر ہی تھے۔ حضرت ابن عباسؓ کے ایک قول کے مطابق ان کے ایک صنم کا نام صمود اور ایک کا نام مہتار تھا۔ قوم عاد اپنی مملکت کی سطوت اور جبروت' جسمانی قد کاٹھ اور قوت کے باعث ایسے چمکے اور ابھرے کہ انہوں نے خدائے واحد کو قطعی طور پر بھلا دیا اور اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں کو اپنا معبود مان کر ہر قسم کے شیطانی کام بے خوف وخطر کرنے کے عادی ہو گئے۔ وہ گمراہی اور اعمال بد میں اس وقت اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔

قوم عاد اپنی بدکرداریوں اور مشرکانہ حرکات میں حد سے بڑھ گئی تو اسی قوم کے ایک فرد ہود علیہ السلام کو ان کی ہدایت اور تبلیغ وموعظت کے لئے مبعوث فرمایا۔ تو آپ نے کاروان اسلام کی باگ ڈور سنبھالی۔ آپ نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی توحید اور صرف اسی کی عبادت کی طرف دعوت دی اور لوگوں پر بے جا ظلم وجبر کرنے سے منع فرمایا۔ انہیں احساس دلانے کے لئے سمجھایا

کہ اپنے قد آور ہونے اور دوسروں سے قوت میں طاقتور اور صاحب حکومت ہونے پر گھمنڈ اور غرور نہ کرو کیونکہ یہ سب ختم ہونے والی چیزیں ہیں۔ تمہارے سامنے قوم نوح (علیہ السلام) کی مثال ہے جن کی زمین کے تم وارث بن بیٹھے ہو۔ بار بار خطاب کیا کہ اے قوم بہت زمانہ بیت گیا کہ تم اللہ کی نافرمانی اور سرکشی میں بڑھتے ہی چلے جا رہے ہو۔ اپنے ہی ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتے کہ وہ تو خود عاجز اور بے جان پتھر ہیں۔ میں اس تبلیغ پر تم سے کسی طرح کی اجرت یا معاوضے کا طلبگار نہیں۔ میں تمہارا دشمن نہیں بلکہ خیر خواہ ہوں اور تم سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ معبودان باطل کو چھوڑ دو۔ ایک اللہ کے ہو کر رہو وہ ہی اکیلا تمہارا اور ساری مخلوق کا خالق و مالک ہے۔ نفع و نقصان، خوشی غمی، موت و حیات اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اللہ پر ایمان لے آؤ تا کہ دائمی اور ابدی نجات کے مستحق قرار پاؤ میرے اللہ کا سچا پیغامبر ہونے پر اچنبھا نہ کرو۔ کہ مجھ سے پہلے بھی بہت سے پیامبر قوموں کی ہدایت کے لئے آ چکے ہیں۔ اور کہا کہ بھلا سوچو اگر تم اللہ پر ایمان لے آؤ اور ضروریات دین پر عمل کرو تو اس میں سراسر تمہارا ہی فائدہ ہے۔ اللہ کی شان خدائی میں کیا اضافہ کر سکتے ہو اور انکار سے اس کی خدائی میں کیا کمی کر سکتے ہو۔ تمہاری مسلسل سرکشی سے ایسا نہ ہو کہ قضا و قدر کا ہاتھ ظاہر ہو تو اس وقت سوائے ندامت اور دائمی خسارے کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

قوم عاد میں کاروان اسلام میں شامل ہونے والے گنتی کے افراد تھے۔ باقی کثرت سے نافرمانوں اور مغروروں کی جماعت تھے۔ ان کو حضرت ہود علیہ السلام کے یہ نصائح سخت ناپسند اور شاق گزرے۔ وہ یہ برداشت نہ کر سکتے تھے کہ ان کے خیالات ان کے عقائد و اعمال غرض ان کے کسی ارادہ اور کام میں کوئی شخص حائل ہو۔ وہ نہایت غضبناک ہوئے۔ ہود علیہ السلام کا مذاق اڑایا۔ انہیں بیوقوف کا خطاب دیا۔ اور کہا کہ:

> "اے ہود تو ہمارے پاس ایک دلیل بھی نہیں لایا اور تیرے کہنے پر ہم اپنے خداؤں کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ تم پر ایمان لانے والے ہیں۔"
>
> (ہود)

قوم عاد کی سرکشی اور مخالفت بڑھتی ہی رہی اور ان پر آفتاب سے زیادہ روشن دلائل اور نصیحتوں کا مطلق اثر نہ ہوا بلکہ ان کی تکذیب اور تذلیل کے اور زیادہ درپے ہو گئے کیونکہ وہ اپنے باپ دادا کی ریت (صنم پرستی) کو چھوڑنا اپنی اور اپنے آباؤ اجداد کی توہین سمجھتے تھے ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ صرف اور صرف ایک اللہ کی عبادت کے کیا معنی؟ انہیں اس کا بھی سخت صدمہ تھا کہ

انہیں کافر اور مشرک کہا جاتا ہے۔

آخر قوم عاد کے سردار آگ کی طرح بھڑک اٹھے اور کہا: اے ہود! اب ہم سے تمہاری روز روز کی نصیحتیں سنی نہیں جاسکتیں۔ اگر تو واقعی اپنے قول میں سچا ہے۔ تو وہ عذاب جلد لے آ کہ ہمارا تمہارا قصہ پاک ہو جائے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے کہا کہ اگر میری مخلصانہ اور صادقانہ تبلیغ کا تمہارے پاس یہی جواب ہے تو بسم اللہ۔ اگر تم کو عذاب کا اتنا ہی شوق ہے تو [redacted] اب کچھ دور نہیں۔ اب تم بھی انتظار کرو اور میں بھی منتظر ہوں۔ بالآخر اللہ کے قانون جزا کا وقت آ پہنچا۔ عذاب الٰہی نے سب سے پہلے خشک سالی کی شکل اختیار کی جس سے قوم عاد سخت گھبرائی۔ [redacted] پریشان عاجز اور درماندہ ہو گئے۔ اس موقعہ پر حضرت ہود علیہ السلام نے پھر قوم کو توحید کی دعوت دی اور کہا۔ کہ میری دعوت پر اب بھی ایمان لے آؤ تو بچ جاؤ گے مگر قوم کے مقدر میں ہلاکت لکھی جا چکی تھی۔ ہود علیہ السلام کی دعوت کے خلاف بغض اور عناد اور بڑھا تب ہولناک عذاب نے آ گھیرا۔ آٹھ دن اور سات راتیں مسلسل ہوا کے تیز و تند طوفان اٹھے اور قوم عاد کی آبادی کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ تنومند اور قوی ہیکل انسان جو اپنی جسمانی قوتوں کے غرور میں کاروان اسلام کے قائد کا مذاق اڑاتے تھکتے نہ تھے آج اس طرح بے حس و حرکت پڑے تھے جس طرح آندھی سے تناور درخت بے جان ہو کر گر جاتا ہے۔ غرض انہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا تا کہ کاروان اسلام میں موجود افراد اور آنے والی نسلوں کے لئے سامان عبرت بنیں۔ حضرت ہود علیہ السلام اور کاروان کے دیگر افراد عذاب الٰہی سے محفوظ رکھے گئے تا کہ وہ خدائے برتر کے احکام کی تعمیل، اور تقویٰ و طہارت کی زندگی گزاریں۔ حضرت ہود علیہ السلام اپنے پیروؤں کے درمیان جتنا عرصہ اللہ کو منظور تھا ان کی رشد و ہدایت کے لئے زندہ رہے۔

اہل عرب آپ کی وفات اور قبر مبارک کے متعلق مختلف دعوے کرتے ہیں اکثر کا خیال ہے کہ قوم عاد کی ہلاکت کے بعد وہ حضر موت میں ہجرت کر کے آباد رہے، وہیں ان کی وفات ہوئی اور دفن ہوئے۔ جب کہ اہل فلسطین کا دعویٰ ہے کہ آپ فلسطین میں مدفون ہیں۔ مگر دیگر تمام روایات زیادہ تر آپ کی وفات اور مدفن کا علاقہ حضر موت کو ہی تسلیم کرتی ہیں۔

حضرت صالح علیہ السلام

(حضرت صالح علیہ السلام جس قوم میں پیدا ہوئے اس کو ثمود کہتے ہیں) اور ثمود کا ذکر قرآن حکیم میں نو سورتوں میں کیا گیا ہے۔ یعنی سورۂ اعراف، ہود، الحجر، نمل، فصلت، النجم، القمر، الحاقہ اور الشمس میں۔ علماء انساب کے نزدیک حضرت صالح علیہ السلام سے ثمود تک جو نسب کی کڑیاں بیان کی گئی ہیں تاریخی حیثیت سے وہ ہی راجح ہیں اور ثمود سے حضرت نوح علیہ السلام تک بھی دو قول ہیں جن میں ثمود بن عاد بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام مشہور ہیں۔

نسب نامہ کے ان شجروں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اس قوم کو جس کے ایک فرد صالح علیہ السلام بھی تھے، ثمود اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کا جدِ اعلیٰ ثمود تھا اور اسی کے نام سے یہ قبیلہ یا قوم منسوب ہے۔ لہٰذا ان روائتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قوم ثمود ہی سامی اقوام کی ایک شاخ ہے اور یہی وہ افراد قوم ہیں جو عاد اولیٰ کی ہلاکت و تباہی کے وقت حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھ کاروان اسلام میں رہنے کے سبب بچ گئے تھے بعد میں یہی نسل عاد ثانیہ کہلائی اور بلاشبہ یہ قوم بھی عرب بائدہ یعنی ہلاک شدہ عربی نسل میں سے ہے۔

قوم ثمود کہاں آباد تھی اور کس خطۂ زمین پر پھیلی ہوئی تھی مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ ان کی آبادی حجر میں تھی۔ حجاز اور شام کے درمیان وادی قریٰ تک ان کا مقام سکونت تھا یہ آج کل فج الناقہ کے نام سے مشہور اور معروف ہے۔ ان بستیوں کے کھنڈرات اور آثار آج تک موجود ہیں۔ حجر کا یہ مقام جو حجر ثمود کہلاتا ہے حضرت شعیب علیہ السلام کے شہر مدین سے جنوب مشرق میں اس طرح واقع ہے کہ خلیج عقبہ اس کے سامنے ہے۔ ثمود فن تعمیر میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ بڑے بڑے قلعے اور محلات تعمیر کرتے اور پہاڑوں میں پتھر تراش کر مکان بناتے تھے۔

ثمود کے زمانہ کے متعلق کوئی فیصلہ کن وقت نہیں بتایا جا سکا اس لیے تاریخ اس بارے میں غیر مطمئن ہے البتہ یہ امر یقینی کہا گیا ہے کہ ان کا زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قبل کا ہے اور آپ کی بعثت سے بہت پہلے یہ ہلاک ہو چکے تھے۔

ثمود بت پرست تھے۔ خدائے واحد کے علاوہ بہت سے معبودان باطل کے پرستار اور شرک میں مبتلا تھے۔ حضرت صالح علیہ السلام فرائض نبوت کی ادائیگی کے لیے قوم ثمود کو بار بار سمجھاتے اور نصیحت فرماتے رہے مگر ان پر مطلق کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ اس کے برعکس عناد اور بغض بڑھتا گیا۔ مخالفت ترقی کرتی رہی اور کسی طور بت پرستی سے باز نہ آئے۔ اگرچہ ایک مختصر اور کمزور جماعت ایمان لا کر کاروان اسلام میں شامل ہو گئی۔ مگر قوم کے سردار اور بڑے بڑے سرمایہ دار باطل پرستی پر قائم رہے۔ خدا کی نعمتوں کا شکر بجا لانے کی بجائے کفران نعمت کو شعار بنا لیا اور حضرت صالح علیہ السلام کا مذاق اڑاتے اور اکثر جواب دیتے کہ اے صالح تم خود بھی غور کرو، سوچو اگر ہم باطل پرست ہوتے، خدا کے صحیح مذہب کے منکر ہوتے تو آج ہم کو یہ دھن دولت، سرسبز شاداب باغات کی فراوانی، سیم و زر کی بہتات، عالی شان محلات، میوہ جات و شیریں پھلوں کی کثرت نہروں اور عمدہ مرغزاروں کی افزائش حاصل نہ ہوتی۔ اے صالح تو خود کو اور اپنے پیروؤں کو دیکھ کر ان کی تنگ حالی اور غربت پر نظر کر اور بتلا کہ خدا کے پیارے اور مقبول کون ہیں ہم یا تم؟

حضرت صالح علیہ السلام ان کی کج بحثی پر فرماتے: اے نادانو! اپنی عیش سامانی پر شیخی نہ مارو اور خدا کے سچے رسول اور اس کے دین حق کا مذاق نہ اڑاؤ، اس لیے کہ اگر تمہارے غرور و تکبر کا یہی حال رہا تو پل بھر میں یہ سب کچھ فنا ہو جائے گا پھر نہ تم رہو گے اور نہ تمہارا یہ ساز و سامان جس پر تم اتنا ناز کرتے ہو۔ بے شک یہ سب کچھ خدا کی نعمتیں ہیں، کہ اس کا شکر ادا کریں ورنہ یہی سامان عیش عذاب عظیم ہے۔ اس لیے یہ سمجھنا سخت غلطی ہے کہ دولت و ثروت کی کثرت خوشنودی خدا کا ثمرہ ہے۔ سرداران ثمود کو تو یہ بھی حیرانی تھی کہ ایک انسان خدا کا پیغمبر بن جائے اور اس کے احکام سنائے اور یہ بھی کہتے کہ اگر کوئی رسول ہونا ہی تھا تو اس کے اہل ہم تھے نہ کہ صالح۔

بہرحال حضرت صالح علیہ السلام کی مغرور اور سرکش قوم نے ان کی پیغمبرانہ دعوت و نصیحت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور خدا کے نشان (معجزہ) کا مطالبہ کر دیا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے انہی سے دریافت کیا کہ وہ کس قسم کا نشان چاہتے ہیں۔ منکرین نے کہا کہ سامنے والے پہاڑ میں سے یا بستی کے اس پتھر سے جو کنارے پر نصب ہے ایک ایسی اونٹنی ظاہر کر جو گابھن ہو اور فوراً بچہ دے۔ قوم ثمود کے سرداروں نے بتاکید کہا کہ وہ مطالبہ پورا ہونے کے بعد ایمان لے آئیں گے۔ تب حضرت صالح علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں دعا کی تو اسی وقت سب کے سامنے پہاڑ یا پتھر سے گابھن اونٹنی ظاہر ہو گئی اور اس نے ظاہر ہوتے ہی بچہ دیا۔ یہ دیکھ کر سرداروں میں سے جندع بن عمرو اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ دوسرے سرداروں نے بھی جب ارادہ کیا تو ان

کے ہیکلوں اور مندروں کے کاہنوں نے ان کو ایمان لانے سے باز رکھا اور دوسروں کو بھی اسلام لانے سے روک لیا۔

اب حضرت صالح علیہ السلام نے تمام افراد کو تنبیہہ کی کہ دیکھو یہ نشانی تمہاری طلب پر بھیجی گئی ہے۔ خدا کا فیصلہ ہے کہ پانی کی باری مقرر ہو۔ ایک دن اس ناقہ کا ہوگا اور ایک دن ساری قوم کا۔ اور خبردار کیا کہ اسے کوئی اذیت نہ پہنچے ورنہ تمہاری بھی خیر نہیں ہوگی۔

قوم نے ایمان لانا تو قبول نہ کیا مگر معجزہ کو دیکھ کر ناقہ کو آزار پہنچانے سے باز رہے اور فیصلہ کے مطابق پانی کی باری کا سلسلہ چلتا رہا۔

مگر آہستہ آہستہ یہ پابندی انہیں بھاری محسوس ہونے لگی اور اس سے نجات کے لیے وہ صلاح مشورہ کرنے لگے کہ کسی طرح ناقہ کو قتل کر دیا جائے مگر کسی کو اس کے قتل کی ہمت نہ پڑتی۔ آخر قوم ثمود کی ایک مالدار حسین و جمیل عورت صدوق نے اپنے آپ کو ایک شخص مصدع کے سامنے اور ایک دوسری مالدار عورت عنیزہ نے اپنی ایک خوبصورت لڑکی کو قیدار کے سامنے یہ کہہ کر پیش کیا کہ اگر وہ دونوں ناقہ کو ہلاک کریں تو یہ تمہاری ملکیت ہیں۔ تم ان کو بیوی بنا کر عیش سے زندگی گزارو۔ دونوں اس منصوبے پر عمل درآمد کرنے پر آمادہ ہو گئے اور طے کیا کہ ناقہ کو چراگاہ جاتے ہوئے راستہ میں حملہ کر کے قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ دونوں نے ایسا ہی کیا اور ناقہ کو قتل کر ڈالا۔ اونٹنی کا بچہ یہ دیکھ کر چیختا چلاتا بھاگ کر پہاڑی میں غائب ہو گیا۔ پھر دونوں نے حلف لیا کہ صالح علیہ السلام اور اس کے اہل و عیال کو بھی خفیہ طور پر قتل کر دیں گے۔

حضرت صالح علیہ السلام کو اس واقعہ کی خبر ہوئی اور انہوں نے حسرت و افسوس کے ساتھ قوم کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ وہی ہوا جس کا مجھے خدشہ تھا۔ اب خدا کے عذاب کا انتظار کرو جو تین دن کے بعد تم کو تباہ کر دے گا۔ پھر بجلی کی کڑک اور چمک کا عذاب آیا اور اس نے رات میں ہی سب کو ہلاک کر دیا اور نوع انسانی میں آئندہ آنے والے انسانوں کے لیے تاریخی عبرت کا سبق دے گیا۔

ایک طرف قوم ثمود پر عذاب نازل ہوا تو دوسری جانب خدا تعالیٰ نے صالح علیہ السلام اور ان کے پیروؤں کو اپنی حفاظت میں لے لیا اور انہیں عذاب سے محفوظ رکھا۔ حضرت صالح علیہ السلام حزن و ملال کے ساتھ ہلاک شدگان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمانے لگے: اے قوم بلاشبہ میں نے اپنے پروردگار کا پیغام تم تک پہنچایا اور تم کو نصیحت کی لیکن تم نصیحت کرنے والوں کو دوست ہی نہ رکھتے تھے۔

ہلاک شدہ قوم کو حضرت صالح علیہ السلام کا یہ خطاب اسی طرح تھا جس طرح بدر میں مشرکین مکہ کے سرداروں کی ہلاکت کے بعد ان کی مردہ نعشوں کے گڑھے پر کھڑے ہو کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

اس قسم کا خطاب انبیاء علیہ السلام کی خصوصیات میں سے ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان کے کلام کو بلاشبہ مردوں کو سنوا دیتا ہے۔ اگرچہ وہ جواب دینے سے قاصر ہوتے ہیں۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی لاشوں کو اسی طرح مخاطب کیا تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے تعجب سے پوچھا: کیا یہ سن رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں تم سے زیادہ مگر جواب سے عاجز ہیں۔

ثمود کی ہلاکت کے بعد حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے پیروؤں نے کہاں سکونت اختیار کی' مورخین کے مختلف اقوال ہیں۔ غالب گمان یہ بتایا گیا ہے کہ فلسطین میں آ کر آباد ہوئے۔ یعنی علاقہ رملہ میں جو کہ آپ کا آبائی وطن تھا یہاں ایک قبر ہے جو مشہور ہے کہ یہ آپ کی قبر ہے۔

(۲) کچھ مورخین کہتے ہیں کہ آپ ثمود کی ہلاکت کے بعد ان کی بستیوں میں ہی رہے۔

(۳) کچھ کہتے ہیں کہ مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ وہیں مقیم رہے' وہیں انتقال فرمایا اور قبر مبارک کعبہ میں غربی جانب حرم ہی میں ہے۔ سید آلوسی نے اسی کو راجح سمجھا ہے اور اپنی تفسیر میں ایک قول بھی نقل فرمایا ہے' جس میں بتایا ہے کہ صالح علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کی تعداد ایک سو بیس تھی جو عذاب سے محفوظ رہے جبکہ ہلاک شدہ ڈیڑھ ہزار گھرانے تھے۔

سورہ انبیاء کی آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

''اور بلاشبہ ہم نے نصیحت کے بعد زبور میں لکھ دیا کہ زمین کی وراثت میرے نیک بندوں کو حاصل ہو گی''

یہ آیات ربانی واضح کر رہی ہیں کہ حکومت و دولت کا وعدہ وراثت صرف انہی کے لیے ہے جو مومن بھی ہیں اور خدا کے احکام پر عامل بن کر صالحین کی صف میں شامل ہیں۔ یعنی جن کی اجتماعی زندگی کا قالب ایک ساتھ ان دونوں صفات سے متصف ہے۔ ان کے لیے بلاشبہ یہ حکومت و دولت خدا کا انعام و اکرام ہے۔

اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر حکومت و دولت کے لیے مومن و کافر کی کوئی تخصیص نہیں۔ خدا تعالیٰ کی حکمتوں اور مصلحتوں کے پیش نظر یہ دنیوی اسباب کی شکل میں چلتی پھرتی چھاؤں ہے اور ایسی حکومت و دولت کے لیے ہرگز یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کے ساتھ خدا کی خوشنودی اور اس کا فضل و کرم بھی شامل حال ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام جد الانبیاء

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نسب نامہ توراۃ میں اس طرح بیان ہوا ہے:

ابراہیم (خلیل اللہ) بن تارخ بن ناحور بن سروج بن رعو بن فالج بن عابر شالخ بن ارفکشاذ بن سام بن نوح علیہ السلام

یہ تصریح نسب نامہ توراۃ اور تاریخ قدیم کے مطابق ہے' اس کے برعکس علماء کے ایک گروہ کی رائے میں آپ کے والد کا نام آذر تھا جیسا کہ قرآن مجید میں آذر کو "اب ابراہیم" کے الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے جو صنم ساز' صنم فروش اور صنم پرست تھا۔ دیگر مفسرین کرام کی رائے ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا اور چچا کا آذر۔ چونکہ آذر ہی نے آپ کی تربیت کی تھی اور بمنزلہ اولاد کے پالا تھا اس لیے قرآن نے آذر کو لابیہ (کہہ کر پکارا) جیسا کہ حضور علیہ السلام نے بھی ارشاد فرمایا ہے ا چچا باپ ہی کی طرح ہے۔ چنانچہ کسی بھی جگہ آذر کو والد ابراہیم کے الفاظ سے نہیں پکارا گیا۔ آج بھی اکثر یہی الفاظ چچاؤں کے ساتھ پکارے جاتے ہیں۔ ایک موقع پر جب آذر نے آپ کی تبلیغ پر عمل پیرا ہونے سے انکار کیا تو آپ نے اللہ سے ان کی بخشش کیلئے دعا کا ازخود وعدہ فرمایا۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو منع فرما دیا۔ مگر قرآن میں آپ کی اس دعا کا ذکر ہے جو آپ نے اپنے والدین' ذریت اور مومنین کیلئے مانگی ہے جسے ہر مسلمان ہر نماز میں دہراتا ہے۔

بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جد الانبیاء بھی کہہ کر پکارا گیا ہے آپ کے ایک بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل سے انبیاء مبعوث ہوتے رہے۔ نسل کے اس سلسلہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام انبیائے بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر ہوئے جبکہ آپ کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام حجاز میں مبعوث ہوئے اور آپ کی نسل سے نبی آخر الزماں' سرور عالم سرور کون ومکان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔

حضور علیہ السلام نے ایک حدیث مبارکہ میں فرمایا:

مجھے اللہ تعالیٰ نے پاک پشتوں اور پاک رحموں سے منتقل فرمایا۔(مواھد لدنیہ)

قرآن پاک میں بھی اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''ہم نے آپ کو سجدے کرنے والوں سے پیدا فرمایا''

حضرت نوح علیہ السلام تک نسب کی جو کڑیاں علمائے انساب نے شمار کروائی ہیں ان کی صحت کا اندازہ حضور علیہ السلام کے اس ارشاد سے لگایا جا سکتا ہے جو حضور علیہ السلام نے اپنے نسب نامہ کے متعلق ماہرین انساب کے متعلق فرمایا: علمائے نسب نے ناموں کے تعین میں غلط بیانی سے کام لیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر مبارک قرآن مجید کی 25 سورتوں میں آیا ہے جن میں مکی سورتیں بھی ہیں اور مدنی بھی۔ آپ کی عظمت اور شان کے پیش نظر جو انبیاء و رسل کے درمیان آپ کو حاصل ہے۔ قرآن حکیم نے ان واقعات نبوت کو مختلف اسلوب کے ساتھ جگہ جگہ بیان کیا ہے۔ اگر کسی واقعہ کا ذکر کہیں اختصار کے ساتھ ہے تو کہیں بڑی تفصیل ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت کے وقت آپ کی عمر 87 سال بتائی گئی ہے جبکہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کے وقت آپ کی عمر 100 سال مذکور ہے۔ آپ نے 175 سال کی طویل عمر پائی۔

تورات کی روایات کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق کے قصبہ اور کے باشندے اور اہل فدان میں سے تھے جس معاشرہ اور ماحول میں آپ نے پرورش پائی وہ بت گری اور بت پرستی کا دور تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے شروع سے ہی آپ کو حق کی بصیرت اور رشد و ہدایت عطا فرمائی تھی۔ آپ یقین رکھتے تھے کہ بت نہ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ کسی کی پکار کا جواب دے سکتے ہیں اور نہ کسی کے نفع و نقصان کا ان سے واسطہ ہے۔ آپ صبح شام دیکھتے کہ چچا ان بے جان مورتوں کو اپنے ہاتھوں سے بناتا جس طرح چاہتا ان کے کان، ناک، آنکھیں اور جسم تراش دیتا پھر خریدنے والوں کے ہاتھ فروخت کر دیتا۔ تو کیا یہ بت خدا ہو سکتے ہیں اور جب اس جلیل قدر ہستی پر اللہ تعالیٰ کا جود و کرم اور عطا کا فیضان ہوا تو آپ نے انبیاء علیہم السلام کی صف میں نمایاں جگہ پائی اور دین حنیف کا محور و مرکز قرار پائے۔

آپ نے جب دیکھا کہ قوم بت پرستی مظاہر پرستی اور ستارہ پرستی میں اس قدر منہمک ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت مطلقہ اور اس کی احدیت کا تصور بھی ان کے قلوب میں نہیں رہا اور خدا کی واحدانیت کا عقیدہ محض اچنبھے کی بات ہے۔ تب آپ نے حکم الٰہی سے کمر ہمت باندھ لی اور ذات

واحد کے بھروسہ پر ان کے سامنے دین حق کا پیغام رکھا اور اعلان فرمایا:

اے قوم! تم کس قدر خواب غفلت میں ہو۔ کہ جن مجسموں کو اپنے ہاتھوں سے بناتے ہو پھر جو مرضی کے مطابق نہ بنے تو توڑ کر دوسرے بنا لیتے ہو اور پھر انہیں پوجتے اور اپنے نفع و نقصان کا مالک سمجھنے لگتے ہو۔ اے قوم ان مشرکانہ حرکات سے باز آؤ۔ صرف اللہ تعالیٰ جو ہم سب کا خالق اور مالک حقیقی ہے' کے آگے سر نیاز جھکاؤ کیونکہ وہ ہی اکیلا تمام کائنات کو تخلیق کرنے والا ہے۔

مگر قوم نے جو مکمل گمراہی میں ڈوب چکی تھی اس جلیل القدر پیغمبر کی دعوت حق کا مذاق اڑایا اور زیادہ سرکشی کا مظاہرہ کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم تھا کہ شرک کا سب سے بڑا مرکز ان کے اپنے گھر میں قائم ہے جہاں آذر کی بت سازی و بت پرستی قوم کیلئے مرجع گمراہی بنی ہوئی ہے۔ اس لیے فطرت کا تقاضا تھا کہ دعوت حق اور اللہ تعالیٰ کے پیغام اور تبلیغ کی ابتداء اپنے گھر سے ہونی چاہیے۔ چنانچہ آپ نے اپنے چچا آذر سے کہا کہ بت سازی اور بت پرستی کا جو راستہ تو نے اپنایا ہوا ہے اور جسے تو آباؤ اجداد کا قدیم راستہ بتاتا ہے یہ گمراہی اور باطل پرستی کی راہ ہے۔ راہ حق صرف وہ ہی ہے جس کی میں دعوت دے رہا ہوں۔ اس لیے تو بت پرستی چھوڑ اور خدا پرستی اختیار کر تا کہ دنیا و آخرت کی سعادت حاصل ہو۔

مگر آذر پر آپ کی تبلیغ اور دعوت حق کا مطلق اثر نہ ہوا بلکہ اس نے دھمکاتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کہا: اے ابراہیم اگر تو بتوں کی برائی سے باز نہ آیا تو میں تجھ کو سنگسار کر دوں گا۔ آپ نے جب دیکھا کہ معاملہ حد سے بڑھ رہا ہے تو آپ نے تبلیغ کے حق اور احترام رشتہ داری کے پیش نظر نرمی اور نہایت لطافت سے جواب دیا کہ میری حق و صداقت پر مبنی گفتگو کا آپ کے پاس صرف یہی جواب ہے تو آج سے میرا اسلام کیونکہ میں حق چھوڑ کر بتوں کی پرستش نہیں کر سکتا۔ مگر دعا کرتا رہوں گا کہ اللہ آپ کو ہدایت دے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آذر سے علیحدگی کے بعد دعوت اسلام کا دائرہ وسیع کر لیا اور پوری قوم کو مخاطب کیا۔ مگر قوم اپنے باپ دادا کے راستے کو ترک کرنے پر تیار نہ ہوئی تو آپ نے تبلیغ کے لیے نیا زاویہ تلاش کرنا شروع کیا۔ آپ کی قوم بت پرستی کے علاوہ کواکب پرستی یعنی ستاروں' چاند اور سورج کی بھی پرستش کرتی تھی اس لیے آپ نے ضروری سمجھا کہ قوم کو اس حقیقت سے بھی آگاہ کیا جائے کہ تمہارا یہ خیال بھی قطعاً غلط ہے کہ ان چمکتے ہوئے ستاروں' چاند اور سورج

کو خدائی کی طاقت حاصل ہے۔ ہر گز نہیں یہ خیال خام اور باطل عقیدہ ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کے دماغ کے مطابق ایک عجیب اور دلچسپ پیرایہ بیان اختیار فرمایا:

تاروں بھری رات تھی ایک ستارہ جب خوب روشن ہوا تو آپ نے اس کو دیکھ فرمایا کہ ''میرا رب یہ ہے''؟ کیونکہ یہ سب میں ممتاز اور روشن ہے۔ لیکن وہ اپنے وقت پر نظر سے اوجھل ہو گیا۔ کیونکہ نظام کائنات سے منحرف ہو کر اپنے پوجنے والوں کے لیے ٹھہرا رہنا اس کے بس میں نہ تھا۔ آپ نے فرمایا: یہ میرا معبود کیونکر ہو سکتا تھا۔ پھر چاند کو آب و تاب کے ساتھ سامنے موجود پایا اور کہا: ''یہ میرا رب ہے''؟ سحر کا وقت ہونے لگا تو چاند کے روپوش ہونے کا وقت آ گیا اور جس قدر سورج طلوع ہوتا گیا چاند غائب ہوتا گیا۔ اسی طرح جب سورج غروب ہوا تو آپ نے قوم سے کہا کہ اگر ان کواکب میں ربوبیت ہے تو یہ کیوں بے نور ہو گئے اور تغیرات سے محفوظ نہ رہ سکے۔ پس اے قوم میں مشرکانہ عقائد سے نفرت کرتا ہوں۔

اب قوم سمجھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے دیوتاؤں کے خلاف کیا کہا ہے۔ آپ کے محکم برہان کا کسی کے پاس جواب نہ تھا مگر قوم پھر بھی قائل نہ ہوئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے معبودان باطل سے ڈرانے لگے کہ وہ اس توہین کا تجھ سے ضرور انتقام لیں گے۔

الغرض ان تمام روشن دلائل اور براہین کے بعد بھی قوم نے دعوت اسلام قبول نہ کی اور اصنام پرستی میں اسی طرح مبتلا رہی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک دن قوم کے سامنے اعلان کر دیا کہ میں تمہارے ان بتوں کے ساتھ ایک ایسی تدبیر کروں گا کہ تم محو حیرت رہ جاؤ گے۔ حسن اتفاق سے جلد ہی قوم کے ایک مذہبی میلے کا دن آ گیا۔ قوم میلہ میں شرکت کے لیے چلی گئی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بوجوہ شرکت سے انکار کر دیا اب جبکہ ساری قوم 'بادشاہ' کاہن اور ان کے مذہبی پیشوا میلہ میں مصروف اور شراب و کباب میں مشغول تھے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوچا کہ اب ان کے عمل کا وقت آ گیا ہے کہ جمہور پر واضح کر دوں کہ تمہارے ان دیوتاؤں کی حقیقت کیا ہے آپ اٹھے اور مندر میں سب سے بڑے دیوتا کے پاس پہنچے۔ سب دیوتاؤں کے پاس قسم قسم کے کھانوں اور حلوؤں کے چڑھاوے رکھے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے طنزیہ طور پر مورتیوں کو خطاب کیا: یہ سب کچھ موجود ہے ان کو کھاتے کیوں نہیں۔ پھر کہا: میں بات کر رہا ہوں تم جواب کیوں نہیں دیتے۔ پھر ان سب کو توڑ پھوڑ ڈالا اور سب سے بڑے بت کے کندھے پر کلہاڑا رکھ کر واپس چلے گئے۔ جب لوگ میلے سے واپس آئے تو مندر میں بتوں کا حال دیکھ کر سخت برہم ہوئے اور ایک دوسرے سے دریافت حال کرنے لگے۔ کچھ لوگوں نے کہا

کہ یہ اس شخص کا کام ہے جس کا نام ابراہیم علیہ السلام ہے کیوں کہ وہ ہی ہمارے دیوتاؤں کا دشمن ہے۔ کاہن اور سرداران قوم غصہ سے کہنے لگے اس کو پکڑ کر مجمع کے سامنے لاؤ۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سامنے لائے گئے تو انہوں نے رعب وداب سے پوچھا: اے ابراہیم علیہ السلام کیا تو نے ہمارے بتوں کے ساتھ یہ سب کچھ کیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی موقع کے انتظار میں تھے کہ مجمع عام میں ان کے بتوں کی حقیقت واضح کر دی جائے اور ان کے باطل عقیدوں پر ضرب لگائی جائے چنانچہ آپ نے اپنی سوچی سمجھی تدبیر کے مطابق جواب دیا جو قرآن مجید میں مذکور ہے:

''ابراہیم نے کہا بلکہ ان میں سے اس بڑے بت نے یہ کیا ہے۔ پس اگر یہ بولتے ہوں تو ان سے دریافت کرلو'' (سورہ انبیاء)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس یقینی دلیل کا کاہنوں اور پجاریوں کے پاس کیا جواب ہوسکتا تھا۔ وہ تو ندامت میں غرق اور ذلیل ورسواہو گئے تھے۔ تب نہایت شرمساری کے ساتھ کہنے لگے: ابراہیم علیہ السلام تم خوب جانتے ہو کہ ان دیوتاؤں میں بولنے کی طاقت نہیں یہ تو بے جان مورتیاں ہیں۔ اب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مختصر اور جامع الفاظ میں ان کو نصیحت کی کہ جب یہ دیوتا نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان تو پھر یہ خدا اور معبود کیسے ہو سکتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے برموقعہ دندان شکن دلائل کا اثر ہونے اور باطل عقیدوں سے باز آ جانے کی بجائے قوم نے حضرت کی دشمنی اور عداوت کا نعرہ بلند کر دیا اور دیوتاؤں کی توہین کرنے کی پاداش میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو زندہ جلا دینے کا مطالبہ کر دیا۔ قوم میں ابھی یہ مشورے ہو رہے تھے کہ بادشاہ وقت کو ان واقعات کی خبر مل گئی تو وہ بھی آپے سے باہر ہو گیا اور سوچنے لگا کہ اگر اس شخص کی پیغمبرانہ تبلیغ ودعوت اسلام کی سرگرمیاں اسی طرح جاری رہیں تو میری ربوبیت اور ملوکیت سے رعایا کو برگشتہ کر دے گا۔ اس قضیہ کو ابھی سے ہی ختم کر دینا مناسب ہوگا۔ یہ سوچ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دربار میں پیش کرنے کا حکم دیا۔

اس زمانے میں عراق کے بادشاہ کا لقب نمرود ہوا کرتا تھا۔ وہ رعایا کا صرف بادشاہ ہی نہیں ہوتا تھا بلکہ اس کا رب اور مالک بھی مانا جاتا تھا اور رعایا بھی دیگر دیوتاؤں کی طرح بادشاہ کو اپنا خدا اور معبود مانتی تھی۔ چنانچہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود کے دربار میں لائے گئے تو بادشاہ نے دریافت کیا کہ تو اپنے باپ دادا کے دین کی مخالفت کیوں کرتا ہے اور مجھے رب ماننے سے کیوں انکار کرتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میں خدائے واحد کا پرستار ہوں جس

کا کوئی شریک نہیں۔ ساری کائنات اور تمام عالم اس کی مخلوق ہے وہ ہی سب کا خالق و مالک ہے۔ تو بھی اسی طرح کا ایک انسان ہے جس طرح دوسرے سب انسان ہیں پھر تو کس طرح رب یا خدا ہوسکتا ہے اور یہ لکڑی کے بنے ہوئے گونگے اور بہرے بت کس طرح معبود ہوسکتے ہیں۔ میں اللہ کا پیغمبر ہوں اور اس کی جانب سے راہ راست پر ہوں میں تجھ کو بھی دعوت دیتا ہوں کہ باطل عقیدوں سے باز آ جاؤ اور رب العالمین کی توحید کو قبول کرو۔

نمرود نے دریافت کیا کہ میرے علاوہ بھی تیرا کوئی رب ہے تو اس کی کوئی نشانی بتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: میرا رب ■■ ہے جس کے قبضہ قدرت میں موت و حیات ہے۔ ■■ ہی موت دیتا ہے اور وہ ہی زندگی بخشتا ہے۔ نمرود نے جواب دیا کہ موت و حیات تو میرے قبضہ میں بھی ہے یہ کہہ کر اس نے ایک بے قصور شخص کو قتل کروایا اور ایک موت کی سزا پانے والے قیدی کو رہا کر دیا اور اس کی جان بخشی کر دی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کہا کہ اب بتا میرے مقابلہ میں تیرے رب کی کیا خصوصیت رہی۔

نمرود موت و حیات کی اصل حقیقت سے آشنا تو ہو گیا مگر اس نے رعایا کو مغالطہ میں مبتلا کر کے کوشش کی کہ وہ اس فرق کو سمجھ نہ سکیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے ساتھ کج بحثی کا دروازہ بند کرتے ہوئے پھر کہا کہ میرا رب وہ ہے جو سورج کو مشرق سے لاتا ہے اور مغرب کی جانب لے جاتا ہے۔ پس اگر تو بھی خدائی کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کے خلاف سورج کو مغرب سے نکال اور مشرق میں چھپا۔

یہ سن کر نمرود مبہوت اور لاجواب ہو کر رہ گیا۔ اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے نمرود پر خدا کی حجت پوری ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے اپنے چچا آذر سے مناظرہ کیا۔ اسلام کی تبلیغ کا پیغام حق سنایا اور پھر عوام کے سامنے اس دعوت کو عام کیا بالآخر بادشاہ وقت سے مناظرہ کیا اور امر حق کو تسلیم کرانے کے لیے فطرت کے بہترین اصول اور دلائل کو پیش فرمایا مگر کسی نے بھی راہ مستقیم کو اختیار نہ کیا اور قبول حق سے منحرف ہی رہے بلکہ رعایا سے بادشاہ تک سب غیظ و غضب میں آ گئے اور دیوتاؤں کی توہین پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دہکتی آگ میں جلا دینے کا فیصلہ کیا۔

اس مرحلہ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جدوجہد کا معاملہ ختم ہو گیا۔ دلائل و براہین کے مقابلہ میں مادی طاقت نے مظاہرہ شروع کر دیا۔ ایک خدا پرست ہستی اور چہار جانب مخالفت اور دشمنی کے نعرے نفرت اور حقارت کے ساتھ انتقام اور خوفناک سزا کے انتظامات ایسے حالات

میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حمایت کا سامان کس طرح مہیا ہوا؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان تمام معاندانہ سرگرمیوں پر کوئی تشویش تھی نہ کوئی خوف و خطر۔آپ ملامت کرنے والوں کی ملامت سے بے نیاز اعلان حق پر سرشار تھے۔ایسے وقت جب تمام مادی سہارے اور دنیاوی اسباب ناپید ہو چکے تھے۔آپ کو اس وقت بھی خدائے واحد کا سہارا تھا اور اس نے اپنے جلیل القدر پیغمبر اور عظیم المرتبت ہادی کو بے یار و مددگار نہ رہنے دیا۔ ہوا یہ کہ نمرود اور قوم نے آپ کو زندہ جلانے کیلئے ایک بڑے میدان میں کئی روز مسلسل آگ دہکائی حتیٰ کہ اس کے شعلے قرب و جوار کی اشیاء کو جھلسنے لگے۔جب قوم اور بادشاہ نے اطمینان کر لیا کہ اب اس آگ سے ابراہیم علیہ السلام کے بچ نکلنے کی کوئی راہ نہیں رہی تو ایک گوپھن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بٹھا کر آگ میں پھینک دیا گیا۔اس وقت آگ کو پیدا کرنے اور جلانے کی طاقت بخشنے والے نے حکم دیا اور فرمایا:

''اے آگ تو ابراہیم کے حق میں سرد اور سلامتی والی بن جا'' (سورہ الانبیاء)

آگ اسی وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں گلزار بن گئی۔دشمن آپ کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا سکے اور دہکتی آگ سے دشمنوں کے نرغے سے محفوظ نکل گئے تو اب آپ نے ارادہ فرمایا کہ کسی دوسری جگہ جا کر پیغام الٰہی سنائیں شاید وہاں آواز حق گوش ہوش سے سنی جائے۔

ہجرت کے اس سفر میں آپ کے ہمراہ آپ کی زوجہ حضرت سارہ آپ کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی بیوی ساتھ تھیں اور فرات کے کنارے چلتے چلتے ایک بستی کلدانین پہنچے جہاں چندے قیام فرمایا اور حاران کی طرف کوچ کیا ساتھ ہی دین حنیف کی تبلیغ بھی کرتے اسی طرح سفر کرتے اور دعوت اسلام کا فریضہ ادا کرتے ہوئے فلسطین پہنچ گئے۔کچھ عرصہ یہاں سکونت پذیر رہے پھر قریب ہی ایک بستی نابلس میں قیام فرمایا اور کچھ عرصہ بعد یہاں سے روانہ ہو کر مصر آ گئے۔یہاں اس وقت ایسے خاندان کے ہاتھ حکومت تھی جو سامی قوم سے تعلق رکھتا تھا اور اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نسبی سلسلہ میں وابستہ تھا۔یہاں پہنچ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حکمرانوں کے درمیان ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے ان کو یقین ہو گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اس کا خاندان خدا کا مقبول اور برگزیدہ خاندان ہے یہ دیکھ کر ہی انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ بیوی حضرت سارہ کا بہت اعزاز کیا اور ہر قسم کے مال و منال سے نوازا بلکہ اپنے قدیم خاندانی رشتہ کو اور مستحکم کرنے کے لیے شاہ مصر نے اپنی بیٹی ہاجرہ کو

بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجیت میں دے دیا۔ چنانچہ اس تاریخی واقعہ کی شہادت خود یہود کے ہاں بھی موجود ہے جس کا پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ ہاجرہ شاہ مصر کی بیٹی تھی نہ کہ باندی۔ توراۃ کا ایک معتبر مفسر ربی شلوما اسحاق نے اپنی کتاب پیدائش کے باب ۱۹ آیت ایک میں اس کی شہادت دی ہے کہ ہاجرہ شاہ مصر کی بیٹی تھی لونڈی نہ تھی۔ اس لیے بنی اسرائیل کا یہ طعن کہ بنی اسماعیل ہم سے اس لیے کمتر ہیں کہ وہ لونڈی کی نسل سے ہیں اور ہم آپ کی بیوی سارہ سے۔ یہ صحیح نہیں بلکہ واقعہ اور تاریخ دونوں کے خلاف ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات میں سے تین واقعات پر معاندین نے کج بحثی کے ساتھ جرح کی ہے۔

1۔ ایک موقعہ پر جب ساری قوم میلے میں جانے لگی تو کچھ لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے میلے میں ساتھ چلنے کو کہا تو آپ نے فرمایا۔ ''میں بیمار ہوں'' جب کہ آپ بیمار نہ تھے۔ اس جملہ میں تندرست ذہن رکھنے والا انسان ایک لحہ کے لیے بھی یہ تصور نہیں کر سکتا کہ اس میں جھوٹ کا کوئی شائبہ ہو سکتا ہے۔ میں بیمار ہوں جبکہ آپ بیمار نہ تھے۔ انی سقیم میں علالت طبع کا ذکر ہے جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی جان سکتے تھے۔ اس میں کسی دوسرے فرد کو خواہ مخواہ شک اور تردد کا کون سا موقعہ ہے۔ حتیٰ کہ اگر ایک شخص ظاہر بین نگاہوں میں تندرست نظر آتا ہو تب بھی ضروری نہیں کہ وہ بالکل صحت مند ہو اور ایسا اکثر ہوتا ہے کہ جسم تندرست نظر آتا ہے مگر آدمی کا مزاج حد اعتدال پر نہیں ہوتا اور دوسرا اسے سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے۔

2۔ دوسرا جملہ جو آپ نے کاہنوں اور قوم سے مندر میں بتوں کی توڑ پھوڑ کے متعلق فرمایا کہ ''بلکہ ان میں سے سب سے بڑے بت نے یہ کیا ہو گا پس ان سے پوچھو اگر یہ بول سکتے ہیں۔'' حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس بیان سے جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے آپ کی طرف سے جھوٹ بولنے کا کوئی پہلو نہیں نکلتا۔ اس لیے کہ دو مختلف الخیال انسانوں کے درمیان اگر مناظرہ کی نوبت آ جاتی ہے تو معمولی حرف شناس بھی اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ حریف کو اس کی غلطی پر متنبہ کرنے اور لاجواب کرنے کیلئے بہترین طریقہ یہی ہے کہ مسلمات میں سے کسی مسلمہ عقیدہ کو صحیح فرض کر کے اس کا استعمال اس طرح کرے کہ اس کا نتیجہ حریف کے خلاف اور اپنے موافق ظاہر ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہی کہا کیونکہ قوم کا عقیدہ تھا کہ بت ان کے دیوتا سب

کچھ سنتے اور ان کی مرادیں برلاتے ہیں' اپنے پجاریوں کو خوش کرتے ہیں اور دشمنوں سے انتقام لیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب چھوٹے بتوں کو توڑ پھوڑ دیا اور بڑے کو چھوڑ دیا' پھر جب پوچھ گچھ کی نوبت آئی تو آپ نے مناظرہ کا یہی بہترین اسلوب اختیار کیا۔ مندر میں موجود تمام لوگوں' سرداروں اور کاہنوں کو ماننا پڑا۔ لہٰذا ان ہر دو جملوں میں ایک بات بھی ایسی نہیں جس کو حقیقتاً جھوٹ کہا جا سکے۔ یہ دونوں باتیں قرآن مجید میں بھی مذکور ہیں اور کتب احادیث میں بھی ہیں۔

3۔ تیسری بات یہ مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جب مصر سے گزر ہوا تو انہوں نے اپنی بیوی حضرت سارہ کو فرمایا کہ یہاں کا بادشاہ جابر اور بڑا ظالم ہے جب کسی حسین عورت کو دیکھتا ہے تو اسے زبردستی چھین لیتا ہے اور اگر اس کا شوہر ہو تو اس کو قتل کرا دیتا ہے اگر دوسرا کوئی عزیز ہو تو کوئی تعرض نہیں کرتا۔ تم چونکہ میری دینی بہن بھی ہو اور یہاں میرے اور تمہارے سوا کوئی مسلمان بھی نہیں اس لیے تم اسے کہہ دینا کہ یہ میرا بھائی ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جب اس نے ارادہ کیا تو اس کے ہاتھ شل ہو گئے' حرکت نہ کر سکا' یہ دیکھ کر اس نے سارہ کو کہا کہ اپنے خدا سے میرے لیے دعا کرو میں تم کو رہا کر دوں گا۔ چنانچہ سارہ کی دعا سے تندرست ہوا تو پھر برائی کا خیال آیا تو فوراً ہی پھر حرکت سے محروم ہو گیا۔ تیسری مرتبہ پھر یہی قصہ پیش آیا تو صدق دل سے باز آیا اور عزت سے رخصت کیا۔ سارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچیں تو سارا ماجرہ سنایا۔

حضرت سارہ بلاشبہ آپ کی دینی بہن تھی بیوی کے رشتہ سے اسلامی اخوت کا رشتہ منقطع نہیں ہو جاتا۔ ابنِ کثیر و دیگر مفسرین کے مطابق سارہ آپ کے چچا حاران کی بیٹی تھی اس لیے چچازاد بہن بھی تھی۔

پہلے دو الزامات کے بعد اس تیسرے واقعہ کو جس میں آپ نے حضرت سارہ کو بہن کہا جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر اور جد الانبیاء کی جانب کذب کی نسبت کر دی جاتی ہے لیکن یہ جہالت ہے بلکہ اس سے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تینوں موقعوں پر یہ تین باتیں نہ ذاتی غرض کیلئے کہیں نہ ذاتی مصلحت کے پیش نظر بلکہ معاندین حق کے مقابلہ میں خالص اللہ تعالیٰ کے دین کی حمایت میں کہیں۔ جبکہ آپ کے صدیق و صادق ہونے کا قرآن مجید میں یوں ذکر ہے:

اور یاد کرو کتاب میں ابراہیم کا ذکر بے شک تھا وہ صدیق (صادق النفس)
نبی (سورۃ مریم)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو مجتبیٰ مہدی کے الفاظ سے خطاب کیا ہے اور یہ ایسی صفات ہیں جن کے ساتھ کذب جمع نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف میں پھر ارشاد فرمایا:

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پھر ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی کہ آپ ملت ابراہیم کی پیروی کریں جو خالص خدا کی جانب جھکنے والا ہے۔ (النحل)

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام وہ ہیں جن کی ملت کی پیروی کا حکم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا جا رہا ہے۔ ارشاد خداوندی میں پھر تاکید اً بتا دیا گیا:

''اور بلاشبہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو رشد و ہدایت شروع سے ہی بخش دی تھی اور ہم ہی اس کو جاننے والے ہیں۔'' (سورۃ الانبیاء)

ان آیات مبارکہ کے علاوہ قرآن مجید میں بے شمار جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفات کا خصوصی ذکر موجود ہے ان نصوص کی موجودگی میں آپ جیسی جلیل القدر ہستی کے متعلق کذب کا تصور تک نہیں ہو سکتا۔ پھر اہل ایمان کا یہ قطعی اور یقینی عقیدہ ہے کہ نبی اور رسول کی جانب کذب کی نسبت کسی حال میں درست نہیں ہے کیونکہ عصمت پیغمبر کا ملہ بلاشبہ اصول دین میں سے ہے۔ بلکہ دین و مذہب کی صداقت کی اساس اور بنیاد صرف اسی ایک مسئلہ پر قائم ہے اس لیے جو چیز اس عقیدہ کی صداقت پر حرف گیری کا باعث بنے وہ قابل رد ہے یا پھر اس معارض تعبیر کو اس اصول دین کے مطابق ہونا پڑے گا ورنہ مٹ جانا ہو گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ابھی تک اولاد سے محروم تھے ایک روز آپ نے خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں فرزند کیلئے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبول فرما لیا اور یہ دعا اس طرح قبول ہوئی کہ آپ کی چھوٹی بیوی حضرت ہاجرہ سے امید پیدا ہو گئی۔ حضرت ہاجرہ کے ہاں جب بیٹا ہوا تو اس کا نام اسماعیل (علیہ السلام) رکھا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر اس وقت 87 برس تھی۔

اسرائیلی روایات میں ہے کہ حضرت سارہ کو جب پیدائش اسماعیل کا پتہ چلا تو ہاجرہ سے رشک پیدا ہوا اور شاق گزرا کیونکہ وہ آپ کی پہلی اور بڑی بیوی ہونے کے ناطے گھر کی مالکہ تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اصرار کیا کہ ہاجرہ اور اس کا بیٹا اس کی نگاہ کے سامنے نہ رہے۔

بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے جس کا مضمون یہ ہے:

''حضرت ابراہیم علیہ السلام ہاجرہ اور اس کے شیر خوار بچے اسماعیل علیہ السلام کو لے کر چلے اور جہاں آج کعبہ ہے ایک بڑے درخت کے نیچے زمزم کے موجودہ مقام سے بالائی حصہ پر ان کو چھوڑ گئے۔ وہ جگہ ویران اور غیر آباد تھی۔ پانی کا نام نشان نہ تھا۔ اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک مشکیزہ پانی اور ایک تھیلی کھجور بھی ان کے پاس چھوڑ دی اور پھر منہ پھیر کر روانہ ہو گئے۔ ہاجرہ ان کے پیچھے پیچھے یہ کہتی چلیں۔ اے ابراہیم علیہ السلام تو ہم کو ایسی وادی میں کہاں چھوڑ کر چل دیئے۔ جہاں نہ آدمی ہے نہ آدم زاد اور نہ کوئی مونس نہ غمخوار۔ ہاجرہ برابر یہ کہتی جاتی تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خاموش چلے جا رہے تھے۔ آخر ہاجرہ نے دریافت کیا۔ کیا تیرے خدا نے تجھ کو یہ حکم دیا ہے۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: ہاں یہ خدا کے حکم سے ہے۔ ہاجرہ نے جب یہ سنا تو کہا: اگر یہ خدا کا حکم ہے تو بلاشبہ وہ ہمیں ضائع اور برباد نہیں کرے گا۔ پھر واپس لوٹ آئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام چلتے چلتے جب ایک ٹیلے پر ایسی جگہ پہنچے کہ اہل و عیال کی نظر سے اوجھل ہو گئے تو اس جانب جہاں کعبہ ہے رخ کیا اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی:

> ''اے ہم سب کے پروردگار (تو دیکھ رہا ہے) ایک ایسے میدان میں جہاں کھیتی کا نام ونشان نہیں۔ میں نے اپنی بعض اولاد تیرے محترم گھر کے پاس لا کر بسائی ہے کہ نماز قائم رکھیں پس تو ایسا کر کہ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہو جائیں اور ان کیلئے زمین کی پیداوار سے سامان رزق مہیا کر دے تاکہ تیرے شکر گزار ہوں۔ (سورہ ابراہیم)

حضرت ابراہیم علیہ السلام اگرچہ ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام کو مکہ کے صحرا میں چھوڑ آئے تھے مگر باپ تھے۔ نبی و پیغمبر تھے اپنی اہلیہ اور بیٹے کو کیسے بھول سکتے تھے اور ان کی نگہداشت سے کیسے بے پرواہ ہو سکتے تھے آپ برابر اس بے آب و گیاہ صحرا میں آ کر ان کی دیکھ بھال کرتے رہے ہوں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر 99 سال کی ہوئی اور اسماعیل علیہ السلام کی تیرہ سال کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آیا کہ ختنہ کرو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حکم کی بجا آوری کیلئے پہلے اپنا ختنہ کیا۔ اس کے بعد اسماعیل علیہ السلام کا پھر خانہ زادوں اور غلاموں کا ختنہ کروایا۔ یہ رسم ختنہ آج بھی ملت ابراہیمی کا شعار ہے۔

مقربین بارگاہ الٰہی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ وہ نہیں ہوتا جو عام انسانوں کے ساتھ ہے۔ ان کو امتحان اور آزمائش کی سخت منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ف

ہے کہ ہم گروہ انبیاء اپنے اپنے مراتب کے اعتبار سے امتحان کی صعوبتوں میں ڈالے جاتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جلیل القدر پیغمبر تھے اس لیے انہیں بھی مختلف آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا۔ آپ کو جب آگ میں ڈالا گیا تو جس صبر و رضا کا ثبوت دیا اور جس استقامت کا مظاہرہ فرمایا وہ انہیں کا حصہ تھا۔ اس کے بعد جب اسماعیل علیہ السلام اور ہاجرہ کو فاران کے بیابان میں چھوڑ آنے کا حکم ملا تو آزمائش کا یہ معمولی وقت نہ تھا۔ پیرانہ سالی اور بڑھاپے کی تمناؤں کے ثمر گھر کے چشم و چراغ اسماعیل علیہ السلام کو صرف حکم الٰہی کی تعمیل میں وہاں چھوڑ آتے ہیں اور پیچھے مڑ کر دیکھتے بھی نہیں کہ مبادا شفقت پدری کے سبب کوئی لغزش ہو جائے۔ ان کٹھن منزلوں کو عبور کرنے کے بعد ایک تیسرے امتحان کی تیاری ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تین شب متواتر خواب دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے ابراہیم ہماری راہ میں اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی دے۔

انبیاء علیہم السلام کا خواب رویائے صادق اور وحی الٰہی ہوتا ہے اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام تسلیم و رضا کا پیکر بن کر تیار ہو گئے۔ مگر چونکہ معاملہ تنہا اپنی ذات کا نہ تھا اس آزمائش میں دوسرا جز بیٹا تھا اس لیے بیٹے کو اپنے خواب کا واقعہ سنایا اور اس کی رائے دریافت فرمائی۔ بیٹا جد الانبیاء ورسل کا بیٹا تھا فوراً سر تسلیم خم کر دیا اور عرض کی اگر خدا کی یہی مرضی ہے تو انشاء اللہ آپ مجھ کو صابر پائیں گے۔ اس گفتگو کے بعد باپ بیٹا قربانی پیش کرنے جنگل کو گئے۔ باپ نے بیٹے کی مرضی سے جانور کی طرح اس کے ہاتھ پیر باندھے۔ پیشانی کے بل لٹا کر تیز چھری بیٹے کی گردن پر پھیر دی۔ فوراً وحی الٰہی نازل ہو گئی۔ اے ابراہیم تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔ اب بیٹے کو چھوڑ تیرے پاس مینڈھا کھڑا ہے اس کو بیٹے کے بدلے میں ذبح کر۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کا شکر بجالاتے ہوئے اس مینڈھے کو ذبح کیا اور یہ قربانی ایسی مقبول ہوئی کہ بطور یادگار ملت ابراہیمی کا شعار قرار پائی اور آج بھی بلکہ قیامت تک یہ شعار اسی طرح منایا جاتا رہے گا۔

ذبح کے اس پورے واقعہ کو جیسا کہ اوپر بیان ہوا اللہ تعالیٰ نے سورہ الصافات میں تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا:

''اور ہم نے ابراہیم کو بشارت دی اسحاق کی جو نبی ہوگا اور نیکوکاروں میں سے ہوگا اور اس (ابراہیم) پر اور اسحاق پر ہم نے برکت نازل کی'' (سورہ ابراہیم) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش کے وقت آپ کی عمر 100 سال اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تیرہ چودہ سال تھی۔

ذبح کے اس عظیم عمل میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جب باپ بیٹا خدا کے حکم کی تعمیل

کیلئے چلے تو راستہ میں شیطان نے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہلانے کی کوشش کی کہ خواب تو خیال ہوتے ہیں اس کام سے رک جائیں دیگر کئی بہانے بنا کر قربانی سے روکنے کی کوشش مگر جب آپ نہ مانے اور اعوذ باللہ پڑھا اور اسے بھگانے کیلئے کنکر مارے تو وہ غائب ہو گیا۔ لیکن شیطان نے ہمت نہ ہاری اب آپ کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو تعمیل حکم سے انکار کرنے کیلئے انہیں ورغلانے لگا مگر آپ نے بھی اسے کنکر مار کر بھگا دیا۔ شیطان اب بھاگا بھاگا حضرت ہاجرہ کے پاس گیا اور دریافت کیا کہ آپ کے خاوند اور بیٹا کہاں گئے ہیں جواب میں آپ نے کسی کام کیلئے جانے کا کہا تو شیطان نے کہا: نہیں آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتایا نہیں وہ تو اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے گئے ہیں۔ حضرت ہاجرہ نے کہا: یہ کیسے ہو سکتا ہے کبھی کسی باپ نے بھی اپنے لخت جگر کو ذبح کیا ہے۔ شیطان نے کہا: اللہ نے خواب میں انہیں کہا ہے کہ اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی دیں۔ یہ سن کر حضرت ہاجرہ نے کہا: اللہ کے حکم سے ہزار اسماعیل علیہ السلام بھی قربان اور زمین سے کنکر اٹھا کر شیطان کو دے مارے وہ غائب ہو گیا اور اپنے مشن میں نامراد ہوا (فریضہ حج ادا کرنے کے دوران وہ تینوں مقام یہی ہیں جہاں آج بھی شیطان کو تین دن کنکر مارے جاتے ہیں۔)

اس ذبح عظیم کے وقت چھری کے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو نہ کاٹنے کی وجہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تعجب میں ڈال دیا اور دبی زبان سے چھری تیز کرتے ہوئے کہا کہ اس آلے کا کام کاٹنا ہے یہ کیوں نہیں کام کر رہا۔ علمائے دین فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آلے کو زبان عطا فرمائی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آواز سنائی دی کہ یا حضرت آپ کو جب آگ میں ڈالا گیا تو اللہ تعالیٰ نے صرف ایک بار آگ کو حکم دیا تھا کہ تو ابراہیم پر سلامتی والی ٹھنڈی ہو جا لیکن اس موقعہ پر باری تعالیٰ مجھے بار بار فرما رہے ہیں کہ خبردار اسماعیل کا بال بھی بیکا نہ ہونے پائے۔ یہ حکم کیوں نہ ہوتا کہ آپ ہی کی نسل سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لانے والے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اگرچہ فلسطین میں مقیم تھے مگر حضرت ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام کو دیکھنے اور ملنے آتے رہتے۔ اسی دوران اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ کی تعمیر کا حکم دیا۔ آپ نے اسماعیل علیہ السلام سے اس کا تذکرہ کیا اور دونوں نے مل کر بیت اللہ کی تعمیر شروع کر دی۔ یوں توحید الٰہی کی سربلندی کیلئے دنیا کے بت کدوں میں پہلا گھر جو خدا کا گھر بنایا گیا وہ یہی بیت اللہ ہے۔ سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"سب سے پہلا وہ گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا البتہ وہ ہے مکہ میں۔ وہ

سرتاپا برکت ہے اور جہان والوں کیلئے ہدایت"

حضرت ابراہیم علیہ السلام بطور معمار کعبہ اور بیٹا حضرت اسماعیل علیہ السلام مزدور کا کام کر رہے تھے جوں جوں اللہ کے گھر کی دیواریں بلند ہوتیں پتھر جس پر کھڑے ہو کر آپ کام کر رہے تھے ضرورت کے مطابق اونچا اور چھوٹا ہوتا رہتا۔ یہی وہ یادگار پتھر ہے جسے مقام ابراہیم علیہ السلام کہتے ہیں۔ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے آپ کے سامنے ایک پہاڑی سے حجر اسود کو محفوظ نکال کر دیا جسے جنت سے لایا ہوا پتھر کہتے ہیں اسے دیوار کعبہ میں نصب کر دیا گیا۔ جس کو ہر طواف کے بعد بوسہ دینا سنت ہے۔

تعمیر بیت اللہ کے مکمل ہونے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کے حضور دعا مانگی:

اے پروردگار اس جگہ کو امن امان والا ایک آباد شہر بنا دے اور یہاں کے بسنے والوں کو جو تجھ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائیں ان کے رزق کے لیے ہر طرح کی پیداوار مہیا ہو جائے (اللہ نے) فرمایا ان میں سے جو کفر اختیار کرے گا اسے بھی فائدہ اٹھانے دیں گے مگر قلیل۔ (سورہ الحج)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک موقعہ پر خانہ کعبہ کے پاس پھر دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی عرض پیش کی:

اے اللہ اس بستی کے رہنے والوں میں تیرا ایک رسول مبعوث ہو جو انہی میں سے ہو۔ وہ تیری آیات پڑھ کر لوگوں کو سنائے۔ کتاب اور حکمت کی انہیں تعلیم دے اور انہیں پاک کر دے بے شک تیری ذات ہے حکمت والی اور سب پر غالب (الحج)

باری تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعائیں قبول فرمائیں اور اس کی بشارت دی اور آپ کو حکم دیا کہ اعلان کر دیں:

"لوگوں میں حج کا اعلان پکار دے لوگ تیرے پاس دنیا کی دور دراز راہوں سے آیا کریں گے پاپیادہ اور ہر طرح کی سواریوں پر" (الحج)

حضرت ابراہیم علیہ السلام آخر عمر تک فلسطین میں ہی سکونت پذیر رہے اور 178 سال کی عمر میں اپنے رب تعالیٰ سے جا ملے آپ کا مزار شریف فلسطین کے شہر الخلیل میں موجود ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے آپ کے والد گرامی کا نام ہارون تھا۔ آپ کا بچپن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیر سایہ گزرا اور ان کی نشو و نما آپ ہی کی آغوش کی مرہون منت تھی۔ اسی لئے وہ حضرت سارہ کے ساتھ ملت ابراہیمی کے پہلے مسلم ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی بیوی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرتوں میں ہمیشہ ساتھ رہے۔ سفر مصر میں بھی ہم سفر رہے۔ تورات میں ہے کہ قیام مصر کے دوران دونوں کے پاس کافی ساز و سامان تھا اور مویشیوں کے بڑے بڑے ریوڑ تھے مگر چرواہوں اور محافظوں کے درمیان کئی معاملات پر کشمکش رہنے لگی تو اس کا حل یہ ڈھونڈا گیا کہ حضرت لوط علیہ السلام مصر سے ہجرت کر کے شرق اردن کے علاقہ سدوم اور عامورہ چلے جائیں۔ اور وہاں رہ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رسالت کا پیغام حق بھی پہنچاتے رہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام خود مصر سے ہجرت کر کے فلسطین چلے جائیں۔

سدوم شرق اردن میں وہ جگہ ہے جہاں آج بحر میت یا بحر لوط واقع ہے۔ اسی مقام پر سدوم اور عامورہ کی بستیاں آباد تھیں۔ اس کے قریب رہنے والوں کا اعتقاد ہے کہ یہ تمام حصہ جو اب سمندر نظر آتا ہے کسی زمانہ میں خشک زمین تھی جس پر شہر آباد تھے۔ سدوم اور عامورہ کی بستیاں یہیں تھیں۔ پھر جب قوم لوط پر عذاب آیا اس سرزمین کا تختہ الٹ دیا گیا۔ سخت زلزلے آئے تب یہ حصہ زمین کے نیچے چلا گیا اور اس جگہ پانی ابھر آیا اسی لئے اس کا نام بحر لوط ہے۔ یہ مسئلہ حقیقت رکھتا ہے کہ اسی بحر میت کے ساحل پر وہ حادثہ رونما ہوا جو قوم لوط کے عذاب سے موسوم ہے۔ گزشتہ سالوں کی اثری تحقیق نے بحر میت کے ساحل پر قوم لوط کی بستیوں کے بعض تباہ شدہ آثار ظاہر کر کے اس علم و یقین کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا ہے جس کا اعلان چودہ سو سال قبل قرآن نے کر دیا تھا۔

حضرت لوط علیہ السلام نے جب سدوم میں آ کر قیام کیا اور باشندوں کے حالات

دیکھے کہ وہ خواہشوں اور معصیتوں میں اس قدر مبتلا تھے کہ اللہ کی پناہ۔ دنیا کی کوئی برائی ایسی نہیں ہو گی جو اس قوم میں نہ ہو۔ اور کوئی خوبی ایسی نہ تھی جو اس امت نے اپنالی ہو۔ دنیا کی سرکش، بداطوار اور بداخلاق قوم کے عیوب کے علاوہ یہ قوم ایک خبیث عمل کی موجد تھی۔ یعنی عورتوں کی بجائے نفسانی خواہش کو پورا کرنے کے لئے مرد لڑکوں سے اختلاط رکھتے۔

اہل سدوم آنے والے ہر سوداگر کا سامان لوٹ لیا کرتے اور اسے اچھوتے انداز سے لوٹتے۔ یعنی جب کوئی سوداگر سامان لے کر شہر میں داخل ہوتا تو یہ گروہ در گروہ نکلتے اور مال کو دیکھنے کے بہانے ہر شخص تھوڑی تھوڑی چیزیں اٹھاتا اور لے کر چل دیتا اور بے چارہ تاجر کچھ نہ کر سکتا۔

ایسے حالات میں حضرت لوط علیہ السلام نے قوم کو ان کی خباثتوں اور بے حیائیوں پر ملامت کی اور شرافت اور پاکیزہ زندگی کی رغبت دلائی انہیں سمجھایا اور نصیحت کی اور گزشتہ اقوام کی بداعمالیوں کے نتائج سے عبرت دلائی مگر ان پر مطلق اثر نہ ہوا بلکہ الٹا اثر ہوا اور انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو کہا:

> ''لوط کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ کہنے لگے ان (لوط اور ان کے خاندان) کو اپنے شہر سے نکال دو یہ بہت ہی پاک لوگ ہیں۔''
> (اعراف)

بے شک یہ پاک لوگ ہیں حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق یہ فقرہ اہل سدوم کا طنزیہ نعرہ تھا اور وہ ان کا مذاق اڑاتے تھے ایک مرتبہ اہل سدوم کی مجلس میں آپ نے انہیں خطاب کیا اور فرمایا کہ تم کو اتنا بھی احساس نہیں رہا کہ یہ سمجھ سکو کہ مردوں کے ساتھ بے حیائی کا تعلق، لوٹ مار اور اس قسم کی بداعمالیاں، بہت برے اعمال ہیں اور تم یہ سب کچھ بھری محفلوں اور مجلسوں میں کرتے ہو اور شرمندہ ہونے کی بجائے فخر سے ذکر کرتے ہو۔ قوم نے نصیحت کو سنا اور غصہ سے بھڑک اٹھی اور کہا: اے لوط علیہ السلام اب یہ نصیحتیں اور عبرتیں ختم کر اور اگر تو سچا ہے تو عذاب لا کر دکھا جس کا تو ذکر کر کے ہمیں ڈراتا رہتا ہے اور یہ فیصلہ ہو ہی جانا چاہئے۔

اہل سدوم کے ساتھ آپ کے یہ مذاکرات جاری تھے کہ عذاب کے فرشتے قوم لوط پر عذاب کی بشارت لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں پہنچ گئے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کے بعد ملائکہ سدوم پہنچے اور حسین و جمیل نوجوان لڑکوں کی شکل میں لوط علیہ السلام کے مہمان ہوئے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے مہمانوں کو دیکھا تو گھبرا گئے اور ڈرے کہ بدبخت قوم میرے ان مہمانوں کے ساتھ کیا سلوک کرے گی کیونکہ ابھی انہیں یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ

وہ خدا کے فرشتے ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام ابھی اسی سوچ میں تھے کہ قوم کو خبر لگ گئی اور لوگ آپ کے مکان پر چڑھ آئے اور لڑکوں کو ان کے حوالہ کرنے کا مطالبہ کیا۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ہر اخلاقی حیلے سے لڑکوں کے ساتھ زیادتی کرنے سے باز رہنے کی تلقین کی یہاں تک کہ اپنی بیٹیوں کو حلال طریقہ سے رفیقہ حیات بنانے کی پیش کش کی مگر انہیں ان کی خواہش نہ تھی۔ حضرت لوط علیہ السلام نے مجبور ہو کر انہیں کہا: کاش مجھے کسی طاقت ور کی حمایت ہو سکتی۔ حضرت لوط علیہ السلام کی پریشان حالت دیکھ کر لڑکوں نے کہا: آپ ہماری وجہ سے نہ گھبرائیں ہم تو ان صورتوں میں اللہ کے فرشتے ہیں اور خدا کے حکم سے اس بستی پر عذاب نازل کرنے آئے ہیں۔ جواب ان کے سر سے ٹلنے والا نہیں ہے۔

علماء حضرات نے اس پر بہت بحث کی ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام نے جو یہ کہا کہ کاش مجھے کسی طاقت ور (رکن شدید) کی حمایت حاصل ہوتی تو کیا بحیثیت اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کے آپ کو اس وقت کسی مادی اور غیر کی طاقت ور حمایت کا خیال آیا۔ ایک پیغمبر سے یہ بات تو منسوب بھی نہیں کی جا سکتی جو عمر بھر ایک اللہ کی عبادت اور اس کے احکام کی تبلیغ کرتا رہے۔ وہ خود اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ پر بھروسہ کرے۔ بیشتر مفسرین کرام کے مطابق اس وقت حضرت لوط علیہ السلام نے جو الفاظ رکن شدید کی حمایت کے ادا کئے ان سے مراد صرف اللہ تعالیٰ کی مدد تھی اسی لئے یہ فقرہ سننے کے بعد ملائکہ نے کہا:

"اے لوط ہم تیرے پروردگار کے ہی بھیجے ہوئے ہیں یہ تم کو ہرگز گزند نہیں پہنچا سکتے۔" (ہود)

چنانچہ وہ لوگ جو حضرت لوط علیہ السلام کے گھر دھاوا بول کر آئے تھے انہیں ضرور کوئی دہشت ناک صورت حال پیش آئی ہوگی جس سے وہ خوفزدہ ہو کر بھاگ گئے۔

آخر عذاب الٰہی کا وقت آ پہنچا ابتدائے شب ہوئی تو ملائکہ کے اشارے پر حضرت لوط علیہ السلام اپنے خاندان سمیت سدوم کی بستی سے باہر نکل گئے۔ البتہ ان کی بیوی نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور وہیں رہ گئی۔ آخر شب ہوئی تو ایک بہت ہیبت ناک چیخ نے اہل سدوم کو تہ و بالا کر دیا۔ اور پھر پوری آبادی کا تختہ اوپر اٹھا کر اس پر پتھروں کی بارش کر دی اور بعد میں پلٹ کر گرا دیا گیا۔ سب کا نام و نشان تک مٹا دیا گیا اور وہی ہوا جو گزشتہ قوموں کی سرکشی اور نافرمانی کا انجام ہو چکا تھا۔

تورات میں ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام معہ اپنے خاندان کے سدوم سے ہجرت کر

کے صنوعر کی بستی میں چلے گئے۔ جو قریب ہی تھی آفتاب طلوع ہونے کے بعد جب آپ نے سدوم کی جانب دیکھا تو وہاں ہلاکت اور بربادی کے نشانات کے سوا کچھ نہ تھا۔ پھر صنوعر کو چھوڑ کر اس کے قریب ایک پہاڑی پر جا آباد ہوئے اور وہیں انتقال فرمایا۔

حضرت لوط علیہ السلام اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے برادر زادہ تھے اور ان کے پیرو تھے مگر شرف نبوت سے بھی سرفراز تھے اور خدا کے پیامبر تھے اسی لئے سدوم اور عامورہ میں ہر قسم کے مصائب کا مقابلہ کر کے کاروان اسلام کی اس خطہ زمین پر قیادت فرمائی۔ دعوت اسلام اور احکام الٰہی کی تبلیغ فرماتے رہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام

آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے صاحبزادے ہیں۔آپ کے والد ماجد کے ہاں ابھی کوئی اولاد نہ ہوئی تھی اور عمر بھی 85 سال سے اوپر ہو چلی تھی کہ اولاد کی محرومی کے احساس نے بارگاہ رب العالمین میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول کی اور بیٹے کی بشارت دی۔ یہ دعا اس طرح قبول ہوئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری زوجہ محترمہ حضرت ہاجرہ کے بطن پاک سے خوشخبری ملی اور ایک روایت کے مطابق بیٹے کا اسماعیل علیہ السلام نام رکھنے کی تاکید ہوئی۔

چنانچہ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے' ابھی آپ شیر خوارگی میں ہی تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے ننھے بیٹے اور اس کی والدہ حضرت ہاجرہ کو لے کر چلے' جہاں کعبہ ہے وہاں آب زمزم کے موجودہ مقام پر بٹھا کر چھوڑ گئے ▪ جگہ ویران اور غیر آباد تھی اور پانی کا نام ونشان تک نہ تھا۔ حضرت ہاجرہ کے پاس پانی کا ایک مشکیزہ اور کھجوروں کی ایک تھیلی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام دونوں کو اس جگہ بٹھا کر واپس چلے تو حضرت ہاجرہ آپ کے پیچھے چلی اور کہا کہ آپ ہمیں اس ویران جگہ چھوڑ کر جا رہے ہیں' اس پر آپ خاموش رہے۔ دوبارہ اور سہ بار پوچھنے کے باوجود آپ خاموشی سے چلے جاتے رہے تا آنکہ حضرت ہاجرہ نے کہا: کیا آپ ہمیں خدا کے حکم سے یہاں چھوڑ رہے ہیں' تب آپ نے بغیر مڑ کر دیکھے فرمایا: ہاں وہ اللہ کے حکم سے ایسا کر رہے ہیں۔ یہ سن کر حضرت ہاجرہ نے کہا: تب اللہ ہمیں ضائع نہیں ہونے دے گا۔ حضرت ہاجرہ چند روز مشکیزے کا پانی اور خورجی سے کھجوریں کھاتی پیتی رہیں اور اسماعیل علیہ السلام کو دودھ پلاتی رہیں۔ مگر وقت جلد آ گیا کہ مشکیزے میں پانی بھی نہ رہا اور پیاس کی وجہ سے بیٹے کے لیے دودھ بھی نہ رہا۔ حالت دگرگوں ہونے لگی اور بچہ بے تاب ہو گیا تو آپ اسماعیل علیہ السلام کو وہیں چھوڑ کر قریب کی پہاڑی صفاء پر چڑھیں کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ نظر آ جائے یا پانی۔ جب کچھ نظر نہ آیا تو دوڑ کر نیچے وادی میں آئیں جہاں سے بچہ نظر آتا تھا اسے سلامت دیکھ کر آپ صفاء سے مخالف سمت مروہ پہاڑی پر چڑھیں اس عمل کو آپ نے سات مرتبہ دہرایا مگر ہر بار آپ کو کچھ نظر نہ آیا اور

مایوس ہوکر بچے کی طرف لوٹیں تو کان میں آواز آئی' جیسے کوئی پکار رہا ہو۔ حضرت ہاجرہ نے دوبارہ یہ آواز سنی تو کہا: اگر تم مدد کر سکتے ہو تو سامنے آؤ۔ چنانچہ جبرئیل نمودار ہوئے اور زمین پر اپنی ایڑی لگائی تو وہاں سے پانی نکل پڑا جہاں آج زمزم ہے۔ حضرت ہاجرہ چشمہ سے جو پانی ابل رہا تھا اسے چاروں طرف سے روکنے کے لیے باڑ بنانے لگیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ام اسماعیل پر رحم کرے اگر وہ زمزم کو اس طرح نہ روکتیں اور اس کے چار جانب باڑ نہ بناتیں تو آج وہ زبردست چشمہ ہوتا۔ فرشتہ نے ہاجرہ سے کہا: خوف وغم نہ کر اللہ تعالیٰ تجھ کو اور اس بچہ کو ضائع نہ کرے گا۔ یہ مقام بیت اللہ ہے جس کی تعمیر اس بچہ اور اس کے باپ ابراہیم علیہ السلام کی قسمت میں مقدر ہو چکی ہے۔

اسی دوران بنی جرہم کا ایک قبیلہ اس وادی کے قریب آ کر ٹھہرا۔ قبیلے کے لوگوں نے دیکھا کہ تھوڑے فاصلہ پر پرندے اڑ رہے ہیں۔ جرہم نے کہا کہ یہ پانی کی علامت ہے۔ یہاں کہیں پانی ضرور موجود ہے۔ قبیلہ جلد ہی وہاں پہنچ گیا اور وہاں پانی کے چشمہ پر ایک عورت اور بچہ کو پایا قبیلہ کے سردار نے حضرت ہاجرہ سے وہاں قیام کی اجازت مانگی۔ آپ نے قیام کی اجازت تو دے دی مگر کہا کہ تم پانی کی ملکیت کے حصہ دار نہیں ہو سکتے۔ جرہم نے یہ بات خوشی سے قبول کر لی اور وہیں مقیم ہو گئے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہاجرہ خود بھی باہمی انس و رفاقت کے لیے چاہتیں تھیں کہ کوئی یہاں آ کر مقیم ہو جرہم نے آدمی بھیج کر خاندان کے دیگر افراد کو بھی بلوا لیا اور یہاں مکانات بنا کر رہنے لگے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام انہیں میں رہتے۔ کھیلتے ان کی زبان سیکھتے۔ جب بڑے ہو گئے تو قبیلہ جرہم کو آپ کے اخلاق و اطوار اور خوبصورتی بہت بھائی تو حضرت ہاجرہ کی مرضی سے انہوں نے خاندان کی ایک لڑکی سے آپ کی شادی کرا دی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد حضرت ہاجرہ وفات پا گئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک دفعہ اپنے اہل وعیال کو ملنے آئے تو اسماعیل گھر پر نہ تھے تو ان کی اہلیہ سے سوال و جواب ہوئے۔ بہو نے گزران حال کی شکایت کی۔ اپنے دکھوں اور پریشانیوں کا ذکر کیا۔ آپ نے بہو کی باتیں سن کر فرمایا کہ اسماعیل علیہ السلام سے میرا سلام کہہ دینا اور یہ بھی کہنا کہ اپنے دروازہ کی چوکھٹ تبدیل کر دو۔ اسماعیل علیہ السلام جب گھر واپس آئے تو اپنے والد ابراہیم علیہ السلام کے نور نبوت کے آثار پائے۔ اہلیہ سے پوچھا: کوئی شخص یہاں آیا تھا؟ اہلیہ نے سارا حال کہہ سنایا۔ آپ نے پھر دریافت کیا: کوئی پیغام دے گئے تھے۔ اہلیہ نے کہا: ہاں جاتی دفعہ کہا کہ اسماعیل علیہ السلام کو کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ تبدیل کر دو۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا: وہ میرے باپ تھے۔ ان کا مشورہ ہے کہ

میں تجھ کو طلاق دے دوں۔ لہٰذا میں تجھ کو جدا کرتا ہوں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے دوسری شادی کر لی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک دفعہ پھر اسماعیل علیہ السلام کے گھر تشریف لائے۔ اس دن بھی آپ گھر پر نہ تھے آپ نے بیٹے کی بیوی سے ان کے حالات کے سلسلے میں پوچھ گچھ کی تو بہو نے کہا کہ خدا کا شکر ہے۔ اس کی مہربانی سے ٹھیک گزر رہی ہے اور اللہ کے فضل سے کوئی تکلیف نہیں۔ بہو کے جوابات سن کر آپ نے دعا مانگی:

''اللہ تعالیٰ ان کے گوشت اور پانی میں برکت فرمائے''

آپ جانے لگے تو اسے کہا کہ شوہر آئے تو کہنا کہ دروازہ کی چوکھٹ کو محفوظ رکھنا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام واپس آئے بیوی نے تمام ماجرا سنایا' آپ نے فرمایا: وہ میرے والد تھے' کیا کوئی پیغام دے گئے؟ بیوی نے پیغام بھی سنا دیا پھر فرمایا کہ تو میری زندگی بھر کی رفیقہ حیات ہے۔

یہ طویل روایت بخاری کتاب الرویاء اور کتاب الانبیاء میں دو جگہ منقول ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام شیر خوارگی کے زمانے میں سرزمین مکہ میں آئے اور اس سے آپ کے زمانہ بچپن سے جوانی تک شادیوں اور حضرت ہاجرہ کے انتقال تک کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔

مندرجہ بالا واقعات میں قرآن مجید نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا ذکر اس انداز سے سورہ الصافات میں بیان فرمایا ہے:

''اے پروردگار مجھے ایک نیکوکار لڑکا عطا کر۔ پس بشارت دی ہم نے ان کو بردبار لڑکے کی۔ پھر جب وہ ایسے سن کو پہنچا کہ باپ کے ساتھ دوڑنے لگے۔ ابراہیم نے کہا اے میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں پس تو دیکھ کیا سمجھتا ہے؟ کہا اے میرے باپ جس بات کا تجھے حکم دیا گیا ہے وہ کر۔ اگر اللہ نے چاہا تو مجھ کو صبر کرنے والوں میں سے پائے گا۔ پس جب ان دونوں نے رضا اور تسلیم کو اختیار کر لیا اور پیشانی کے بل اسے (بیٹے کو) لٹا لیا۔ ہم نے اس کو پکارا اے ابراہیم علیہ السلام تو نے خواب سچا کر دکھایا۔ بے شک ہم اسی طرح نیکوکاروں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بلاشبہ ہر کھلی ہوئی آزمائش ہے اور بدل دیا ہم نے اس کو بڑے مینڈھے کے ساتھ اور ہم نے آنے والی نسلوں میں اس کے متعلق باقی چھوڑا۔''

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے والد اگرچہ فلسطین میں مقیم تھے تاہم آپ اہل و عیال کو ملنے آتے رہے۔ اسی دوران آپ کو حکم ملا کہ کعبۃ اللہ تعمیر کرو۔ آپ نے بیٹے اسماعیل علیہ السلام

سے ذکر کیا۔ پس دونوں یعنی ابراہیم علیہ السلام اور بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق بیت اللہ تعمیر کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اس گھر کو ملت ابراہیمی کا قبلہ اور توحید کا مرکز قرار دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر اس بستی میں آباد ہونے والوں کے حق میں دعا کی اور انہی میں سے ایک رسول کے مبعوث ہونے کی بھی دعا فرمائی۔ اللہ کے حکم سے آپ نے حج کا اعلان بھی کر دیا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کو کب نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا گیا اور آپ کو نبوت رسالت کے فرائض ادا کرنے میں کیسے حالات کا سامنا کرنا پڑا' ان امور کا کہیں ذکر نہیں' تاہم قیاس یہی ہے کہ جس قبیلہ جرہم میں آپ نے پرورش پائی اور بڑے ہوئے وہی لوگ آپ کی دعوت اسلام کا مرکز بنے ہوں گے۔ قرآن حکیم میں آپ کی نبوت و رسالت کا اس طرح ذکر فرمایا گیا۔

اور یاد کر کتاب میں اسماعیل کا ذکر تھا وہ وعدہ کا سچا' اور تھا رسول و نبی اور حکم کرتا تھا اپنے اہل کو نماز کا اور زکوٰۃ کا اور تھا وہ اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ (مریم)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کا ذکر قرآن مجید میں اور احادیث نبوی میں تفصیل کے ساتھ آیا۔ البتہ تورات میں کسی قدر تفصیل ملتی ہے۔ جس کے مطابق آپ کے بارہ لڑکے تھے جو سب سردار کہلائے اور عرب کے مستقل قبائل کے جدِ قبیلہ بنے۔ آپ کی ایک بیٹی تھی جس کا نام بشامہ یا علاۃ بتایا گیا ہے آپ کے بیٹوں کے نام یہ تھے نابت یا نبایوت' قیدار' ادبائیل' ہشام' شماع' رومہ' مشاء' عدار' تیما' یطور' نافیش اور قیدما۔

یوں تو یہ سب اپنے اپنے قبیلے کے سردار تھے مگر ان میں دو بڑے بیٹے نابت یا نبایوت اور قیدار بہت مشہور ہوئے ہیں۔ کیونکہ تورات میں ان کا ذکر کثرت سے پایا جاتا ہے اور مورخین عرب بھی ان کے ہی حالات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ قرآن مجید نے اصحاب اطہر کا ذکر کیا ہے وہ قوم اسی نابت بن حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہے اور قیدار کی نسل اصحاب الرس کے نام سے مشہور ہوئی۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر جب 136 سال کو پہنچی تو آپ کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت آپ کی نسل و اولاد کا سلسلہ حجاز' شام' عراق' فلسطین اور مصر تک پھیل چکا تھا۔ عرب مورخین کے مطابق آپ کی اور حضرت ہاجرہ کی قبریں بیت اللہ کے قریب حرم شریف کے اندر ہیں۔

حضرت اِسحاق علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر 100 سال کی تھی کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے بشارت دی کہ سارہ کے بطن سے تیرے ایک بیٹا ہوگا اس کا نام اسحاق رکھنا۔

اس بشارت کا قرآن مجید نے یوں ذکر فرمایا ہے:

"اور بے شک ہمارے فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس بشارت لے کر آئے۔ انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو سلام کیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے بھی سلام کہا۔ تھوڑی ہی دیر بعد ابراہیم علیہ السلام بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت لائے۔ جب اس نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس طرف نہیں بڑھتے تو ان کو اجنبی محسوس کیا اور ان سے خوف زدہ ہوئے۔ وہ کہنے لگے خوف نہ کرو۔ ہم لوط کی قوم پر عذاب کے لیے بھیجے گئے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کی بیوی (سارہ) کھڑی ہنس رہی تھی۔ پس ہم نے اس کو اسحاق علیہ السلام کی اور اس کے بعد (اسکے بیٹے) یعقوب علیہ السلام کی بشارت دی۔"

سارہ کہنے لگی کیا میں بڑھیا جنوں گی جبکہ یہ میرا شوہر بھی بوڑھا ہے۔ واقعی یہ تو بہت عجیب بات ہے۔ فرشتوں نے کہا: کیا تو خدا کے حکم پر تعجب کرتی ہے۔ اے اہل بیت تم پر خدا کی رحمت اور برکت ہو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر طرح قابل حمد ہے اور بہت بزرگ (ہود)

تورات میں ایک طویل قصہ مذکور ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ایک بھائی سے کہا کہ وہ طے کر چکے ہیں کہ وہ اسحاق علیہ السلام کی شادی کنعانی خاندان میں نہیں کریں گے۔ بلکہ اپنے آباؤ اجداد کی نسل میں اس کا بیاہ کریں گے۔ اس لیے تو ساز و سامان لے کر جا اور فدان آرام میں میرے بھتیجے بتوئیل بن ناحور کو پیغام دے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح اسحق علیہ السلام سے کردے۔ اگر راضی ہو جائے تو اسے یہ بھی کہنا کہ میں اسحاق علیہ السلام کو اپنے سے جدا نہیں کرنا چاہتا۔ لہٰذا لڑکی کو تیرے ساتھ رخصت کردے۔ بھائی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ پیغام لے کر فوراً آرام روانہ ہوگیا۔ جب آبادی کے قریب پہنچا تو اپنے اونٹ کو وہاں بٹھا دیا تا کہ

ادھر ادھر سے حالات معلوم کرے۔ الیعر ز نے جہاں اونٹ بٹھایا تھا اتفاق سے اس کے قریب آپ کے بھائی بتوکیل کا خاندان آباد تھا۔ الیعر ز ابھی کسی کام میں مشغول تھا کہ سامنے سے ایک حسین لڑکی نظر آئی جو پانی کا گھڑا بھر کر اپنے مکان کو جا رہی تھی۔ الیعر ز نے اس سے پانی مانگا۔ لڑکی نے اسے بھی پانی پلایا اس کے اونٹ کو بھی۔ پھر الیعر ز نے بتوکیل کا پتہ دریافت کیا۔ لڑکی نے جواب دیا کہ وہ میرے باپ ہیں الیعر ز لڑکی کے ساتھ اس کے گھر پہنچا۔ لڑکی نے گھر پہنچ کر اپنے بھائی لابان کو خبر کر دی۔ لابان نے الیعر ز کی بڑی خاطر مدارت کی پھر آمد کی وجہ دریافت کی۔ الیعر ز نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیغام سنایا۔ لابان نے پیغام سن کر مسرت کا اظہار کیا اور بہت سا ساز و سامان دے کر اپنی بہن رفقہ کو الیعر ز کے ساتھ رخصت کر دیا۔

حضرت اسحاق علیہ السلام کے ہاں رفقہ کے بطن سے دو بیٹے عیسو اور یعقوب پیدا ہوئے۔ باپ بڑے بیٹے عیسو کا لحاظ رکھتے کیونکہ فلسطینیوں کے رواج کے مطابق بڑا بیٹا ہی میراث کا مالک ہوتا تھا۔ دونوں بھائیوں میں تعلقات قابل رشک نہ تھے والدہ حضرت یعقوب علیہ السلام سے زیادہ مانوس رہتی۔ والدہ کے کہنے پر یعقوب علیہ السلام اپنے ماموں لابان کے پاس چلے گئے اور ماموں کے پاس رہنے لگے۔ وہاں رہائش رکھے کچھ مدت گزری تو لابان نے یکے بعد دیگرے اپنی دونوں لڑکیوں نسیٔہ اور راحیل سے یعقوب کی شادی کر دی۔

علمائے دین اور مفسرین کرام کا یہ اصول ہے کہ بنی اسرائیل کی ایسی روایات جو قرآن کی نص کے خلاف ہوں احادیث مبارکہ کے مطابق نہ ہوں اور پھر جس میں انبیاء کی عظمت و شان مجروح ہو وہ بیان نہیں کرتے۔ اسی لیے اس طویل روایت میں مندرجہ بالا اصول کے مطابق ایسے افکار کا ذکر نہیں کیا۔

حضرت اسحٰق علیہ السلام اس وقت بہت بوڑھے ہو چکے تھے اور ضعیف العمر بھی۔ آپ کا کب اور کہاں وصال ہوا اس کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ البتہ آپ کے بڑے صاحبزادے عیسو کے متعلق پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے چچا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس چلے گئے اور وہاں ان کی صاحبزادی بشامہ سے شادی کر لی عیسو نے اور بہت شادیاں کیں پھر اپنے خاندان کو لے کر وہاں سے کوچ کیا اور سعیر یا ساعیر کو اپنا وطن بنایا۔ یہاں ادوم کے نام سے مشہور ہوئے اور آپ کی نسل بھی ابن ادوم کے نام سے مشہور ہوئی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام

حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی والدہ کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے اپنے ماموں لابان کے پاس چلے گئے اور وہاں رہنے لگے۔ کچھ عرصہ بعد لابان نے اپنی دونوں بیٹیوں راحیلہ اور لیہ سے یکے بعد دیگرے نکاح کر دیا۔ (اس دور میں دو بہنوں سے بیک وقت نکاح جائز تھا) بنیامین کے علاوہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی تمام اولاد ماموں کے گھر میں ہی پیدا ہوئی آپ بیس سال ماموں کے گھر رہے پھر آپ اپنے وطن فلسطین میں آ کر آباد ہو گئے۔ بنیامین کی یہاں ہی پیدائش ہوئی۔

یہ واقعات تورات کی داستان ہیں۔ قرآن مجید ایسی تفصیلات کے متعلق قطعاً خاموش ہے اور صرف حضرت یعقوب علیہ السلام کے جلیل القدر نبی' صاحب صبر و عزیمت اور یوسف علیہ السلام کے برگزیدہ باپ ہونے کا ذکر کرتا ہے۔ اس ضمن میں یوسف علیہ السلام کے دوسرے بھائیوں کا تذکرہ بھی ہے۔

حضرت یعقوب کا نام عبرانی میں اسرائیل ہے اور عربی میں ترجمہ عبداللہ ہے حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے یعقوب علیہ السلام کا خاندان جو آپ کی نسل سے ہے اسی لئے بنی اسرائیل کہلاتا ہے اور آج بھی یہود و نصاریٰ کے قدیم خاندان اسی نسبت کے ساتھ منسوب ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے ہاں حضرت یوسف علیہ السلام سمیت چند بیویوں سے بارہ بیٹے تھے۔ آپ فلسطین ارض کنعان میں ہی رہے۔ خدا کے یہ برگزیدہ پیغمبر کنعانیوں کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے اور کئی برس کاروان اسلام کی خدمت حق کو انجام دیا' اور گمراہ انسانوں کو صراط مستقیم پر لانے کے لئے تبلیغ کرتے رہے۔ چونکہ آپ کا بیشتر ذکر حضرت یوسف علیہ السلام سے منسلک ہو کر قرآن مجید میں آیا ہے۔ اس لئے بقیہ ذکر حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعات کے ساتھ بیان ہوگا۔

حضرت یوسف علیہ السلام

حضرت یعقوب علیہ السلام' حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے ہیں۔ آپ کا نام عبرانی میں اسرائیل ہے اور عربی میں اس کا ترجمہ عبداللہ کیا جاتا ہے حضرت اسحاق علیہ السلام کا خاندان جوان کی نسل سے ہے بنی اسرائیل کہلاتا ہے۔ آج بھی یہود ونصاریٰ کے قدیم خاندان اسی نسبت سے منسوب ہیں۔ آپ کنعانیوں کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے۔ آپ کے ہاں بارہ بیٹے پیدا ہوئے' حضرت یوسف عمر میں سب سے چھوٹے تھے۔ آپ کے 10 بیٹے ایک بیوی سے تھے جبکہ بنیامین اور یوسف دوسری بیوی سے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ سورہ یوسف میں تسلسل اور ترتیب کے ساتھ بیان ہوا ہے اور صرف اسی سورۃ میں آیا ہے۔ پورے قرآن میں دوبارہ اس کا کہیں ذکر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسی قصہ کو احسن القصص کہا ہے۔ مفسرین نے اس قصے کو ترتیب سے بیان کرنے کی ایک حکمت یہ بیان کی ہے کہ تاریخ نگاری بھی ایک فن ہے اور اس فن سے شغف رکھنے والوں کے لئے کچھ ہدایات ہیں کہ بیان میں نہ اتنا اختصار ہونا چاہئے کہ بات پوری نہ سمجھی جاسکے اور نہ اتنا طول کہ پڑھنا اور یاد رکھنا محال ہو جائے۔ اسی لئے اس قصہ میں فن تاریخ نگاری کے دونوں پہلو ملحوظ رکھے گئے ہیں۔ قرآن نے جس قدر واقعات بیان کئے ہیں اس کا قاری سے مطالبہ ہے کہ پڑھنے کے ساتھ ان پر غور وفکر بھی کرے۔

بعض روایات میں دوسری وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ یہود کے کہنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آزمائش کے لئے سوال کیا گیا تھا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو بتائیں کہ آل یعقوب ملک شام سے مصر کیوں کر منتقل ہوئی۔ اور یوسف علیہ السلام کا واقعہ کیا ہے۔ ان کے جواب میں بذریعہ وحی یہ پورا واقعہ نازل کیا گیا جو رسول کریم ﷺ کا معجزہ اور آپ کی نبوت کا بڑا شاہد تھا۔ قرآن کریم جو تمام اقوام عالم کے لئے آخری ہدایت نامہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں دنیا کی تمام قوموں کی تاریخ کا وہ حصہ منتخب کیا گیا ہے کہ اس کے پڑھنے والا یہ محسوس نہیں کرسکتا کہ یہ تاریخ کی کتاب ہے بلکہ اس کا ہر بیان عبرت وموعظت کے لئے ضروری سمجھا گیا ہے۔ کیونکہ دانشمند انسان کا مقصد

ہر خبر اور واقعہ کو سننے اور پڑھنے سے اپنے حال و عمل کی اصلاح ہونی چاہئے۔ اس لئے اس واقعہ میں جس قدر عبرتیں، حکمتیں اور مواعظ و نصیحتیں ہیں دوسرے کسی واقعہ میں یکجا نہیں۔ درحقیقت یہ واقعہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے عجیب دلکش اور زمانہ کے عروج وزوال کی زندہ یادگار ہے جو ایک فرد کے ذریعہ قوموں کے بننے بگڑنے، گرنے اور ابھرنے کی ایسی منہ بولتی تصویر ہے جو کسی تشریح و توضیح کی محتاج نہیں رہتی۔ یہ بدوی اور خانہ بدوش قبیلہ کے ایک ایسے یگانہ فرد اور انمول موتی کی ایسی حیران کن تاریخ ہے جس کو خدائے تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے اعجاز نے اس دور کی بڑی متمدن قوم کی رہنمائی اور ان پر حاکمانہ اقتدار کے لئے چن لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی تمہید کے اس واقعہ کی ابتداء ان آیات سے شروع کی۔

> ''جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا۔ اے باپ میں نے خواب میں گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو دیکھا ہے اور دیکھتا کیا ہوں کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ (باپ) نے کہا اے میرے بیٹے تو اپنے اس خواب کو اپنے بھائیوں کو نہ سنانا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تیرے ساتھ کوئی چال چل جائیں۔ بلاشبہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ اور اس طرح تیرا پروردگار تجھ کو برگزیدہ کرے گا اور سکھائے گا تاویل احادیث اور اپنی نعمت تجھ پر اور آل یعقوب پر تمام کرے گا جس طرح اس نعمت (نبوت) کو پورا کیا تیرے اجداد پر پہلے سے یعنی ابراہیم و اسحاق علیہ السلام پر بے شک تیرا پروردگار جاننے والا حکمت کا ہے۔''

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی تمام اولاد میں حضرت یوسف علیہ السلام سے بے حد محبت رکھتے تھے۔ آپ کی یوسف علیہ السلام کے ساتھ والہانہ محبت برادران یوسف کے لئے باعث حسد اور ناقابل برداشت تھی۔ اور وہ اسی فکر میں رہتے کہ وہ اپنے باپ کے دل سے یوسف علیہ السلام کی محبت کسی طرح نکال دیں۔ یا پھر یوسف علیہ السلام کو ہی اپنے راستہ سے ہٹا دیں تاکہ فیصلہ ہو جائے۔ بھائیوں کے حاسدانہ تخیل کو مزید یہ تازیانہ لگا کہ یوسف علیہ السلام نے خواب میں گیارہ ستاروں اور شمس و قمر کو اپنے سامنے سجدہ ریز دیکھا ہے۔ ان کے دلوں میں حسد کی آگ اور بھڑک اٹھی جب کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے یوسف علیہ السلام کی بارگاہ ایزدی میں سربلندی پر بے حد مسرور ہوئے کہ ان کو نبوت و علوم الٰہیہ کی بشارت دی گئی ہے۔

برادران یوسف نے اپنے فیصلہ پر عمل درآمد کے لئے باہم صلاح مشورہ کیا۔ بعض نے

رائے دی کہ یوسف کو قتل کر دو۔ کچھ نے مشورہ دیا کہ قتل نہ کرو بلکہ کسی غیر آباد کنویں میں ڈال دو اور رہا گناہ جو کنویں میں ڈالنے سے ہوگا۔ سو بعد میں توبہ کر کے نیک ہو جائیں گے۔ انہی میں سے ایک بھائی نے ساری گفتگو سن کر کہا کہ یوسف علیہ السلام کو قتل نہ کرو اگر کچھ کرنا ہی ہے تو کسی کنویں کی گہرائی میں ایسی جگہ ڈال دو جہاں یہ زندہ رہے اور کوئی مسافر قافلہ اس کنویں پر آئے تو وہ اسے نکال کر اپنے ساتھ لے جائے۔ اس تجویز پر متفق ہو کر والد سے درخواست کی کہ یوسف علیہ السلام کو کل ہمارے ساتھ سیر و تفریح کے لئے بھیج دیجئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کو ان کے ساتھ روانہ کرنا انہیں دو وجہ سے پسند نہیں۔ ایک تو اس نور نظر کے بغیر چین نہیں آتا اور دوسرے انہیں خطرہ ہے کہ جنگل میں کہیں تم اس سے غافل ہو جاؤ اور یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا کھا جائے۔ برادران یوسف نے والد کی یہ گفتگو سن کر انہیں تسلی دی کہ ہم دس بھائیوں کی جماعت یوسف علیہ السلام کی حفاظت کے لئے کافی ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی پیغمبرانہ شان کے پیش نظر اس بات کو نہ کھولا کہ مجھے خطرہ تو صرف تم سے ہے اور ان کی دل شکنی بھی ملحوظ خاطر نہ تھی۔ یوسف علیہ السلام کو ان کے ساتھ نہ بھیجنے سے بھائیوں کی نفرت اور دشمنی میں اضافہ کا خطرہ بھی تھا۔ اس لئے یوسف علیہ السلام کو ان کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی۔

قرطبی نے تاریخی روایات کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ یوسف علیہ السلام کو ساتھ لے کر بھائی کچھ دور نکل گئے اور یعقوب علیہ السلام کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ تو جس بھائی کے کندھے پر یوسف علیہ السلام سوار تھے اس نے یوسف علیہ السلام کو زمین پر پٹک دیا تو اس نے باری باری تمام بھائیوں سے مدد طلب کی۔ مگر سب نے جواب دیا کہ تو نے جو گیارہ ستاروں' چاند اور سورج کو اپنے لئے سجدہ کرتے دیکھا ہے۔ اب ان کو ہی پکارو کہ وہی تمہاری مدد کریں۔ سب سے بڑے بھائی یہودا کو آپ پر رحم آیا اور اس نے دوسرے بھائیوں کو قتل کے ارادہ سے سختی سے روک دیا۔ مگر سب نے یہودا کو بھی یوسف علیہ السلام کے ساتھ قتل کر دینے کی دھمکی دے دی۔ تو یہودا نے کہا کہ اچھا اگر تم یہ ہی طے کر چکے ہو کہ اس بچے کو ضائع کر دیں۔ تو سنو یہاں قریب ہی ایک پرانا کنواں ہے جس میں سانپ' بچھو اور طرح طرح کے موذی جانور رہتے ہیں۔ تم یوسف علیہ السلام کو اس کنویں میں ڈال دو۔ تمہاری مرضی بھی پوری ہو جائے گی اور اپنے ہاتھ سے قتل کرنے سے بھی بچے رہو گے۔ اور اگر یہ کنویں میں زندہ رہا تو کوئی قافلہ شاید یہاں آئے اور پانی کے لئے کنویں میں ڈول ڈالے اور یہ نکل آئے تو قافلہ یوسف علیہ السلام کو کسی دوسرے ملک لے جائے گا۔ امام قرطبی و دیگر مفسرین نے یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالنے کا واقعہ اس طرح بیان

کیا ہے کہ کنویں میں ڈالنے کے وقت بھی یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے رحم کی التجائیں کیں جو بے سود ثابت ہوئیں پھر انہوں نے یوسف علیہ السلام کے ہاتھ باندھ کر ایک ڈول کے ذریعہ کنویں میں لٹکایا اور جب نصف گہرائی تک پہنچے تو رسی کاٹ دی۔ مگر عین اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بحکم الٰہی ان کو حفاظت سے کنویں کی تہ میں سے نکلی ایک پتھریلی چٹان پر بٹھا دیا۔

اس کام سے فارغ ہو کر برادران یوسف عشاء کے وقت روتے ہوئے والد کے پاس پہنچے اور کہا کہ ہم سب بھائی آپس میں دوڑ لگا رہے تھے اور یوسف علیہ السلام کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا۔ اس دوران یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا کھا گیا اور یہ کہ ہم کتنے ہی سچے کیوں نہ ہوں آپ ہم پر یقین نہیں کریں گے۔ اور یوسف علیہ السلام کا خون آلود کرتا بھی والد کو دکھایا تو انہوں نے کرتا دیکھ کر کہا: اے میرے بیٹو یہ بھیڑیا کتنا دانا ہے۔ اس نے یوسف علیہ السلام کو اس طرح کھایا ہے کہ کرتا کہیں سے نہیں پھٹا۔ آپ پر بیٹوں کی جعل سازی کا راز فاش ہو گیا اور مزید کہا کہ یوسف علیہ السلام کو بھیڑیے نے نہیں کھایا۔ بلکہ تمہارے نفوس نے ایک بات بنائی ہے۔ اب میرے لئے یہی بہتر ہے کہ صبر سے کام لوں اور اللہ سے مدد مانگوں۔

یہاں ضمناً ماوردیؒ کا بیان دلچسپی کے قابل ہو گا وہ فرماتے ہیں: پیراہن یوسف بھی عجائب روزگار سے ہے۔ تین عظیم الشان وقائع اسی پیراہن یعنی کرتے سے وابستہ ہیں پہلا واقعہ خون آلود کر کے والد کو دھوکہ دینے اور کرتے کی شہادت سے برادران یوسف کے جھوٹ ثابت ہونے کا ہے' دوسرا واقعہ زلیخا کا کہ اس میں بھی یوسف علیہ السلام کا کرتہ ہی شہادت میں پیش ہوا۔ تیسرا واقعہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی واپس آنے کا کہ اس میں بھی ان کا کرتہ ہی اعجاز کا مظہر ثابت ہوا۔

یوسف علیہ السلام تین روز کنویں میں رہے۔ یہودا دوسرے بھائیوں سے الگ چھپ کر یوسف علیہ السلام کو کھانا پہنچاتے رہے۔ ایک روز ایک قافلہ س سرزمین پر آ نکلا۔ قرطبی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ قافلہ شام سے مصر جا رہا تھا۔ جو راستہ بھول کر اس جنگل میں پہنچ گیا اور پانی لانے والوں کو کنویں پر بھیجا۔ جو آدمی اس کنویں پر آیا اس کا نام مالک بن دمبر بتایا گیا ہے۔ اس نے پانی کے لئے ڈول کنویں میں ڈالا تو یوسف علیہ السلام نے اسے امداد غیبی جانا اور ڈول کی رسی پکڑ لی۔ پانی نکالنے والے نے دیکھا کہ پانی کی بجائے ایک حسین و جمیل بچہ برآمد ہوا' جسے دیکھ کر وہ زور سے پکارا "یبشری ھذا غلوم۔"

صحیح مسلم میں شب معراج کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

میں یوسف علیہ السلام سے ملا تو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے پورے عالم کے حسن و جمال میں سے آدھا ان کو عطا فرمایا ہے اور باقی آدھا سارے جہان میں تقسیم ہوا ہے۔ یوسف علیہ السلام کو کنویں سے نکال کر قافلہ میں پہنچا دیا گیا۔ ادھر برادران یوسف نے جب کنویں میں یوسف علیہ السلام کو نہ پایا تو تلاش کرتے ہوئے قافلہ والوں سے برآمد کر لیا اور اسے اپنا بھاگا ہوا غلام بتایا۔ قافلہ والوں نے یوسف علیہ السلام کی واپسی پر رضامندی ظاہر نہ کی تو بھائیوں نے معمولی قیمت پر یوسف کو ان کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ قافلہ والے مصر روانہ ہو گئے اس جگہ قرآن کریم نے اشارہ فرمایا ہے:

"یعنی اللہ کو ان کی سب کارگزاریاں معلوم تھیں۔"

لوگوں کو یہ اتفاقی واقعہ نظر آئے گا کہ شامی قافلہ کا راستہ بھول کر یہاں پہنچنا' اسے اس غیر آباد کنواں سے سابقہ پڑنا' پانی حاصل ہونے کی بجائے یوسف علیہ السلام جیسا خوبصورت بچہ مل جانا اور پھر اس کے بھائیوں کا ان کے ہاتھ فروخت کر دینا۔ لیکن یہ سب واقعات ایک مربوط اور مستحکم نظام کی ملی ہوئی کڑیاں ہیں۔ جن کو راز کائنات کا جاننے والا خوب جانتا ہے۔ یوسف علیہ السلام کی حفاظت کرنے والا ہی قافلہ کو راستہ سے ہٹا کر یہاں لاتا ہے۔ اور اس کے آدمی کو اس غیر آباد کنویں پر بھیجتا ہے۔ اور وہ یوسف علیہ السلام کو نکال لیتا ہے۔ ان تمام حالات و واقعات کا جن کو عام انسان اتفاقی حوادث خیال کرتے ہیں' اور فلاسفہ والے ان کو ایک خودکار عمل کہا کرتے ہیں۔ دراصل یہ خیال نظام کائنات سے ناواقفیت کی بنا پر مبنی ہے کیونکہ سلسلہ تکوین میں ایسا نہیں۔ اللہ تعالیٰ مخفی حکمتوں سے ایسے حالات پیدا فرما دیتے ہیں کہ ظاہری طور پر جب ان کا جوڑ سمجھ میں نہیں آتا تو انسان انہیں اتفاقی حوادث قرار دے دیتا ہے۔

قافلہ والے یوسف علیہ السلام کو ساتھ لے کر مصر پہنچ گئے اور اپنے مال تجارت کے ساتھ انہیں بھی برائے فروخت بازار میں سجا لیا۔ آپ کے حسن و جمال اور خوبصورتی نے بہت جلد شہرہ پکڑا اور بات عزیز مصر تک پہنچ گئی۔ اللہ تعالیٰ کی مستحکم تدبیر نے مصر میں یوسف علیہ السلام کی خریداری کے لئے اس ملک کے بڑے عزت والے شخص کو مقرر فرمایا۔ ابن کثیر نے بیان فرمایا ہے کہ یوسف علیہ السلام کا خریدار ملک مصر کا وزیر خزانہ تھا جس کا نام قطفیر بتایا گیا ہے۔ اور بادشاہ مصر قوم عمالقہ کا ریان بن اسید تھا۔ عزیز مصر نے اپنی بیگم جس کا نام راحیل یا زلیخا مذکور ہے کو ہدایت کی کہ یوسف علیہ السلام کو اچھا ٹھکانا دے اور عام غلاموں کی طرح نہ رکھے اور ان کی ضروریات کا اچھا انتظام کرے۔ یوسف علیہ السلام کی وجاہت سے متاثر ہو کر عزیز مصر نے بیگم کو مزید کہا کہ کیا عجب یہ لڑکا بڑا ہو کر ہمارے کام آوے یا ہم اس کو اپنا بیٹا ہی بنا لیں (مشہور یہ ہے کہ عزیز مصر کی

اولاد نہ تھی)۔

حضرت عبداللہ مسعود نے فرمایا ہے کہ دنیا میں تین آدمی بڑے عقلمند قیافہ شناس ثابت ہوئے ہیں۔اول عزیز مصر جس نے یوسف علیہ السلام کے کمالات کو اپنے قیافہ سے معلوم کر کے یہ ہدایات دیں تھیں۔دوسرے حضرت شعیب علیہ السلام کی وہ صاحبزادی جس نے موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اپنے والد سے کہا تھا: ''ابا جان ان کو ملازم رکھ لیجئے اس لئے کہ بہترین ملازم وہ شخص ہے جو قوی بھی ہو اور امانت دار بھی'' اور تیسرے حضرت صدیق اکبرؓ ہیں۔جنہوں نے اپنے بعد فاروق اعظمؓ کو خلافت کے لئے منتخب فرمایا (ابن کثیر)۔

اس طرح یوسف علیہ السلام کنویں کی تاریکیوں سے بچ کر عزیز مصر کے شاہی محلات میں پرورش پانے لگے یہاں تک کہ جوانی کی حد کو پہنچ گئے۔اللہ تعالیٰ نے ان کو حکمت اور علم عطا فرمایا۔یوسف علیہ السلام ابھی عزیز مصر کے گھر میں رہتے تھے کہ اس دوران عزیز مصر کی بیوی ان پر فدا ہو گئی اور مطلب براری کے لئے ان کو پھسلانے لگی۔گھر کے دروازے بند کر دیئے اور کہا کہ اب جلدی آ جاؤ۔ظاہری اسباب کے لحاظ سے یوسف علیہ السلام نے اپنے آپ کو سب طرف سے گھرا ہوا پایا تو پیغمبرانہ انداز سے سب سے پہلے اللہ سے پناہ مانگی' اور زلیخا کو نصیحت کرنا شروع کر دی کہ وہ بھی خدا سے ڈرے اور وہ گناہ سے باز آ جائے۔زلیخا نے یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف راغب کرنے اور مبتلا کرنے کے سارے اسباب مہیا کر رکھے تھے۔مگر اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے دل میں فطری وسوسے کو بھی فوراً نکال دیا اور آپ کو ثابت قدم رکھا۔اور گناہ سے محفوظ رکھا اور آپ کے سامنے کوئی ایسی چیز کر دی جس سے یوسف علیہ السلام قطعی طور پر مضبوط ہو کر وہاں سے بھاگ کر دروازہ کی طرف گئے۔عزیز کی بیوی آپ کو پکڑنے کے لئے دوڑی تو پیچھے سے آپ کا کرتا اس کے ہاتھ آ گیا اور روکنے کی کوشش میں وہ پھٹ گیا۔تاہم آپ دروازے سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔زلیخا بھی باہر آ گئی عین اس وقت دونوں کا عزیز مصر سے ٹکراؤ ہو گیا۔زلیخا خاوند کو دیکھ کر سہم گئی اور فوراً حضرت یوسف علیہ السلام پر الزام لگا دیا کہ یوسف علیہ السلام نے اس کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا تھا اس لئے وہ سزا کا مستوجب ہے۔حضرت یوسف علیہ السلام نے صفائی پیش کی کہ وہ خود برائی کے لئے مجھے یہاں لائی مگر میں ہی بچ کر بھاگا۔عزیز مصر کا پریشان ہونا قدرتی امر تھا۔اس کے خاندان کے ایک بزرگ نے مشورہ دیا کہ یوسف علیہ السلام کے کرتے کا معائنہ کیا جائے اگر آگے سے پھٹا ہے تو یوسف قصوروار ہے اور اگر پیچھے سے پھٹا ہے تو زلیخا قصوروار ہو گی۔کرتے کی شہادت پر زلیخا قصوروار ٹھہری تو عزیز مصر نے زلیخا کو کہا کہ تم

عورتوں کے یہ مکر ہیں یعنی خطا سراسر تمہاری ہے۔ اور یوسف علیہ السلام کو کہا کہ تم اس واقعہ کو نظر انداز کر دو اور کسی سے ذکر نہ کرنا۔ یہ قدرت حق کے کرشمے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے راستے پر قائم رہنے والوں کی قدم قدم پر کس طرح حفاظت اور مدد کی جاتی ہے۔ یہ واقعہ اتنا عظیم ہے کہ زلیخا خود بھی اسے بھلا نہ سکی اور محلاتی افسران کی بیگمات میں زلیخا کی اس حرکت کا چرچا ہونے لگا۔ زلیخا نے ان عورتوں کی چہ میگوئیاں سنیں تو ان کو کھانے کی دعوت پر بلایا۔ مسند تکیوں سے آراستہ کی' مختلف قسم کے کھانے اور پھل حاضر کیے۔ بعض پھل چاقو سے تراشنے والے تھے۔ ہر ایک کو ہاتھ میں تیز چاقو پکڑا دیا۔ سب سامان دعوت درست کرنے کے بعد یوسف علیہ السلام کو زلیخا نے کہا کہ باہر آ جاؤ۔ زلیخا نے اپنی غرض وغایت یوسف علیہ السلام سے پوشیدہ رکھی تھی اس لئے وہ باہر آ گئے ان عورتوں نے جب یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو جمال یوسف کی تاب نہ لا سکیں۔ حیران رہ گئیں اور اپنے ہاتھ کاٹ لئے۔ یعنی پھل تراشنے کی بجائے چاقو ہاتھوں پر چل گئے۔ اور بیک وقت بول اٹھیں کہ خدا کی پناہ یہ شخص آدمی ہرگز نہیں یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔ زلیخا بولی: دیکھ لو یہی وہ شخص ہے جس کے بارے میں تم گھر بیٹھے مجھے برا بھلا کہتی رہیں واقعی میں نے اس سے اپنا مطلب حاصل کرنے کی تدبیر کی تھی مگر یہ پاک صاف رہا۔ زلیخا نے اس بار یوسف علیہ السلام کو دھمکی دی کہ اگر اس نے آئندہ میرا کہنا نہ مانا تو جیل خانہ بھیج دیا جائے گا۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ عورتیں بھی زلیخا کی موافقت اور تائید کر رہی ہیں اور ان کے مکر سے بچنے کی بظاہر کوئی تدبیر نہیں رہی تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع فرمایا اور دعا کی۔

"اے میرے پالنے والے یہ عورتیں مجھے جس کام کی طرف دعوت دیتی ہیں اس سے تو مجھے جیل خانہ زیادہ پسند ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور یہ انتظام کیا کہ گو عزیز مصر اور اس کے دوستوں کو یوسف علیہ السلام کی بزرگی' تقویٰ اور پاکیزگی کی نشانیاں دیکھ کر یقین تھا کہ وہ نہایت پاکباز ہیں مگر شہر میں اس واقعہ کا اب چرچا ہونے لگا تھا۔ اس کو دبانے اور ختم کرنے کے لئے اسے مصلحت یہی نظر آئی کہ یوسف علیہ السلام کو کچھ عرصہ کے لئے جیل میں بھیج دیا جائے۔ چنانچہ آپ جیل خانہ بھیج دیئے گئے۔ مفسرین نے حضرت یوسف علیہ السلام کی جیل جانے کی دعا پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ آپ کا یہ فرمانا کہ جیل خانہ مجھے پسند ہے' قید و بند کی طلب یا خواہش کا آئینہ دار نہ تھا بلکہ گناہ کے مقابلہ میں اس میں دنیوی مصیبت کو آسان سمجھنے کا اعتماد ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام جیل میں ڈالے گئے تو اللہ

تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ "آپ نے قید و بند میں اپنے آپ کو خود ڈالا ہے اور اگر آپ عافیت مانگتے تو آپ کو مکمل عافیت مل جاتی۔" اسی لئے رسول کریم ﷺ نے صبر کی دعا مانگنے سے ایک شخص کو منع فرمایا کہ صبر تو بلا اور مصیبت پر ہوتا ہے۔ تو اللہ سے صبر کی دعا مانگنے کی بجائے عافیت کی دعا مانگو (ترمذی) رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ نے عرض کیا کہ مجھے کوئی دعا تلقین فرما دیجئے تو آپ نے فرمایا: اپنے رب سے عافیت کی دعا مانگا کریں۔ حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ کچھ عرصہ بعد میں نے پھر آپ ﷺ سے تلقین دعا کا سوال کیا۔ تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت کی عافیت مانگا کریں۔ (مظہری از طبرانی) بہر حال اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی دعا قبول فرما کر ان عورتوں کے مکر و حیلہ کو ان سے دور کر دیا بے شک وہ بڑا سننے والا اور بڑا جاننے والا ہے۔

یہ بات آپ بار بار معلوم کر چکے ہیں کہ قرآن حکیم نہ کوئی تاریخی کتاب ہے اور نہ قصہ کہانیوں کی۔ اس میں جو واقعات بیان کئے گئے ہیں' وہ صرف انسان کو عبرت و موعظت اور زندگی کے مختلف پہلوؤں کے متعلق غور و فکر کے لئے ہیں۔ قصہ یوسف علیہ السلام کو دیکھئے اول سے آخر تک اس میں بے شمار عبرت کے مواقع اور انسانی زندگی کے اہم معاملات کے لئے ہدایات ہیں۔ ضرورت ان پر غور و فکر کی ہے۔ قصہ یوسف علیہ السلام کو آگے بڑھاتے ہوئے مذکور ہے کہ جب آپ جیل پہنچے تو آپ کے ساتھ دو مجرم قیدی اور بھی داخل ہوئے۔ ان میں ایک بادشاہ کا ساقی اور دوسرا باورچی تھا۔ ابن کثیر نے بحوالہ آئمہ تفسیر لکھا ہے کہ ان دونوں پر الزام تھا کہ انہوں نے بادشاہ کو زہر دینے کی کوشش کی تھی۔ دونوں کا مقدمہ زیر تفتیش تھا اس لئے دونوں کو جیل میں رکھا گیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل میں آتے ہی اپنے پیغمبرانہ اخلاق اور رحمت و شفقت کے سبب سب قیدیوں کی دلداری اور خبر گیری کی۔ بیماروں کی عیادت اور خدمت کرتے' غمگین اور پریشان حال کو تسلی دیتے۔ صبر کی تلقین اور رہائی کی امید سے ان کا دل بڑھاتے۔ خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کو آرام دینے کی فکر کرتے اور رات بھر اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے۔ ان کے یہ حالات دیکھ کر جیل کے سب قیدی آپ کے معتقد ہو گئے۔ جیل افسر بھی بہت متاثر ہوا اور کوشش کرنے لگا کہ آپ کو جیل میں کوئی تکلیف نہ ہو۔

وہ دو قیدی جو آپ کے ساتھ جیل میں آئے تھے۔ ایک روز دونوں نے یوسف علیہ السلام کو کہا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نہایت نیک اور صالح بزرگ ہیں۔ اس لئے ہم آپ سے اپنی اپنی خوابوں کی تعبیر دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ ان میں سے شاہی ساقی نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں انگور سے شراب نکال رہا ہوں۔ دوسرے نے جو باورچی تھا کہا کہ میں نے

دیکھا ہے کہ میرے سر پر روٹیوں کا ٹوکرا ہے۔ اس میں سے جانور نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں۔ دونوں نے درخواست کی کہ ہم دونوں کو اپنی اپنی خواب کی تعبیر بتایئے۔ یوسف علیہ السلام پر دونوں نے بڑے اعتماد کا اظہار کیا۔ آپ نے ان کے اعتماد کی مزید تقویت کے لئے انہیں بتایا کہ وہ خاندان نبوت کے ہی ایک فرد ہیں اور انہی کی ملت سے وابستہ ہیں اور یہ کہ ان کے آباؤ اجداد ابراہیم اسحاق و داؤد علیہم السلام ہیں۔ کفر کی برائی بیان کی اور ملت کفر سے بیزاری۔ اپنے معجزے کا ذکر فرمایا کہ تمہارے لئے گھر سے جو کھانا آتا ہے اس کے آنے سے پہلے ہی تمہیں بتا دیتا ہوں کہ کس قسم کا کیسا اور کتنا اور کس وقت کھانا آئے گا۔ یہ کوئی رمل یا علم جعفر کا فن اور شعبدہ نہیں بلکہ میرا رب بذریعہ وحی مجھے بتا دیتا ہے۔ انہیں خدائے واحد کی خوبیاں بتائیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تلقین فرمائی اور حکم دیا کہ اس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو۔ یوسف علیہ السلام اپنی تبلیغ اور دعوت کے بعد ان دونوں کی خوابوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ شاہی ساقی رہا ہو کر اپنی ملازمت پر بحال ہو جائے گا اور بدستور بادشاہ کو شراب پلائے گا دوسرا جو باورچی ہے اس پر جرم ثابت ہو کر اس کو سولی دی جائے گی اور جانور اس کا گوشت نوچ نوچ کر کھائیں گے۔ آخر میں فرمایا کہ میں خوابوں کی جو تعبیر بتائی ہے محض اٹکل اور تخمینہ سے نہیں بتائی بلکہ یہ خدائی فیصلہ ہے جو ٹل نہیں سکتا۔

یوسف علیہ السلام تعبیر خواب سے جس شخص کے متعلق سمجھے کہ وہ رہا ہو کر حسب سابق شاہی ساقی بنے گا۔ اس سے کہا کہ جب تم آزاد ہو کر دربار شاہی میں جاؤ گے تو اپنے بادشاہ سے میرا ذکر بھی کر دینا کہ وہ بے گناہ قید میں پڑا ہوا ہے۔ مگر ہوا یہ کہ آزاد ہونے کے بعد اس کو یوسف علیہ السلام کی بات کرنی یاد نہ رہی اور چند سال مزید قید میں ہی رہے۔ مفسرین نے یوسف علیہ السلام کے زمانہ قید کے حالات سے متعلق بہت سے احکام و مسائل بیان کئے ہیں چند ایک حسب ذیل ہیں۔

جب یوسف علیہ السلام جیل میں ڈالے گئے جو مجرموں اور بدقماشوں کی بستی ہوتی ہے تو آپ نے ان کے ساتھ حسن اخلاق اور حسن معاشرت کا وہ مظاہرہ کیا کہ سب آپ کے گرویدہ ہو گئے جس سے معلوم ہوا کہ صالحین کے لئے لازم ہے کہ مجرمانہ حرکات کرنے والے خطا کاروں سے شفقت اور ہمدردی کا معاملہ کر کے ان کی اصلاح کی طرف توجہ دی جائے۔

دوسرا یہ بھی معلوم ہوا کہ تعبیر خواب ایسے لوگوں سے دریافت کرنی چاہئے جن کے نیک صالح اور ہمدرد ہونے پر اعتماد ہو۔

تیسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ حق کی دعوت دینے اور اصلاح خلق کی تبلیغ کرنے والوں کا اپنا

طرز زندگی اور طرز عمل یہ ہونا چاہئے کہ حسن اخلاق اور اپنے عملی کمالات کے ذریعہ خلق خدا پر اپنا اعتماد قائم کریں۔

چوتھا مسئلہ یہ کہ تبلیغ وارشاد کا ایک اہم اصول یہ بتایا گیا ہے کہ داعی اور مصلح کا فرض ہے کہ ہر وقت ہر حال میں اپنے وظیفہ دعوت حق اور تبلیغ کو سب کاموں سے مقدم رکھے اور ایسی حکمت کے ساتھ بات کی جائے جو مخاطب کے دلنشین ہو سکے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی مصیبت سے خلاصی پانے کے لئے کسی شخص کو کوشش کا راستہ بتانا توکل علی اللہ کے خلاف نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کو اپنے برگزیدہ بندوں کے لئے اپنے سے ماسوا جائز واسطہ بھی پسند نہیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ اور ان کے درمیان دیگر کوئی واسطہ نہ ہونا ہی ان کی شان ہے۔

ایک عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی رہائی کے لئے پردۂ غیب سے ایک صورت پیدا فرمائی کہ شاہ مصر نے ایک خواب دیکھا جس سے وہ پریشان ہو گیا۔ اور اپنی مملکت کے تعبیر بتانے والے اہل علم اور کاہنوں کو جمع کیا اور اپنے خواب کی تعبیر دریافت کی۔ شاہ مصر کا خواب کسی کی سمجھ میں نہ آیا۔ اور کہا کہ یہ خواب کچھ ملی جلی ہے اس میں خیالات شاہ مصر شامل ہیں ایسے خوابوں کی تعبیر وہ نہیں جانتے ہاں البتہ کوئی صحیح خواب ہوتا تو تعبیر بیان کرتے۔ اس موقعہ پر شاہی ساقی کو یوسف علیہ السلام یاد آئے اور اس نے آگے بڑھ کر عرض کی وہ اس خواب کی تعبیر لا سکتا ہے۔ اس نے یوسف علیہ السلام کے کمالات اور تعبیر خواب میں مہارت اور ان کے بے گناہ قید میں ہونے کا ذکر کیا۔ اور ان سے جیل میں اس غرض کے لئے ملاقات کی اجازت چاہی۔ شاہی اجازت لے کر ساقی یوسف علیہ السلام کے پاس حاضر ہوا۔ اور آپ کو یوسف علیہ السلام ایھا الصدیق کے القاب سے پکار کر عرض کی کہ مجھے ایک خواب کی تعبیر بتائیں کہ بادشاہ نے یہ دیکھا ہے کہ سات بیل فربہ تندرست ہیں جن کو دوسرے کمزور ولاغر سات بیل کھا رہے ہیں۔ مزید یہ کہ سات خوشے گندم کے سرسبز ہرے بھرے ہیں اور سات خشک ہیں۔ خواب بیان کرنے کے بعد اس نے کہا آپ تعبیر بتا دیں گے تو میں بادشاہ کے پاس جا کر تعبیر خواب بیان کروں گا۔ یوں ممکن ہے وہ آپ کے کمال کے واقف ہو جائیں۔ آپ نے بغیر حیل وحجت بتایا کہ پہلے سات سال غلہ خوب اُگے گا اور پیداوار بہت ہوگی اسی طرح سات بیل لاغر کمزور اور سات خشک خوشوں سے مراد یہ ہے کہ پہلے سات سال کے بعد سات سال سخت قحط کے آئیں گے۔ اور کمزور سات بیلوں کا سات فربہ بیلوں کو کھانے سے مطلب یہ ہے کہ پہلے سات سال میں غلہ کا جو ذخیرہ جمع ہوگا۔ وہ سب ان قحط کے سالوں میں کام آئے گا۔ صرف بیج کے لئے غلہ بچ جائے گا۔ آپ نے مزید خبر دی

کہ قحط کے سالوں کے بعد اگلے ایک سال میں خوب بارش ہوگی جو اچھی پیداوار کا سال ہوگا آپ نے ایک حکیمانہ اور ہمدردانہ مشورہ بھی دیا کہ پہلے سات سال جو زیادہ پیداوار ہو تو گندم کے دانوں کو گندم کے خوشوں میں ہی محفوظ رکھنا تاکہ گندم کو پرانا ہونے کے بعد کیڑا نہ لگ جائے۔ یہ شخص تعبیر خواب لے کر شاہ مصر کے پاس لوٹا اور اسے تعبیر سے آگاہ کیا۔ بادشاہ بہت مطمئن ہوا اور یوسف علیہ السلام کی عقل اور کمالات کا معتقد ہو گیا اور حکم دیا کہ یوسف علیہ السلام کو جیل خانہ سے رہا کر کے میرے پاس دربار میں لایا جائے۔ قاصد پیغام رہائی لے کر جیل خانہ پہنچا اور بادشاہ کا پیغام پہنچایا۔ یوسف علیہ السلام نے قاصد کو کہا کہ تم شاہ کے پاس واپس لوٹ جاؤ اور میری طرف سے بادشاہ کو کہو کہ پہلے ان عورتوں کا واقعہ دریافت کریں جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے۔ کیا اس میں وہ اب بھی مجھے مشتبہ سمجھتے ہیں اور میرا کوئی قصور قرار دیتے ہیں۔ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ لمبی قید کی رہائی سے پہلے یوسف علیہ السلام کا یہ عمل اور طریق کار ان کے صبر و تحمل اور مکارم اخلاق کا عظیم الشان ثبوت تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو جب منصب نبوت عطا فرماتے ہیں تو عقل کامل اور معاملات و حالات کی پوری بصیرت بھی عطا فرماتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے شاہی پیغام سے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ شاہ مصر کو اب ان کی ضرورت ہے۔ اس لئے دانشمندی کا تقاضا یہ تھا کہ جس عیب کی ان پر تہمت لگائی گئی تھی اور جس کے باعث وہ جیل بھیجے گئے۔ اس کی اصل بادشاہ اور دیگر سب لوگوں پر پوری طرح واضح ہو جائے اور عزیز مصر کو بھی یقین ہو جائے کہ میں نے اس کے حق میں کوئی خیانت نہیں کی۔ بادشاہ نے یوسف علیہ السلام کے مطالبے پر ان عورتوں کو حاضر کر کے واقعہ کی تفتیش کی تو سب نے کہا کہ خدا کی قسم! ہمیں یوسف علیہ السلام میں کوئی برائی کی بات معلوم نہیں ہوئی۔ عزیز مصر کی بیوی کہنے لگی اب جب کہ حق بات ظاہر ہو ہی گئی ہے۔ سچ یہ ہی ہے کہ میں نے ہی ان سے اپنے مطلب کی خواہش کی تھی بے شک یوسف علیہ السلام سچے ہیں۔ جب ان عورتوں نے اپنے گناہ کا اقرار کر لیا تو بادشاہ نے حکم دیا کہ اب یوسف علیہ السلام کو میرے پاس لایا جائے تاکہ میں ان کو اپنا مشیر خاص بنا لوں۔ چنانچہ شاہی قاصد جیل پہنچا اور یوسف علیہ السلام کو اس واقعہ کی شاہی تفتیش کے فیصلہ سے آگاہ کیا اور دربار چلنے کی درخواست کی۔ یوسف علیہ السلام نے سب جیل خانہ والوں کے لئے دعا کی اور تیار ہو کر بادشاہ کے پاس پہنچ گئے بادشاہ نے پھر کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ سے اپنے خواب کی تعبیر بلاواسطہ سنوں۔ یوسف علیہ السلام نے بڑی شرح و بست اور تفصیل سے خواب کی تعبیر پر تبصرہ کیا۔ شاہ مصر نے کہا کہ مجھے تعبیر سے زیادہ اس پر حیرت ہے کہ یہ تفصیلات آپ کو کیسے معلوم ہوئیں۔ اس کے بعد بادشاہ نے اس منصوبہ سے نپٹنے

کے لئے مشورہ مانگا کہ اب انہیں کیا کیا اقدام کرنا چاہئیں یوسف علیہ السلام نے منصوبے پر عمل کرنے کے لئے یہ مشورہ دیا کہ پہلے سات سال بارش بہت ہونے والی ہے۔آپ لوگوں کو حکم کریں کہ زیادہ سے زیادہ کاشت کریں اور جتنا غلہ حاصل ہو اس کا پانچواں حصہ اپنے پاس ذخیرہ کرتے رہیں اس طرح رعایا کے لئے دوسرے قحط کے سالوں کے لئے کافی غلہ جمع ہو جائے گا۔ حکومت ان کی طرف سے بے فکر ہو جائے گی۔اور جس قدر غلہ سرکاری محاصل سے جمع ہو گا اس کو دوسرے ملکوں کے لوگوں کے لئے جمع رکھیں کیونکہ قحط دور دور تک پھیلے گا اس وقت آپ خلق کی امداد کریں اور آمدنی سے سرکاری خزانہ میں بھی اتنا مال جمع ہو جائے گا جو اس سے قبل کبھی نہیں ہوا۔ بادشاہ اس مشورہ سے بے حد مطمئن اور مسرور ہوا اور کہا کہ اس عظیم منصوبہ کو پایہ تکمیل تک کون پہنچائے گا۔کیونکہ یہ کام بہت کٹھن مشکل جانفشانی اور صبر و تحمل کے ساتھ کرنے کا ہے۔چنانچہ یوسف علیہ السلام نے اس منصوبہ کو کامیابی و دیانتداری سے پورا کرنے کا ذمہ خود لیا یوں وزارت خزانہ اور پیداواران کے سپرد کر دی گئی اور انہیں پوری طرح بااختیار بنا دیا گیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے امور سلطنت کو ایسا سنبھالا کہ کسی کو کوئی شکایت باقی نہ رہی۔عوام آپ کے گرویدہ ہو گئے پورے ملک میں امن اور خوشحالی ہو گئی۔امام مجاہدؒ نے فرمایا ہے کہ یوسف علیہ السلام کے پیش نظر اس جاہ و جلال سے اللہ تعالیٰ کے احکام کا رواج دینا تھا اور اس کے دین کی اقامت تھی۔اس لئے وہ اس سے غافل نہیں ہوئے کہ شاہ مصر کو اسلام کی دعوت دیں۔ آپ کی مسلسل کوشش و تبلیغ کا نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ بادشاہ بھی مسلمان ہو گیا۔

یوسف علیہ السلام کو ملک مصر میں اقتدار حکومت حاصل ہونے کے بعد ابتدائی سات سال تعبیر خواب کے مطابق پورے ملک کے لئے خوشحالی لے کر آئے اور پیداوار خوب ہوئی۔غلہ زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے اور جمع کرنے کی پوری پوری کوششیں کی گئیں۔

اس کے بعد تعبیر کا دوسرا دور شروع ہوا۔سات سالہ قحط کا زمانہ شروع ہو گیا۔قحط سالی سے یوسف علیہ السلام پہلے سے باخبر تھے۔خوشحالی کے سات سال میں قحط کے سات سالوں کے لئے غلہ ذخیرہ کر کے محفوظ طریقے سے جمع کر لیا گیا تھا۔مصر کے باشندوں نے اپنے لئے پہلے سے غلہ جمع کر رکھا تھا۔اب جو قحط عام ہوا تو اطراف و اکناف سے لوگ مصر آنے لگے۔حضرت یوسف علیہ السلام نے غلہ کی بہم رسانی کے لئے راشن بندی کا طریقہ اپنایا۔ایک شخص کے لئے قریباً 5 من غلہ اپنی نگرانی میں فروخت کرتے۔ارض کنعان بھی جو فلسطین کا حصہ تھا اور جہاں حضرت یعقوب علیہ السلام رہائش پذیر تھے قحط کی زد میں آ گیا اور خاندان نبوی میں بھی قلت غلہ سے بے

چینی پیدا ہوئی۔ ادھر مصر کی یہ شہرت عام ہوگئی تھی کہ وہاں غلہ قیمتاً مل جاتا ہے اور یہ کہ مصر کا بادشاہ کوئی رحم دل آدمی ہے وہ خلق خدا کو غلہ دے رہا ہے۔

تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے صاحبزادوں سے کہا کہ تم بھی جاؤ اور غلہ لاؤ اور چونکہ یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ ایک آدمی کو ایک اونٹ کے بار سے زیادہ غلہ نہیں ملتا۔ اس لئے سب صاحبزادوں کو بھیجنے کی تجویز ہوئی مگر بنیامین کو جو یوسف علیہ السلام کے حقیقی بھائی تھے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی خبر گیری کے لئے روک لیا۔ دس بھائی کنعان سے مصر پہنچے تو یوسف علیہ السلام کے سامنے جو شاہانہ لباس میں تھے' پیش ہوئے۔ یوسف علیہ السلام نے تو ان کو پہچان لیا مگر ان کے بھائی ان کو نہ پہچان سکے ان کے وہم وگمان میں بھی یہ نہیں آ سکتا تھا کہ جس بچے کو غلام بنا کر بیچا گیا تھا وہ کسی ملک کا وزیر یا بادشاہ ہو سکتا ہے۔ یوسف علیہ السلام نے مزید اطمینان کے لئے ان سے ایسے سوالات کئے جیسے مشتبہ لوگوں سے کئے جاتے ہیں تا کہ پوری حقیقت واضح کر کے بیان کر دیں انہوں نے اطمینان دلایا کہ وہ جاسوس نہیں ہیں اور یہ کہ وہ دس بھائی یعقوب علیہ السلام کے بیٹے ہیں جو کنعان میں رہتے ہیں۔ آپ کے استفسار پر انہوں نے بتایا کہ وہ بارہ بھائی تھے۔ جن میں سے ایک بچپن میں ہی جنگل میں گم ہو گیا اور اس کے چھوٹے حقیقی بھائی کو والد نے اپنی خبر گیری کے لئے اپنے پاس رکھا ہے۔ یہ روئیداد سن کر انہوں نے بھائیوں کو شاہی مہمان خانہ میں ٹھہرایا اور اہل کاروں کو حکم دیا کہ ان سب کو ضابطہ کے مطابق غلہ دیا جائے۔

یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو کہا کہ جب دوبارہ غلہ کے لئے آؤ تو اپنے سوتیلے بھائی کو ساتھ لے آنا۔ ساتھ ہی دھمکی دے دی کہ اگر اس بھائی کو ساتھ نہ لائے تو پھر غلہ لینے نہ آنا کیونکہ اس طرح میں سمجھوں گا کہ تم نے جو داستان بیان کی ہے وہ جھوٹ ہے۔ آپ نے دوسرا انتظام یہ کیا کہ غلہ کی بھائیوں سے وصول کردہ قیمت چھپا کر ان کے سامان میں رکھوا دی تا کہ انہیں جلدی دوبارہ آنے میں آسانی ہو اور حقیقی بھائی سے ملاقات ہو جائے۔

ابن کثیر نے یوسف علیہ السلام کے اس عمل میں کئی احتمال بیان کئے ہیں۔ ایک یہ کہ شائد بھائیوں کے پاس اس غلہ کی قیمت ادا کر کے اور کچھ نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ والدین اور بھائیوں سے کھانے کی قیمت لینا گوارہ نہ کیا ہو۔ اس لئے شاہی خزانے میں رقم اپنے پاس سے جمع کرا دی ہو۔ ایک خیال یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ والد ماجد کو جب یہ معلوم ہو کہ غلہ کے ساتھ اس کی رقم بھی غلہ میں واپس آ گئی ہے تو وہ اللہ کے رسول ہیں اس رقم کو مصری خزانہ کی امانت سمجھ کر ضرور واپس بھیجیں گے اس طرح بھائیوں کا دوبارہ آنا اور یقینی ہو جائے گا۔

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ جب کسی ملک میں اقتصادی حالات ایسے خراب ہو جائیں تو حکومت ایسی ضروری بنیادی اشیاء خوراک کو اپنے نظم اور کنٹرول میں لے سکتی ہے۔ اور ان کی مناسب قیمت مقرر کر سکتی ہے۔

ایک اور بات حیرت انگیز ہے کہ یوسف علیہ السلام بچپن میں عزیز مصر کے پاس آئے جہاں جوان ہوئے۔ ہر قسم کی آسائش ان کو میسر تھی۔ ملک مصر میں پوری آزادی تھی اس دوران انہیں کبھی یہ خیال کیوں نہ آیا کہ والدین کو اپنی خیریت کی کوئی خبر پہنچا دیں۔ حتیٰ کہ جیل میں کئی سال رہے مصائب کے ایسے اوقات میں خاندان یاد آتا ہے اور حالات سے آگاہی ضروری بھی جاتی ہے۔ پھر اقتدار حکومت حاصل ہوتا ہے اور سات آٹھ سال گزر جانے کے بعد بھی کوئی اطلاع نہ دی یہاں تک کہ جب بھائی غلہ لینے آئے تو ان کو پہچاننے کے باوجود اصل واقعہ کے اظہار کے بغیر ان کو رخصت کر دیا۔ یہ تمام حالات کسی ادنیٰ انسان سے بھی متصور نہیں ہو سکتے تو اللہ کے برگزیدہ رسول سے کیسے نظر انداز ہو گئے۔ کم از کم والد کی خدمت میں حاضر ہونا سب سے اولین فرصت کا کام ہونا چاہئے تھا۔ ایک صاحب تفسیر فرماتے ہیں کہ اس حیرت انگیز خاموشی کا ہمیشہ یہ 4
جواب دل میں آیا کرتا ہے کہ غالباً اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے یوسف علیہ السلام کو اپنے حالات کے اظہار سے روک دیا ہوگا۔ تفسیر قرطبی میں اس کی تصریح مل گئی کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی یوسف علیہ السلام کو روک دیا تھا کہ اپنے گھر اپنے متعلق کوئی خبر نہ بھیجیں۔

جب برادران یوسف علیہ السلام مصر سے غلہ لے کر گھر واپس آئے تو مصر سے غلہ حاصل کرنے کے معاملات کا تذکرہ والد ماجد سے کرتے ہوئے یہ بھی بتایا کہ عزیز مصر نے آئندہ کے لئے ہمیں غلہ دینے کے لئے شرط لگائی ہے کہ اپنے چھوٹے بھائی بنیامین کو بھی ساتھ لانا ورنہ غلہ نہیں ملے گا۔

اس لئے آپ بنیامین کو آئندہ ہمارے ساتھ بھیج دیں تا کہ اپنے علاوہ اس کے حصہ کا غلہ بھی لے سکیں ہم اس کی پوری حفاظت کرنے والے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا اس کے بارے میں بھی ایسا ہی اطمینان کرلوں جیسا یوسف علیہ السلام کو تمہارے ساتھ بھیجتے وقت کیا تھا۔ تمہاری حفاظت کا نتیجہ تو پہلے دیکھ چکا ہوں۔ اب تو میں اللہ کی حفاظت پر ہی بھروسہ کرتا ہوں۔ تاہم ظاہری حالات اور اولاد کے عہد و پیمان پر بنیامین کو ساتھ بھیجنے پر تیار ہو گئے۔ اس گفتگو کے دوران جب غلہ کھولا گیا تو دیکھا کہ ان کی وہ پونجی جو غلہ کی قیمت میں ادا کر کے آئے تھے سامان کے اندر موجود ہے۔ اور محسوس کیا کہ یہ کام سہواً نہیں ہوا بلکہ قصداً پونجی واپس کر دی گئی ہے۔

تو والد کو بھی آ گاہ کیا کہ اب ہم کو دوبارہ بنیامین کو ساتھ لے کر غلہ لینے کے لئے جانا چاہئے۔ کیونکہ اس معاملہ میں عزیز مصر ہم پر بہت مہربان ہے۔ جب سب بھائیوں نے اللہ تعالیٰ کی قسم کے ساتھ بنیامین کو حفاظت سے واپس لانے کے عہدو پیان کئے تو ان کے والد ماجد نے فرمایا کہ بنیامین کی حفاظت کے لئے حلف دینے اور اٹھانے کا کام جو ہم کر رہے ہیں ہم سب کا بھروسہ تو اللہ تعالیٰ پر ہی ہے کیونکہ اس کی توفیق کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ اس لئے بیٹوں کے عہدو پیان کے ساتھ ایک استثناء یہ لگا دیا کہ تم اس کی حفاظت میں بے بس کر دیئے جاؤ اور سارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا۔

برادران یوسف چھوٹے بھائی کو ساتھ لے کر مصر روانہ ہونے لگے تو ان کے والد ماجد نے انہیں ایک خاص وصیت فرمائی کہ تم گیارہ بھائی وہاں جا رہے ہو تو شہر کے ایک ہی دروازے سے سب اکٹھے داخل نہ ہونا۔ بلکہ شہر پناہ کے پاس پہنچ کر متفرق ہو جانا اور شہر کے مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔ اس وصیت کا سبب یہ تھا کہ یہ سب نوجوان، صحت مند، قد آور، صاحب جمال اور صاحب وجاہت تھے لہٰذا ایسا نہ ہو کہ جب لوگ دیکھیں کہ یہ سب بھائی ایک ہی کی اولاد ہیں تو کسی بدنظر کی نظر لگ جائے اور ان کو کوئی تکلیف پہنچے۔ یا اجتماعی طور پر اکٹھے داخل ہونے سے حاسد حسد کرنے لگیں اور تکلیف پہنچائیں۔ کسی بدنظر کی نظر لگ جانا اور تکلیف کا ہو جانا کوئی جاہلانہ وہم یا خیال نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کی تصدیق فرمائی ہے۔ اور احادیث مصدقہ سے یہ ثابت ہے۔ مگر سب اسباب عالم حق جل شانہ کی قدرت کاملہ کے تابع ہیں۔ تقدیر خداوندی کے مقابلہ میں نہ کوئی مفید تدبیر مفید ہو سکتی ہے اور نہ کوئی مضر تدبیر اثر انداز ہو سکتی ہے۔ اچھی طرح وصیت کرنے کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام نے صاحبزادوں کو فرمایا کہ یہ ظاہری تدابیر ہیں۔ مگر اللہ کے حکم کو ٹالا نہیں جا سکتا حکم تو بس اللہ تعالیٰ کا ہی چلتا ہے۔

مصر پہنچنے کے بعد سب بھائی یوسف علیہ السلام کے دربار میں حاضر ہوئے اور کہا کہ وعدہ کے مطابق چھوٹے بھائی کو ساتھ لے آئے ہیں تو آپ نے ان سب کو ٹھہرانے کا انتظام اس طرح فرمایا کہ دو دو بھائیوں کے گروپ بنا کر الگ الگ کمروں میں جگہ دی۔ اس طریقہ سے بنیامین اکیلے رہ گئے تو انہیں اپنے پاس ٹھہرانے کے لئے فرمایا۔ جب تنہائی کا موقعہ ملا تو یوسف علیہ السلام نے بنیامین پر راز فاش کر دیا کہ میں یوسف علیہ السلام تمہارا بھائی ہوں۔

برادران یوسف کے اس بار سفر مصر کے حالات پر نظر تحقیق ڈالی جائے تو کئی مسائل سامنے آتے ہیں۔

یہ کہ نظر کا لگ جانا حق ہے۔ اور اس سے بچنے کی تدبیر کرنا اسی طرح شرعی ہے جس طرح مضر غذاؤں اور مضر افعال سے بچنے کی تدابیر کرنا اور یہ کہ مضر اثرات سے بچنے کے لئے ظاہری اور مادی تدبیریں اختیار کرنا توکل اور شان انبیاء کے خلاف نہیں۔

یہ کہ لوگوں کے حسد سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں اور اوصاف کا لوگوں سے پوشیدہ رکھنا درست ہے۔

اور یہ کہ دانشمند مسلمان کا کام یہ ہے کہ ہر کام میں اصل بھروسہ تو اللہ تعالیٰ پر رکھے مگر ظاہری اور مادی اسباب کو بھی نظر انداز نہ کرے۔

برادران یوسف نے اپنے اپنے حصہ کے مطابق غلہ اونٹوں پر لادلیا۔ ہر ایک کے اونٹ پر اس کا نام بھی لکھوا دیا گیا۔ مفسرین کا کہنا ہے کہ بنیامین نے یوسف علیہ السلام سے کہا تھا کہ وہ بھائیوں کے ساتھ واپس نہیں جانا چاہتے۔ مگر بنیامین کو روک لینا ملکی قانون کے مطابق ممکن نہ تھا ماسوا کسی الزام کی صورت میں' چنانچہ بنیامین نے ہر قسم کے حیلہ کو قبول کیا۔ چنانچہ آپ نے بنیامین کے سامان میں شاہی برتن رکھوا دیا۔ جب برادران یوسف کا قافلہ کچھ دور گیا تو شاہی منادی نے ان پر چوری کا الزام لگایا۔ منادی کی آواز سن کر انہوں نے کہا کہ تم نے کونسی چیز گم کی ہے۔ ہم یہاں فساد کرنے نہیں آئے نہ ہم چور ہیں۔ شاہی ملازمین نے کہا کہ شاہی پیمانہ چوری ہو گیا ہے اور مزید کہا کہ اگر تمہارا جھوٹ ثابت ہو جائے تو تم خود ہی بتاؤ کہ چور کی سزا کیا ہے۔ برادران یوسف نے کہا کہ جس شخص کے سامان سے مال مسروقہ برآمد ہو وہ شخص خود ہی اس کی جزا ہے۔
سرکاری تفتیش کرنے والوں نے سب بھائیوں کے سامان کی تلاشی کے بعد آخر میں جب بنیامین کا سامان کھولا تو اس میں اپنا سرکاری برتن برآمد کر لیا۔ جس پر سب بھائیوں نے پریشان ہو کر شرم سے سر جھکا دیئے۔ اور بنیامین کو کوسنے لگے کہ تم نے ہمارا منہ کالا کر دیا ہے۔ اس تدبیر سے بنیامین کو مصر میں روکنے کا حکم جاری کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"یعنی ہم نے اسی طرح یوسف کے لئے تدبیر کی جس سے وہ اپنے بھائی کو روک سکے۔"

بھائیوں نے کہا کہ اگر اس نے چوری کر لی ہے تو یہ زیادہ تعجب کی بات نہیں اس کا ایک بھائی تھا' اس نے بھی اسی طرح پہلے چوری کی تھی۔ یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کی یہ بات سن کر دل میں رکھ کر برداشت کیا کہ یہ لوگ اب تک ان کے درپے ہیں کہ چوری کا جھوٹا الزام ان پر بھی لگا رہے ہیں۔ بھائیوں نے جب احساس کر لیا کہ بنیامین کو آزاد نہیں کر رہے تو منت سماجت کرنے

لگے کہ اس کے باپ بوڑھے ہیں وہ یہ صدمہ برداشت نہ کر پائیں گے اس کے عوض کسی دوسرے بھائی کو پکڑ لیں مگر ان کی یہ پیشکش خلاف ضابطہ ہونے کی وجہ سے مسترد کر دی گئی پھر برادران یوسف الگ جا کر صلاح مشورہ کرنے لگے۔ سب سے بڑے بھائی نے کہا کہ میں یہاں مصر میں ٹھہر جاتا ہوں تم سب قافلہ کے ساتھ چلے جاؤ اور والد کو حالات سے آگاہ کرو کہ بنیامین کو چوری کے الزام میں پکڑ لیا گیا ہے اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں اور قافلہ کے ساتھیوں کی بھی شہادت دلاؤ۔ اس مشورہ کے مطابق صاحبزادوں نے والد کے پاس کنعان آ کر انہیں بنیامین کے معاملہ سے مطلع کیا اور کہا کہ وہ اس معاملہ میں بالکل سچے ہیں۔ بے شک قافلہ میں شریک ساتھیوں سے پوچھ لیا جائے۔ صاحبزادے یوسف علیہ السلام کے بارے میں پہلے بھی جھوٹ بول چکے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان کی باتوں کا اب بھی یقین نہ آیا تو کہا کہ تمہارے نفس نے یہ بات بنائی ہے مگر میں اب بھی صبر کرتا ہوں اور یہ ہی میرے لئے بہتر ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کے معاملے میں بھی یہی کہا اور اب بنیامین کے معاملہ میں بھی یہی کہا کہ تمہارے نفس نے ایک بات بنالی ہے اب صبر ہی بہتر ہے۔ واقعات کی روشنی میں دیکھا جائے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے دونوں دفعہ درست کہا۔ پہلی دفعہ سب بھائیوں نے بھیڑیے کا یوسف علیہ السلام کو کھا جانے کا بہانہ بنایا جو جھوٹ تھا اور اب یوسف علیہ السلام اور بنیامین کے باہم مشورہ سے شاہی برتن کی چوری کا ڈرامہ رچا کر بنیامین کو مصر روک لینے کا پروگرام بنا۔ مفسرین نے ان تمام معاملات کی وجہ خداوندی وحی کی تلقین ہی قرار دی ہے۔ کیونکہ قرآنی ارشاد میں اس طرف اشارہ موجود ہے۔ آپ کا اپنے صاحبزادوں کو ہر بار یہ کہنا کہ "میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ چیز جانتا ہوں جس کی تم کو خبر نہیں۔" وحی الہٰی کی دلیل ہے۔

برادران یوسف علیہ السلام کو ان کے والد ماجد نے پھر حکم دیا کہ جاؤ یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور ان کے ملنے سے مایوس نہ ہو جاؤ۔ اس سے پہلے آپ نے کبھی اس طرح کا حکم نہ دیا تھا۔ اب ملاقات کا وقت آ چکا تھا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اسی کے مطابق تدبیر دل میں ڈالی۔ اور دونوں کی تلاش کا رخ مصر ہی کی طرف قرار دیا جو بنیامین کے معاملہ میں تو معلوم اور متعین تھا اور یہ کہ سب سے پہلے بنیامین کی خلاصی کے لئے کوششیں ضروری تھیں۔

اس دفعہ برادران یوسف والد ماجد کے حکم کے مطابق مصر پہنچے اور یوسف علیہ السلام کو ملے تو اپنی محتاجی اور بے کسی کا اظہار کیا کہ ہم اور ہمارے خاندان کو قحط کی وجہ سے سخت تکلیف پہنچ رہی ہے۔ یہاں تک اب ہمارے پاس غلہ خریدنے کی مناسب قیمت بھی نہیں۔ اس لئے آپ

اپنے کریمانہ اخلاق سے ہماری ناقص اور کم پونجی کو ہی قبول کر کے غلہ پورا دے دیں۔ یہ ظاہر ہے کہ تھوڑی پونجی کے عوض پورا غلہ لینے کا ہمارا کوئی استحقاق نہیں۔ آپ ہم کو خیرات سمجھ کر دے دیجئے۔ بے شک اللہ تعالیٰ خیرات دینے والوں کو جزائے خیر دیتا ہے۔

یوسف علیہ السلام نے بھائیوں اور خاندان والوں کی مفلوک الحالی کی روئیداد سنی تو طبعی طور پر اب حقیقت حال ظاہر کر دینے کا موقعہ آ گیا۔ واقعات کی رفتار کا انداز یہ معلوم ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام پر جو اظہار حال کی پابندی منجانب اللہ تھی' اب اس کے خاتمہ کا وقت آ چکا تھا۔ چنانچہ بھائیوں پر ظاہر کر دیا اور تعارف کی تمہید کے طور پر بھائیوں سے سوال کیا کہ تم کو کچھ یہ بھی یاد ہے کہ تم نے یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا برتاؤ کیا تھا۔ جب کہ وہ تمہاری جہالت کا زمانہ تھا۔ کہ بھلے برے کی سوچ اور انجام بینی کی فکر سے غافل تھے۔

برادران یوسف نے جب یہ سوال سنا تو چکرا گئے کہ عزیز مصر کو یوسف علیہ السلام کے قصہ سے کیا واسطہ۔ پھر یوسف علیہ السلام نے بچپن میں جو خواب دیکھا تھا اس کی تعبیر کی طرف خیال کیا کہ وہ بلند مرتبہ ہوگا اور ان کو اس کے سامنے جھکنا پڑے گا تو شک ہوا کہ کہیں یہ خود ہی یوسف علیہ السلام نہ ہوں اور غور و تامل اور کچھ علامات سے پہچان کر کہا کہ کیا سچ مچ تم ہی یوسف علیہ السلام ہو۔ تو یوسف علیہ السلام نے کہا کہ ہاں میں ہی یوسف ہوں اور یہ بنیامین میرا حقیقی بھائی۔ پھر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان و کرم فرمایا کہ اول ہم کو صبر و تقویٰ کی صفتیں عطا فرمائیں جو کامیابی کی کلید اور ہر مصیبت سے امان ہیں پھر ہماری تکلیف کو راحت سے' جدائی کو وصال سے' مال و جاہ کی قلت کو ان سب کی کثرت سے تبدیل فرما دیا۔ بے شک جو شخص گناہوں سے بچتا اور مصائب پر صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے کام کرنے والوں کے عمل ضائع نہیں کرتا اور اجر عطا فرماتا ہے۔

اب برادران یوسف کے پاس اپنے جرموں کے اعتراف اور یوسف علیہ السلام کے فضل و کرم کے اقرار کے سوا چارہ نہ تھا۔ سب نے بیک زبان کہا: اللہ نے آپ کو ہم سب پر فضیلت دی ہے اور آپ اسی کے مستحق ہیں اور ہم نے جو کیا بے شک ہم اس میں خطاوار تھے۔ خدارا معاف کر دیجئے۔ یوسف علیہ السلام نے اپنی پیغمبرانہ شان کے مطابق فرمایا۔ میں تم سے تمہارے مظالم کا انتقام کیا لوں بلکہ آج تم پر کوئی ملامت بھی نہیں کرتا۔ اپنی طرف سے معافی کی خوشخبری سنا دی پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری خطاؤں کو معاف فرما دیں۔ وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔ یوسف علیہ السلام کو اب والد سے ملاقات کی فکر ہوئی۔ حالات

کے لحاظ سے مناسب یہی سمجھا کہ والد صاحب ہی معہ خاندان مصر تشریف لے آئیں۔ بھائیوں سے کہا کہ تم میرا یہ کرتا لے جاؤ اور میرے والد کے چہرے پر ڈال دو ان کی بینائی واپس آ جائے گی۔ بینائی کی واپسی کے لئے یہ عمل کوئی مادی سبب نہیں ہو سکتا بلکہ یہ آپ کا ایک معجزہ تھا جو ان کو اللہ کی عطا سے معلوم ہو گیا تھا کہ ان کے کرتے کو چہرے پر ڈالنے سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی قوت بصارت عود کر آئے گی۔ یوسف علیہ السلام نے سب بھائیوں کو کنعان روانہ کیا کہ سب گھر والوں کو بھی ساتھ لے کر واپس مصر آ جائیں۔

برادران یوسف کا یہ قافلہ ابھی شہر پناہ سے نکلا ہی تھا کہ ادھر یعقوب علیہ السلام نے اپنے پاس والوں سے کہا کہ اگر تم مجھے بیوقوف نہ کہو تو میں تمہیں بتاؤں کہ مجھے یوسف علیہ السلام کی خوشبو آ رہی ہے۔ حاضرین نے یہ بات سن کر کہا: بخدا آپ اپنے پرانے خیال میں ہی مبتلا ہیں کہ یوسف علیہ السلام زندہ ہے اور پھر ملے گا۔ آپ کے صاحبزادوں میں یہودا جب کرتا لے کر والد کے پاس آیا تو اسے ان کے چہرے پر ڈال دیا۔ فوراً ان کی بینائی بحال ہو گئی اور یوسف علیہ السلام کے حالات سے بھی آگاہ کیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اہل خاندان کو کہا کہ میں نہ کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے وہ علوم حاصل ہیں جس کی آپ لوگوں کو خبر نہیں کہ یوسف علیہ السلام زندہ ہیں اور اللہ پھر اس کو ہم سے ملا دے گا۔ جب حقیقت حالات سب پر واضح ہو گئی تو برادران یوسف نے والد سے اپنی خطاؤں کی معافی اس طرح مانگی کہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کریں۔ ظاہر ہے کہ اللہ سے مغفرت کی دعا سے قبل وہ خود بھی معاف کر دیں گے۔ آپ نے وعدہ کر لیا کہ عنقریب دعا کروں گا۔ مقصود اس سے یہ تھا کہ اہتمام کے ساتھ آخر شب دعا کریں گے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام ان کی اولاد اور تمام متعلقین مصر کے لئے تیار ہو کر روانہ ہوئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے مصر پہنچنے پر حضرت یوسف علیہ السلام استقبال کے لئے شہر سے باہر تشریف لائے خاندان یعقوب علیہ السلام کو خوش آمدید کہا اور ان کو اپنے پاس ٹھہرایا۔

یوسف علیہ السلام کی حقیقی والدہ تو بچپن میں ہی فوت ہو چکی تھیں اس کے بعد یعقوب علیہ السلام نے یوسف کی خالہ سے نکاح کر لیا تھا۔ اس حیثیت سے اب وہی ان کی والدہ کی جگہ تھیں۔ بچپن میں دیکھی خواب کی تعبیر کا وقت آ پہنچا اور سب بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کے سامنے سر جھکائے۔ اب یوسف علیہ السلام خاندان والوں سے کہا کہ آپ سب باذن خداوندی مصر میں بے خوف و خطر رہیں مطلب یہ تھا کہ دوسرے ملک میں داخل ہونے والے مسافروں پر جو پابندیاں ہوتی ہیں آپ سب ان پابندیوں سے مستثنیٰ ہیں۔ اس طرح تمام مادی احباب اور تکوینی

امور سے گزر کر اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے خاندان کو مصر میں جگہ دی۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے والدین کے سامنے اپنی سرگزشت بیان کرنا شروع کی۔ یہاں ذرا ٹھہریئے اور غور کیجئے کہ آج اگر کسی کو اتنے مصائب کا سامنا کرنا پڑے جتنا یوسف علیہ السلام پر گزرا اور والدین سے اتنی طویل جدائی اور مایوسی کے بعد ملنے کا اتفاق ہوتو [redacted] والدین کے سامنے اپنی سرگزشت کیا بیان کرے گا۔ کتنا روئے گا اور رلائے گا اور کتنے دن رات اپنے مصائب کی داستان سنانے میں صرف کرے گا۔ مگر یہاں دونوں طرف اللہ کے برگزیدہ رسول اور پیغمبر ہیں ان کا طرز ملاحظہ فرمایئے کہ یعقوب علیہ السلام کے بچھڑے ہوئے محبوب فرزند ہزاروں تکلیفوں کے دور سے گزرنے کے بعد جب والد سے ملتے ہیں تو کیا فرماتے ہیں۔

"یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا جب کہ مجھے قید خانہ سے نکال کر یہاں لایا۔ بعد اس کے کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈلوا دیا تھا۔"

یہ ہے شان نبوت کہ مصائب اور تکالیف پر صرف صبر اور ہر جگہ شکر کا پہلو نکال لیتے ہیں۔ اسی طرح ان کا کوئی وقت ایسا نہیں ہوتا جس میں وہ اللہ تعالیٰ کے شکر گزار نہ ہوں۔ بخلاف عام انسانوں کے کہ ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہزار ہا نعمتیں برتتے ہیں تو بھی کسی کا ذکر نہیں کرتے اور اگر کسی وقت کوئی مصیبت کا سامنا پڑ جائے تو اسے عمر بھر یاد رکھتے ہیں۔ قرآن کو ان سے یہی شکایت ہے۔

"یعنی انسان اپنے رب کا بہت ناشکرا ہے۔"

یوسف علیہ السلام نے اپنی داستان مصائب بیان کرنے کے بعد فرمایا:

"میرا پروردگار جو چاہتا ہے اس کی تدبیر لطیف کر دیتا ہے۔ بلاشبہ وہ بڑا علم والا حکمت والا ہے۔"

جب والدین اور بھائیوں کی ملاقات سے سکون ملا تو حق تعالیٰ کی بارگاہ میں دست بدعا ہو کر عرض کی:

"اے میرے پروردگار آپ نے ہی مجھ کو سلطنت کا بڑا حصہ دیا اور مجھ کو خوابوں کی تعبیر دینا تعلیم فرمایا۔ اے آسمان و زمین کے خالق! آپ ہی دنیا و آخرت میں میرے کارساز ہیں مجھ کو پوری فرمانبرداری کی حالت میں دنیا سے اٹھا لیجئے اور مجھ کو کامل نیک بندوں میں شامل رکھئے۔"

حضرت ایوب علیہ السلام

حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید کی چار سورتوں یعنی سورہ نساء' انعام' انبیاء اور ص میں آیا ہے۔ جن سے حضرت ایوب علیہ السلام کے کچھ واقعات سے آگاہی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی شخصیت کے متعلق تورات اور دوسرے وہ اقتباسات جو تاریخ قدیم سے ماخوذ ہیں ان میں مورخین اسلام نے انہیں بیان کیا ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں قدیم شہادت صحیفہ ایوب کی ہے۔ یعنی وہ مجموعہ تورات میں حضرت ایوب علیہ السلام کی جانب منسوب ہے' جس میں آپ کی حیات طیبہ کے متعلق کچھ تفصیل ملتی ہے' یہ کہ آپ سرزمین عوض کے باشندے تھے اور یہ کہ آپ کے مویشی اور چوپایوں کو اہل سبا اور بابلیوں نے حملہ کر کے لوٹ لیا تھا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ان دونوں قوموں کے زمانہ عروج کے معاصر تھے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا زمانہ نبوت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان گزرا ہے۔ تورات' مورخین اسلام اور علمائے عرب کے درمیان آپ کے نسب نامہ کی بابت بہت اختلاف ہے تاہم سب اس پر متفق ہیں کہ آپ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے عیسو (اودم) کی نسل سے ہیں۔ تاریخ کی روشنی میں حضرت ایوب علیہ السلام عرب ہیں مختلف اقوال میں بھی آپ کے عرب ہونے پر سب متفق ہیں اور صحیفہ ایوب جو قدیم صحیفہ ہے وہ بھی عبرانی میں عربی سے نقل ہو کر آیا ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق متذکرہ بالا حالات جو سامنے آئے ہیں۔ قرآن مجید کی سورہ انبیاء میں اللہ تعالیٰ نے آپ کا تذکرہ یوں فرمایا ہے:

"اور ایوب کا معاملہ بھی یاد کرو جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا تھا۔
میں دکھ میں پڑ گیا ہوں اور خدایا تجھ سے بڑھ کر کوئی رحم کرنے والا نہیں
پس ہم نے اس کی دعا قبول کر لی' اور اس کا دکھ دور کر دیا۔ اور اس کو اس کا
کنبہ اور اس کی مثل اور اس کے ساتھ اپنی رحمت سے اور اپنے عبادت
گزار بندوں کی نصیحت کے لئے عطا کر دیا۔"

حضرت ایوب علیہ السلام کی مرض اور بیماری کے متعلق مبالغہ آمیز روایات درج ہیں۔ یعنی جزام' پھوڑے اور پھنسیوں کا اس حد تک پہنچ جانا کہ بدن گل سڑ جائے اور بدبو کے باعث آپ سے نفرت پیدا ہونے لگے۔ مفسرین کرام نے ان روایات کو من گھڑت قرار دیتے ہوئے تبصرہ کیا ہے کہ انبیاء کرام کو ایسا مرض لاحق نہیں ہوتا جس سے انسان دور بھاگتے ہوں اس لئے کہ یہ نبوت کے مقصد تبلیغ وارشاد کے منافی ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ تیرہ سال بیمار رہے۔

اسرائیلی روایات میں مذکور ہے کہ بیماری کے دوران آپ کے جسم پر شیطان کو قابو دے دیا گیا تھا کیونکہ آپ نے خود اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے وقت کہا کہ مجھے شیطان نے چھولیا ہے۔ مفسرین نے ان کلمات سے یہی مراد لی ہے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ اے اللہ جب میں بیمار ہوتا ہوں تو' تو مجھے شفا دیتا ہے۔ اگرچہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے مگر اللہ کے بندے پاس ادب سے ایسی چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب نہیں کرتے بلکہ اپنی غلطی تصور کرتے ہیں۔ اسی طرح جس طرح حضرت آدم علیہ السلام نے ممنوعہ پھل کھانے کے بعد اللہ تعالیٰ سے عرض کی تھی۔

مفسرین کرام کہتے ہیں کہ آپ کی زوجہ کے سوا جب کوئی غم گسار باقی نہ رہا تو ایک مرتبہ جب آپ کی زوجہ آپ کی تیمارداری میں مشغول تھیں تو حضرت ایوب علیہ السلام کی تکلیف اور دکھ نے آپ کو بے چین کر دیا اور کچھ ایسے الفاظ شکایت منہ سے نکلے جو صبر ایوبی کو ٹھیس پہنچانے والے تھے۔ آپ یہ برداشت نہ کر سکے اور قسم کھا کر کہا کہ میں تجھ کو سو کوڑے ماروں گا۔ جب آپ شفایاب ہوئے اور قسم پوری کرنے کا وقت آ گیا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ سو تنکوں کا ایک گٹھا بنا کر اپنی بیوی کو مارو۔ قسم بھی پوری ہو جائے اور نیک بی بی بھی تکلیف سے بچ جائے گی۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ آپ کو اس رفیقہ حیات کے سوا سب چھوڑ گئے تھے' اب جب شفایاب ہوا ہوں تو اسی رفیقہ حیات کو سو کوڑے لگانے سے آپ کو رنج تھا مگر قسم کو بھی پورا کرنا لازمی تھا۔

سفر ایوب علیہ السلام میں ہے کہ شفایاب ہونے کے بعد آپ ایک سو چالیس سال زندہ رہے اور اپنے بیٹے' بیٹوں کے بیٹے چار پشت تک دیکھے اور دراز عمر پا کر فوت ہوئے۔

حضور علیہ السلام کی ایک حدیث مبارکہ میں ہے:

"مصائب میں سب سے زیادہ سخت امتحان انبیاء علیہم السلام کا ہوتا ہے
اس کے بعد صلحاء کا نمبر ہے اور پھر حسب مراتب درجات۔"

حضرت شعیب علیہ السلام

حضرت شعیب علیہ السلام کی بعثت مدین یا مدیان میں ہوئی تھی۔ مدین کسی بستی یا مقام کا نام نہیں ہے بلکہ ایک قبیلہ کا نام ہے۔ یہ قبیلہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند کی نسل سے تھا۔ جو آپ کی تیسری زوجہ محترمہ قطورہ سے پیدا ہوا۔ اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ خاندان بنی قطورہ کہلاتا ہے۔

مدین اپنے اہل و عیال کے ہمراہ اپنے سوتیلے بھائی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پہلو ہی میں حجاز میں آباد ہو گیا تھا۔ یہی خاندان طویل سفر کے بعد ایک بڑے قبیلے کی شکل اختیار کر گیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام چونکہ اسی قبیلہ اور نسل سے تھے۔ اس لیے آپ کی بعثت کے بعد یہ قبیلہ قوم شعیب کہلائی۔

عبدالوہاب نجار کہتے ہیں کہ یہ قبیلہ حجاز میں شام سے متصل ایسی جگہ آباد تھا جس کا عرض بلد افریقہ کے جنوبی صحرا کے عرض بلد کے مطابق ہے اور بعض کہتے ہیں کہ شام سے متصل معان کے حصہ زمین پر آباد تھا۔

قرآن حکیم نے اس قوم کی آبادی کا تعارف اس طرح کرایا ہے:

''اور لوط کی قوم اور مدین دونوں بڑی شاہراہ پر آباد تھے۔''

عرب کے جغرافیہ میں جو شاہراہ حجاز کے تاجر قافلوں کو شام، فلسطین، یمن اور مصر کی سرحد تک لے جاتی ہے اور بحر قلزم کے مشرقی کنارے سے ہو کر گزرتی ہے، قرآن اسی شاہراہ کا اشارہ کرتا ہے۔ قریشی تجارتی قافلے گرمی اور سردی دونوں زمانوں میں اسی شاہراہ پر سفر کرتے تھے۔

مدین کو اصحاب ایکہ (جھنڈ والے) بھی کہا گیا ہے۔ مفسرین اس بارے میں مختلف ہیں۔ کچھ کہتے ہیں کہ دونوں جدا جدا قبیلے ہیں کچھ مفسرین دونوں کو ایک ہی قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آب و ہوا کی لطافت، نہروں اور آبشاروں کی کثرت نے اس مقام کو اس قدر شاداب بنا دیا تھا اور یہاں پھلوں اور خوشبودار پھولوں کے اس قدر باغات تھے کہ جو باہر کھڑا ہو کر نظارا کرتا اس کو خوبصورت

شاداب گھنے درختوں کا ایک جھنڈ معلوم ہوتا۔ اسی لیے قرآن نے اس کو ایکہ (جھنڈ) کہہ کر تعارف کرایا ہے۔ چنانچہ یہی رائے یقین کی حد تک تسلیم کر لی گئی ہے کہ مدین اور اصحاب ایکہ ہی قبیلہ ہے۔ یہ باپ کی نسبت سے مدین کہلایا اور سرسبز و شاداب درختوں اور باغات کی کثرت کی وجہ سے ایکہ کے لقب سے مشہور ہوا۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر کا خیال ہے کہ یہاں ایکہ نام کا ایک درخت تھا۔ اہل قبیلہ چونکہ اس کی پرستش کرتے تھے لہٰذا اس کی نسبت سے "مدین" کو ہی اصحاب ایکہ کہا گیا۔

قرآن حکیم سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا دور نبوت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبل کا ہے۔ آپ کی قوم میں خدا کی نافرمانی اور گناہوں کا ارتکاب صرف افراد میں ہی نہ تھا بلکہ ساری قوم من حیث الجماعت گرداب ہلاکت میں مبتلا تھی۔ اپنی بداعمالیوں اور بداخلاقیوں میں اس قدر مست اور سرشار کہ ایک لحہ کے لیے بھی ان کو احساس نہیں ہوتا تھا کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں گناہ ہے مدین کی بہت سی گمراہیوں سے قطع نظر وہ بت پرستی اور مشرکانہ رسوم کے حامل تھے' خرید و فروخت میں پورا لینا اور کم دینا اور کم تولنا۔ دوسروں کو ان کے حق سے کم دینا اور اپنے لیے حق کے مطابق بلکہ زائد لینا۔ تمام معاملات میں کھوٹ' ملاوٹ اور ڈاکہ زنی ان کی معاشرتی زندگی ان بد کرداریوں سے بھرپور تھی۔ دولت و ثروت کی بہتات' زمین اور باغات کی شادابی نے انہیں مغرور بنا دیا تھا۔ وہ یہ نہیں مانتے تھے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی عطاء اور بخشش ہے۔

آخر کار سنت اللہ کے مطابق ان کو راہ ہدایت دکھانے' فسق و فجور سے بچانے' متقی اور با اخلاق بنانے کے لیے ان ہی میں سے حضرت شعیب علیہ السلام کو چن لیا گیا اور شرف نبوت و رسالت سے نواز کر دعوت اسلام کا امام بنایا۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور شرک سے بیزاری کا اعتقاد تو تمام انبیاء کی تعلیم کی بنیاد ہے ہی۔ مگر حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کو ان کی مخصوص بداخلاقیوں پر توجہ دلانے اور انہیں راہ راست پر لانے کے لیے اس قانون کو اہمیت دی کہ خرید و فروخت میں ناپ تول کو پورا رکھیں اور معاملات میں دھوکہ و فریب سے کام نہ لیں۔ شاہراہوں پر ناکہ لگا کر راہزنی نہ کریں۔ زمین پر صلاح و خیر کے بعد فتنہ و فساد برپا نہ کریں۔ مگر اہل مدین دعوت حق کے فوائد پر غور کرنے کی بجائے اس دعوت کے راستے روکنے لگے۔ لوگوں کو لوٹنے میں تیز ہو گئے اور خدا کی ہدایت پر ایمان لانے والوں کو دھمکیاں دینے لگے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے شان نبوت کے مطابق اپنی قوم کو پھر خطاب کیا اور فرمایا کہ اے قوم! ذرا اس پر غور کرو کہ جن قوموں نے خدا کی زمین پر فساد پھیلانے کا شیوہ اختیار کر لیا

تھا' ان کا انجام کس قدر عبرت ناک ہوا۔ اگر تم سے ایک جماعت مجھ پر ایمان لے آئی ہے اور ایک جماعت انکار کر گئی ہے تو صرف اتنی ہی بات پر معاملہ ختم ہو جانے والا نہیں بلکہ صبر کے ساتھ انتظار کرنا ہے تا آنکہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان آخری فیصلہ کر دے۔

حضرت شعیب علیہ السلام بڑے فصیح و بلیغ مقرر تھے۔ شیریں کلامی' حسن خطابت' طرز بیان اور قوت لسانی میں بہت نمایاں امتیاز رکھتے تھے۔ اسی لیے مفسرین آپ کو خطیب الانبیاء کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ پس انہوں نے نرم' گرم ہر طریقہ سے قوم کو رشد و ہدایت کے یہ کلمات ارشاد فرمائے۔ مگر قوم بدبختی کی جانب ہی بڑھتی گئی اور آپ کی تعلیمات کا کوئی اثر قبول نہ کیا اور کہا کہ اے شعیب علیہ السلام اب دو باتوں میں سے ایک ضرور ہو کر رہے گی یا ہم تجھ کو اور تمہارے پیروؤں کو اپنی بستی سے ہی نکال دیں یا تم کو مجبور کر دیں کہ پھر ہمارے دین میں واپس آ جاؤ۔"

حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارا دین تو باطل ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو نجات عطا فرمائی ہے۔ ہم جھوٹ اور باطل کی طرف پلٹنے والے نہیں اور ہمارا بھروسہ اللہ تعالیٰ ہی پر ہے۔

آپ نے مزید فرمایا: دیکھو خدا تعالیٰ نے مجھ کو اس لیے مبعوث فرمایا ہے کہ میں مقدور بھر تمہاری اصلاح کی سعی کروں اور میں جو کچھ کہتا ہوں اس کی صداقت اور سچائی کے لیے خدا کی حجت' دلیل اور نشانی بھی پیش کر رہا ہوں۔ مگر افسوس کہ تم نافرمانی پر قائم ہو۔ اے قوم مجھے خوف ہے کہ تیری یہ بے باکیاں اور خدا کے مقابلے میں نافرمانیاں کہیں تیرا بھی وہی انجام نہ کر دیں جو تجھ سے پہلے قوم نوح' قوم ہود' قوم صالح اور قوم لوط کا ہو چکا ہے۔ خیر اگر تم نہیں مانتے تو تم جانو۔ تم وہ سب کچھ کرتے رہو جو کچھ کر رہے ہو' عنقریب خدا کا فیصلہ بتا دے گا کہ عذاب کا مستحق کون ہے تم بھی انتظار کرو اور میں بھی انتظار کرتا ہوں۔

آخر وہی ہوا جو قانون الٰہی کا ابدی فیصلہ ہے قوم شعیب علیہ السلام کو دو قسم کے عذاب نے آ گھیرا۔ ایک زلزلے کا عذاب اور دوسرا آگ کی بارش کا عذاب۔ یعنی جب وہ اپنے گھروں میں آرام کر رہے تھے تو یک بیک ایک ہولناک زلزلہ آیا اور ابھی اس کی یہ ہولناکی ختم نہ ہوئی تھی کہ آسمان سے آگ برسنے لگی۔ صبح کو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ کل کے سرکش اور مغرور آج گھٹنوں کے بل جھلسے ہوئے پڑے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو بچا لیا اور حقوق اللہ کے علاوہ حقوق العباد میں فساد برپا کرنے والوں کو ایسا تباہ و برباد کر دیا کہ ان کا نشان تک باقی

نہ چھوڑا۔

مدین کے ہلاک و برباد ہونے کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام اپنے پیروؤں کے ہمراہ کہاں رہے۔ مفسرین کا کہنا ہے کہ حضر موت میں ایک قبر ہے جو زیارت گاہ عوام وخواص ہے وہاں کے باشندوں کا دعویٰ ہے کہ مدین کی ہلاکت کے بعد آپ یہاں آباد ہو گئے یہیں ان کی وفات ہوئی اور یہیں آپ کی قبر ہے۔ یہاں جو بھی آتا ہے زیارت کے لیے ہی آتا ہے کیونکہ اس قبر کے ساتھ کوئی آبادی نہیں ہے۔

پچھلی امتوں اور قوموں کے یہ واقعات محض قصے کہانیاں نہیں ہیں بلکہ عبرت بین نگاہوں کے لیے غور و فکر کی دعوت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے ساتھ عبادت و بندگی کے فرائض بجا لانے کے علاوہ پیغمبران عظام کے لائے ہوئے احکام الٰہی کی پابندی کے سوا کوئی راہ نجات نہیں اور تمدنی و معاشرتی زندگی کے معاملات جسے حقوق العباد کا نام دیا گیا ہے ان کی انجام پذیری کے بغیر دنیاوی زندگی کا فساد ختم نہیں ہو سکتا۔

ہماری غلطیوں میں سب سے بڑی غلطی عرصہ سے یہ ہی چلی آ رہی ہے کہ ہم قرآن مجید کی تعلیم سے یکسر غافل ہونے کے سبب یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ اسلامی زندگی کے ارکان میں صرف عبادات ہی اہم رکن ہیں اور باقی معاملات میں درست کاری اور اصلاح معاشرہ کو اسلام میں کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ موجودہ دور میں مفسرین امت کا تو ذکر ہی کیا اکثر متقی اور پرہیزگار بھی حقوق العباد کے معاملات میں بے پرواہ نظر آتے ہیں جبکہ حقوق العباد کی حفاظت' معاشرتی درستگی اور معاملات میں دیانت و امانت کو اسلام میں کس درجہ اہم شمار کیا گیا ہے کہ جن قوموں نے ان پر عمل درآمد سے انکار کیا اور خدا کی ہدایت پر توجہ نہ دی ان کا نام و نشان تک مٹا دیا گیا۔

حضرت موسیٰ و ہارون علیہم السلام

قرآن مجید میں بنی اسرائیل کا ذکر حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں صرف اسی قدر ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کا خاندان حضرت یوسف علیہ السلام سے ملنے مصر آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تشریف لانے سے قبل صدہا سال بنی اسرائیل کے حالات کے بارے کوئی مصدقہ تاریخی ورثہ دستیاب نہیں۔ تاہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں ایک دفعہ پھر قرآن حکیم بنی اسرائیل کے حالات بڑی تفصیل سے سناتا ہے۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں مصر میں ہی بس گئے تھے اور ان کی تاریخ گزشتہ صدیوں میں مصر سے وابستہ رہی۔ کئی روایات تورات میں اس کی تائید کرتی ہیں کہ بنی اسرائیل حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تمام مدت مصر میں آباد رہے۔

تاریخ میں یہ امر کسی شبہ سے بالاتر ہے کہ فرعون شاہان مصر کا لقب تھا۔ کسی خاص بادشاہ کا نام نہیں تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ تین ہزار سال قبل مسیح سے شروع ہو کر سکندر کے عہد تک فراعنہ کے اکتیس خاندان مصر پر حکمران رہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے کے فرعون کا نام ہیکسوس بتایا گیا ہے جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد کا فرعون علماء کی جدید تحقیق کے مطابق ریمیسیس ثانی کا بیٹا منفتاح تھا جس کا دور حکومت 1292 ق۔م سے شروع ہو کر 1225 ق۔م پر ختم ہوا۔ 1

اس تحقیقی روایت پر احمد یوسف احمد آفندی نے ایک مستقل مضمون لکھا۔ یہ مصری دارالاثار کے مصور تھے اور تحقیق کے بہت بڑے عالم۔ ان کی تحقیق کے مطابق بھی یہی ریمیسیس ثانی مصر کے حکمرانوں کے انیسویں خاندان سے تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا فرعون تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اسی فرعون کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور اسی کی آغوش میں پرورش پائی۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ جو قبائل بنی اسرائیل مصر کے قریب آباد تھے ان کے اور فراعنہ کے اس خاندان کے درمیان متواتر نو سال تک سخت جنگ رہی۔ اس وجہ سے فرعون نے اس

خوف سے کہ کہیں بنی اسرائیل کا یہ عظیم قبیلہ جو لاکھوں نفوس پر مشتمل ہے اندرونی بغاوت پر آمادہ نہ ہو جائے بنی اسرائیل کو ان مصائب میں مبتلا رکھنا ضروری سمجھا جن کا ذکر قرآن میں کیا گیا ہے۔

"ریمیسس ثانی اس زمانہ میں معمر ہو چکا تھا اس لئے اس نے اپنی زندگی میں ہی اپنے بیٹے منفتاح کو شریک حکومت کر لیا تھا۔ ریمیسس کی ڈیڑھ سو اولاد میں سے یہ تیرہواں لڑکا تھا۔ لہٰذا منفتاح ہی وہ فرعون ہے جس کو حضرت موسیٰ و ہارون علیہ السلام نے اسلام کی دعوت دی اور بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ اسی فرعون کے زمانے میں بنی اسرائیل مصر سے نکلے اور یہ ہی فرعون تھا جو معہ اپنے لشکر کے غرق دریا ہوا۔"

تورات میں بھی روایت ہے اور دیگر مورخین بھی یہ کہتے ہیں کہ فرعون کو بنی اسرائیل کے ساتھ اس لئے عداوت ہو گئی تھی کہ اس زمانہ کے کاہنوں اور نجومیوں نے اس کو بتایا تھا کہ تیری حکومت کا زوال ایک اسرائیلی لڑکے کے ہاتھ سے ہو گا۔ اس پر فرعون نے ایک جماعت کو مقرر کیا کہ وہ تلاش کے ساتھ اسرائیلی لڑکوں کو قتل کر دیں اور لڑکیوں کو چھوڑ دیا کریں۔

عمران کے گھر میں موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ آپ کے والد عمران کا نسب نامہ چند واسطوں سے حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ آپ کی ولادت ایسے زمانہ میں ہوئی جب کہ فرعون اسرائیلی لڑکوں کے قتل کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اس لئے آپ کی والدہ اور اہل خاندان آپ کی ولادت کے وقت سخت پریشان تھے کہ بچہ کو قتل ہونے سے کس طرح محفوظ رکھیں کیونکہ جاسوسوں کی وجہ سے زیادہ دیر تک یہ واقعہ پوشیدہ رہنے کی توقع نہ تھی۔ سخت پریشانی کے اس عالم میں خدائے قدوس نے مدد فرمائی۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں القا کیا کہ لکڑی کا ایک صندوق رال و روغن کی پالش سے بناؤ پھر بچہ کو صندوق میں رکھ کر نیل کے بہاؤ پر چھوڑ دو۔

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ایسا ہی کیا اور اپنی بڑی بیٹی آپ کی ہمشیرہ کو مامور کیا کہ صندوق کے بہاؤ کے ساتھ کنارے کنارے صندوق کو نگاہ میں رکھے اور دیکھے کہ خدا اس کی حفاظت کا وعدہ کس طرح پورا کرتا ہے۔

صندوق تیرتے ہوئے دریا کے اس کنارے آ لگا جہاں فرعون کا شاہی محل تھا۔ فرعون کے گھرانے کی ایک عورت نے خادموں کے ذریعے صندوق کو اٹھوا لیا اور محل میں لے گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ نے یہ سب کچھ دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا۔ قرآن نے اس عورت کو فرعون کی بیوی بتایا ہے۔ تاہم جب انہوں نے صندوق کھولا تو دیکھا کہ ایک حسین تندرست اور خوبصورت بچہ آرام سے لیٹا ہوا انگوٹھا چوس رہا ہے۔ فرعون کی بیوی نے بچہ دیکھا تو باغ باغ ہو گئی

اوراس کے دل میں اس کے لئے بے انتہا محبت پیدا ہوگئی۔ مگر ساتھ ہی گھر کے کسی فرد نے کہا کہ یہ تو اسرائیلی بچہ معلوم ہوتا ہے اس لئے اسے قتل کر دینا چاہئے۔ فرعون کو جب اس بچہ کے ملنے کی خبر ہوئی تو اسے بھی کاہنوں اور نجومیوں کی پیشین گوئی کا خیال آیا۔ فرعون کی بیوی نے جب اپنے شوہر کے تیور دیکھے تو کہا: اتنے پیارے بچے کو قتل نہ کرو کیا عجب کہ یہ میرے اور تیرے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک بنے۔ یا ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنالیں اور ہماری محبت اور تربیت اسے ہمارے لئے مفید بنا دے۔ رب العالمین کی کرشمہ سازی دیکھو کہ بچے کے دشمن کو ہی اس کی پرورش کا نگران بنا دیا۔

الغرض اب بچہ کی پرورش کے لئے دودھ پلانے والی عورتوں کو طلب کیا گیا مگر اللہ تعالیٰ نے بچہ کی طبیعت میں یہ بات پیدا فرمائی کہ وہ کسی دوسری عورت کا دودھ قبول نہ کرے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ نے جو دودھ پلانے والوں کے ساتھ آتی رہی یہ حالات دیکھے تو کہنے لگی کہ کیا میں تمہیں دایہ بتاؤں جو بہت اچھی ہے۔ شائد اس کا دودھ بچہ قبول کرلے۔ فرعون کی بیوی نے اس دایہ کو لانے کا حکم دیا۔ ادھر حضرت کی والدہ بے حد مضطرب بیٹھی تھی اور اپنے آپ کو یہ راز افشاں کرنے پر بے بس پا رہی تھی۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکون قلبی سے نوازا تو اسی وقت اس کی لڑکی اور سرکاری اہل کار نے آکر موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو کہا کہ اسے فرعون کے محل میں ایک بچے کو دودھ پلانے کے لئے بلایا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محل میں آئی تو بچے کو دیکھ کر گلے لگایا بہت محبت سے پیار کیا۔ بچے نے اس کا دودھ پینا شروع کر دیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے بچے کو اس کی والدہ کو لوٹا دیا کہ وہ خود اس کی دایہ بن کر پرورش کرے۔

تورات میں بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے بچے کا دودھ چھڑانے کا وقت آیا تو اسے فرعون کی بیوی کے سپرد کر دیا اور اس کے بعد عرصہ تک آپ شاہی محل میں زیر تربیت رہے۔ جب آپ شباب کے دور میں داخل ہوئے تو نہایت قوی الجثہ اور بہادر نوجوان نکلے۔ چہرے سے رعب ٹپکتا اور گفتگو سے ایک خاص وقار اور عظمت ظاہر ہوتی تھی۔ انہیں یہ معلوم ہو گیا تھا کہ وہ اسرائیلی ہیں اور حکمران خاندان سے ان کا کوئی رشتہ قرابت نہیں۔ بلکہ انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ بنی اسرائیل پر سخت مظالم ہو رہے ہیں اور وہ نہایت ذلت اور غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ حالات دیکھ کر آپ کا خون کھولنے لگتا۔ موقعہ بموقعہ ان کی حمایت میں پیش ہو جاتے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے اوصاف اس طرح بیان فرمائے ہیں۔

"اور جب (موسیٰ) پہنچا اپنے زور پر اور سنبھالا تو بخشا ہم نے اس کو (قوت) فیصلہ اور علم اور اس طرح ہم نیکو کاروں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔"

(قصص)

الغرض موسیٰ علیہ السلام اکثر شہر میں گشت کرتے رہتے حالات کا مشاہدہ کرتے اور بنی اسرائیل کی مدد فرماتے۔

ایک دن آپ شہری آبادی کے ایک کنارہ پر جا رہے تھے تو دیکھا کہ ایک مصری ایک اسرائیلی کو بیگار کے لئے گھسیٹ رہا ہے۔ اسرائیلی نے آپ کو دیکھ کر مدد کے لئے پکارا۔ آپ نے مصری کو اس کے جابرانہ سلوک سے روکا۔ جب وہ نہ مانا تو آپ نے غصہ سے مصری کو گھونسہ مارا جس کی ضرب برداشت نہ کر سکا اور موقعہ پر ہی ہلاک ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اسے قتل کرنے کا ارادہ نہ تھا۔ اس لئے آپ کو مصری کی موت پر افسوس ہوا۔

ندامت کے ساتھ محسوس کرنے لگے کہ یہ شیطان کا کام ہے اور خدا سے مغفرت کے خواستگار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مغفرت قبول کی اور بشارت سے نوازا۔ اس قتل کی بازگشت شہر میں سنائی دینے لگی۔ مصریوں نے فرعون کے پاس استغاثہ کیا مگر قاتل کا پتہ نہ چل سکا۔

حسن اتفاق سے دوسرے دن بھی وہی اسرائیلی کسی مصری سے جھگڑ رہا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس سے گزرے تو اسرائیلی نے آپ کو پھر مدد کے لئے پکارا۔ آپ نے پہلے مصری کو باز رکھنے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور ساتھ ہی اسرائیلی کو جھگڑا نہ کرنے کو کہا۔ پھر اسرائیلی کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اسے جھڑکتے ہوئے کہا کہ تو بلاشبہ کھلا گمراہ ہے۔ اسرائیلی نے آپ کو ہاتھ بڑھاتے اور جھڑکتے دیکھا تو وہ سمجھا آپ آج مجھے مارنے کے لئے ہاتھ بڑھا رہے ہیں۔ تو اس نے شور مچا دیا اور کہا کہ

"جس طرح تو نے کل ایک جان (قبطی) کو ہلاک کر دیا تھا اسی طرح آج مجھ کو قتل کرنا چاہتا ہے۔"

مصری یہ سن کر بھاگا بھاگا فرعون کے پاس پہنچا اور انہیں مصری کے قتل کی داستان سنائی کہ قاتل موسیٰ علیہ السلام ہے۔ فرعون نے یہ سن کر آپ کی گرفتاری کا حکم دے دیا اسی وقت ایک معتبر مصری جو خفیہ طور پر موسیٰ علیہ السلام کا معتقد تھا فوراً اٹھا اور جا کر موسیٰ علیہ السلام کو آگاہ کیا اور مشورہ دیا کہ مصلحت یہی ہے کہ اپنے آپ کو بچائیے اور کسی ایسے مقام میں ہجرت کر جائیے جو فرعون کی دسترس سے باہر ہو۔ آپ نے اس کا مشورہ قبول کیا اور فوراً ہی چپکے سے ارض مدین کی جانب روانہ ہو گئے۔ قرآن میں بھی اس مصری مخبر کا ذکر اس طرح ہے۔

"اور شہر کے آخری کنارہ سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا۔ اور کہا: اے موسیٰ

دربار والے مشورہ کرتے ہیں تیرے متعلق کہ تجھ کو مار ڈالیں۔ سو نکل جا میں تیرا بھلا چاہنے والا ہوں۔ (قصص)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر سے روانہ ہونے کا ارادہ فرمایا تو مدین کو اس لئے منتخب کیا کہ مدین مصر سے آٹھ منزل پر واقع تھا اور وہاں کے لوگ موسیٰ علیہ السلام کے قرابت دار تھے۔ آپ خود حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل سے تھے جب کہ مدین کا ایک بڑا قبیلہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بھائی مدین بن ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے یہاں آباد تھا۔ طبری کی ایک روایت حضرت سعید بن جبیرؓ سے منقول ہے کہ اس طویل سفر میں آپ تنہا تھے اور کچھ پاس نہ تھا اور خوراک میں درخت کے پتوں کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔

آپ نے جب مدین کی سرزمین پر قدم رکھا تو کنویں کے ساتھ ایک درخت کے سائے میں استراحت کے لئے بیٹھ گئے اور دیکھا کہ کنویں کے سامنے بھیڑ لگی ہے اور جانوروں کو پانی پلایا جا رہا ہے اور فاصلہ پر دو لڑکیاں کھڑی ہیں اور اپنی بکریوں کو حوض کی طرف جانے سے روک رہی ہیں۔ آپ نے اندازہ لگایا کہ لڑکیاں کمزور اور ضعیف مگر شریف گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں اس لئے انتظار میں کھڑی ہیں کہ حوض مردوں سے خالی ہو تو وہ بکریوں کو پانی پلائیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ کیفیت دیکھ کر آگے بڑھے اور پوچھا کہ تم پانی کیوں نہیں پلاتیں۔ دونوں نے جواب دیا کہ یہ لوگ طاقتور ہیں اور ہم کو آگے بڑھنے سے روک دیتے ہیں ہمارے والد چونکہ بوڑھے ہیں وہ خود نہیں آ سکتے اس لئے ہم سب سے آخر میں پانی پلا لیتی ہیں۔ یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام خود بکریوں کو ساتھ لے کر بھیڑ چیرتے ہوئے حوض پر لے گئے اور انہیں پانی پلا کر واپس آئے تو لڑکیاں اپنے ریوڑ کو لے کر گھر چلی گئیں مگر آپ اسی درخت تلے آرام کرتے رہے۔

لڑکیاں آج خلاف معمول بکریوں کو پانی پلا کر بہت جلد گھر آ گئیں تو والد نے تعجب سے جلد واپس آنے کے متعلق پوچھ لیا۔ لڑکیوں نے گزرا ہوا واقعہ سنایا اور ایک لڑکی نے کہا پانی پلانے والا مسافر معلوم ہوتا ہے۔ ان کے والد نے کہا کہ ایک لڑکی جا کر اس مسافر کو گھر لائے تاکہ اسے احسان کا بدلہ دیا جائے۔ لڑکی گھر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلانے نکلی تو ادھر آپ نے جو مسافری کی حالت میں بھوک اور پیاس سے نڈھال تھے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ اس وقت جو بھی بہتر سامان میرے لئے تو کرے اور اپنی قدرت سے نازل فرمائے تو اس کا میں محتاج ہوں ... ان لڑکی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچی اور اسے اپنے والد کا پیغام دیا کہ وہ ان کے

گھر آئیں۔ آپ نے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی دعا کے قبول ہونے کا پیش خیمہ سمجھا اور اس کے ساتھ ہو لئے مگر لڑکی کو اپنے پیچھے چلنے کو کہا اور یہ کہ اشارے سے راستہ کی رہنمائی کرے۔ چلتے چلتے منزل مقصود پر پہنچ کر اس بزرگ صورت انسان سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ بزرگ نے پہلے کھانا کھلایا پھر اطمینان سے بٹھا کر اس کے حالات دریافت کئے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے من وعن سنا دیئے جو آپ کی ولادت اور مصر سے ہجرت تک محیط تھے۔ بزرگ نے آپ کو تسلی دی کہ خدا کا شکر کرو کہ تمہیں ظالموں سے نجات مل گئی ہے اب کوئی خوف وفکر کی بات نہیں۔

دونوں لڑکیوں میں سے ایک نے جو اس مسافر کو بلانے گئی تھی والد کو کہا کہ آپ اس مہمان کو اپنے مویشیوں کو پانی پلانے اور چرانے کے لئے اجیر رکھ لیں۔ اجیر وہی بہتر ہے جو قوی بھی ہو اور امانت دار بھی۔ پانی پلاتے وقت اس مسافر نے قوت کا مظاہرہ کیا اور امانت دار ہونے کا ثبوت گھر لاتے وقت اس کے لڑکی سے آگے آگے چلنے سے واضح ہوا۔

بزرگ باپ نے بیٹی کی گفتگو سنی تو بہت مسرور ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اگر تم آٹھ سال تک میرے پاس رہو میری بکریاں چراؤ تو میں اس بیٹی کی تم سے شادی کرنے کو تیار ہوں اور یہی اس لڑکی کا مہر ہوگا اور اگر مدت کو دو سال بڑھا دو تو اور بھی بہتر ہوگا لیکن مدت میں یہ زیادتی تمہاری خوشی پر منحصر ہوگی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس شرط کو منظور کر لیا یوں باہمی رضا مندی سے یہ معاہدہ طے پا گیا۔ اس امر میں مورخین مختلف الخیال ہیں کہ نکاح اسی وقت ہو گیا یا مدت پوری کرنے کے بعد لیکن اکثر مورخین کی رائے یہ ہے کہ مدت پوری کرنے کے بعد نکاح ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی بیوی کو ساتھ لے کر روانہ ہو گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بزرگ میزبان کون تھے۔ مفسرین، اصحاب سیر اور عرب کی ایک بڑی جماعت کا خیال ہے کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام تھے۔ حضرت حسن بصریؒ بھی یہ ہی کہتے ہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام تھے۔ ابن ابی حاتم نے بھی مالک بن انسؓ سے روایت نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ بزرگ حضرت شعیب علیہ السلام تھے۔

علاوہ ازیں کسی نے آپ کو حضرت شعیب علیہ السلام کا برادر زادہ یژون بتایا ہے۔ بعض بزرگ کو حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا ایک مرد مومن قرار دیتے ہیں۔

الغرض قرآن حکیم نے کہیں بھی بزرگ میزبان کو حضرت شعیب علیہ السلام نہیں بتایا صرف شیخ کبیر سے خطاب کیا ہے آخر کار بہت سے علماء نے اس علم کو خدا کے سپرد کیا ہے۔

بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک عرصہ مدین میں قیام کے بعد معہ اپنے اہل وعیال

کے وہاں سے رخصت ہوئے۔ مدین سے ایک منزل ہی سفر کیا کہ رات ہوگئی۔ رات سخت سرد تھی اس لئے آگ کی جستجو ہوئی۔ سامنے کوہ سینا کا سلسلہ نظر آ رہا تھا۔ وادی میں نگاہ دوڑائی تو ایک شعلہ چمکتا ہوا نظر آیا۔ بیوی سے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو میں آگ لے آؤں تاکہ تاپنے کا انتظام ہو جائے اور اگر کوئی وہاں رہبر مل گیا تو راستے کا پختہ کھوج بھی مل جائے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ درخت پر روشنی ہے جو اسے جلاتی نہیں اور بجھتی بھی نہیں۔ آپ جوں جوں اس کے قریب جاتے آگ دور ہوتی جاتی۔ یہ دیکھ کر آپ نے خوف محسوس کیا اور ارادہ کیا کہ واپس ہو جائیں۔ جونہی آپ پلٹے آگ قریب آگئی اور اس میں سے آواز آئی۔

''اے موسیٰ میں ہوں اللہ۔ پروردگار جہانوں کا۔'' (قصص) اور سورہ طٰہ میں فرمایا:

پس جب موسیٰ اس آگ کے قریب آئے تو پکارے گئے۔ اے موسیٰ میں ہوں تیرا پروردگار پس اپنی جوتی اتار دے تو طویٰ کی مقدس وادی میں کھڑا ہے۔ میں نے تجھ کو اپنی رسالت کے لئے چن لیا ہے۔ پس جو کچھ وحی کی جاتی ہے اس کو کان لگا کر سن۔

اب اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام اپنی لاٹھی کو زمین پر ڈال دو۔ آپ نے لاٹھی زمین پر رکھی تو وہ اژدھا بن کر دوڑنے لگی۔ یہ حیرت انگیز واقعہ دیکھا تو خوف سے گھبرا گئے اور پلٹے تو آواز آئی موسیٰ اس کو پکڑ لو اور خوف نہ کھاؤ ہم اس کو اصلی حالت پر لوٹا دیں گے آپ نے جونہی اس پر ہاتھ ڈالا تو وہ لاٹھی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کو دوبارہ حکم ہوا کہ اپنے ہاتھ گریبان میں اندر لے جا کر بغل سے مس کرو پھر دیکھو وہ مرض سے پاک بے داغ چمکتا ہوا نکلے گا۔

پھر ارشاد ہوا: موسیٰ یہ ہماری جانب سے تمہاری نبوت و رسالت کے دو بڑے نشان ہیں۔ جو تمہارے پیغام صداقت کی تائید کریں گے اب جاؤ فرعون اور اس کی قوم کو ہدایت کی راہ دکھاؤ۔ انہوں نے بہت سرکشی اور نافرمانی اختیار کر رکھی ہے۔ اور اپنے تکبر اور ظلم سے انہوں نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔ سو ان کو غلامی سے نجات دلاؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نبوت و رسالت کا اعزاز ملنے کے ساتھ خدا کے آگے اپنی معروضات پیش کیں کہ ان سے ایک قبطی کا خون ہو چکا ہے ایسا نہ ہو کہ وہ مجھے قتل کرا دیں۔ میری گفتگو میں روانی نہیں میری نسبت میرا بھائی ہارون علیہ السلام زیادہ فصیح البیان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اطمینان دلایا کہ تیرے خلاف کچھ نہیں ہوگا اور یہ کہ تیرے بھائی ہارون علیہ السلام کو بھی منصب رسالت عطا کر کے تمہارا شریک کار کر دیا گیا ہے۔ اب تم دونوں اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی کے لئے جاؤ چنانچہ آپ مصر روانہ ہو گئے منزلیں طے کرتے ہوئے مصر پہنچ کر اپنے گھر داخل ہو گئے والدہ ماجدہ سے ملاقات کی اسی وقت ہارون علیہ السلام بھی آ گئے تو انہوں نے رسالت کا منصب عطا ہونے اور بذریعہ وحی موسیٰ علیہ السلام کے گزرے حالات سے باخبر ہونے کا ذکر کیا۔ والدہ کی آنکھوں نے ٹھنڈک حاصل کی۔ تورات میں ان واقعات کو اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔

بہر حال حضرت موسیٰ و ہارون علیہ السلام کے درمیان گزشتہ واقعات پر گفتگو ختم ہوئی تو دونوں نے طے کیا کہ اب حکم الٰہی کے مطابق فرعون کے پاس چلنا چاہئے اور پیغام الٰہی سنانا چاہئے چنانچہ دونوں بھائی اور خدا کے سچے پیغمبر فرعون کے دربار میں پہنچے اور بے خوف و خطر اس کے تخت کے قریب آ گئے اور اپنے آنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اے فرعون! ہم کو خدا نے اپنا پیغمبر اور رسول بنا کر تیری طرف بھیجا ہے۔ ہم تجھ سے دو اہم باتیں چاہتے ہیں ایک یہ کہ اللہ پر یقین لا اور کسی کو اس کا شریک اور ساجھی نہ بنا۔ دوسرے یہ کہ ظلم سے باز آ۔ اور بنی اسرائیل کو اپنی غلامی سے آزاد کر دے۔ ہم جو کچھ تجھے کہہ رہے ہیں۔ یقین رکھ یہ بناوٹ اور تصنع نہیں اور نہ ہم کو جرأت ہو سکتی ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کے ذمہ غلط باتیں لگائیں۔ ہماری صداقت کے لئے ہماری تعلیم خود شاہد ہے آپ نے بیان جاری رکھتے ہوئے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو دو زبردست نشانیاں (معجزات) عطا فرمائی ہیں۔ تیرے لئے مناسب یہی ہے کہ حق و صداقت کے اس پیغام کو قبول کر۔

فرعون نے جب یہ سنا تو کہنے لگا: موسیٰ علیہ السلام آج تو پیغمبر بن کر میرے سامنے بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ کرتا ہے۔ وہ دن بھول گیا جب تو نے میرے گھر میں پرورش پائی اور جوان ہوا کیا تو یہ بھی بھول گیا کہ تو نے ایک مصری کو قتل کیا اور بھاگ گیا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے فرعون صحیح ہے کہ میں نے تیرے گھر میں پرورش پائی اور ایک مدت تک شاہی محل میں رہا اور مجھے یہ بھی اعتراف ہے کہ غلطی کی بنا پر نادانستہ بلا ارادہ ایک شخص مجھ سے قتل ہو گیا جس کے سبب میں یہاں سے چلا گیا۔ لیکن یہ خدا تعالیٰ کی رحمت کا کرشمہ ہے کہ اس نے تمام مجبوریوں کی حالت میں تیرے ہی گھر میں پرورش کرائی اور پھر مجھ کو اپنی نعمت' نبوت ورسالت سے سرفراز کیا۔

موسیٰ علیہ السلام نے جب خدائے واحد کی پرستش کے حق میں اور دیوتاؤں کی پوجا کے خلاف آواز بلند کی اور فرمایا "انی رسول من رب العلمین" یعنی (میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں) تو فرعون موسیٰ علیہ السلام سے مناظرہ کرنے لگا اور کہا کہ اے موسیٰ علیہ السلام یہ تو نئی بات کیا سناتا ہے کیا میرے علاوہ بھی کوئی رب ہے جسے تو رب العالمین کہتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ میرا رب العالمین وہ ذات مقدس ہے جس کے قبضہ قدرت میں آسمان وزمین اور ان کے درمیان تمام مخلوق کی ربوبیت ہے۔ اے فرعون کیا تو دعویٰ کر سکتا ہے کہ انہیں تو نے پیدا کیا ہے اور تمام مخلوقات کی ربوبیت تیرے ہاتھ ہے۔ اگر ایسا نہیں اور بلاشبہ نہیں تو پھر رب العالمین کی ربوبیت سے انکار کیوں۔ یہ دلائل سن کر فرعون نے اہل دربار کی طرف دیکھ کر کہا۔ کیا تم سنتے ہو یہ کیسی عجیب بات کہہ رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی تمسخرانہ بات نظر انداز کرتے ہوئے اپنا سلسلہ بیان جاری رکھتے ہوئے پھر فرمایا: رب العالمین وہ ہستی ہے جس نے تجھے پیدا فرمایا اور تیری تربیت کی بلکہ تیرے آباؤ اجداد کو بھی پیدا فرما کر ان سب کی پرورش کی۔ فرعون نے ان زبردست دلائل کو سنا اور کوئی جواب بن نہ پڑا تو درباریوں کو کہا کہ مجھے تو یہ مجنوں اور پاگل معلوم ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مزید دلائل سے فرعون کے رہے سہے اوسان بھی خطا کر دیئے فرمایا کہ میرا ربّ العالمین وہ ہے جس کے ید قدرت میں مشرق و مغرب اور اس کے درمیان ساری کائنات کی ربوبیت ہے۔ اے فرعون اور اہل دربار اگر تم ذرا سی بھی سمجھ بوجھ سے کام لو تو بآسانی حقیقت کو پاسکتے ہو۔

الغرض حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق برابر شیریں کلامی اور نرم گفتگو کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کے توہین آمیز اور مجنوں جیسے سخت الفاظ صبر و خاموشی کے ساتھ سنتے رہے اور انہیں راہ ہدایت کی دعوت دیتے رہے اور رسالت کے فرائض ادا کیے۔

ایک مرتبہ پھر موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو یاد دلایا کہ تو صحیح راستہ پر نہیں۔ رب العالمین ہی وہ ذات واحد ہے جو پرستش کے لائق ہے اس کے مقابلہ میں کسی انسان کا دعویٰ ربوبیت کھلا ہوا شرک ہے۔ اگر تو اس سے باز نہ آیا تو خدا کے عذاب کا مستحق ٹھہرے گا۔

حق و باطل کی اس مناظرانہ کشمکش میں فرعون نے اپنے لئے سخت خطرہ محسوس کیا اور ضروری سمجھا کہ اپنی سطوت و جبروت اور قہرمانیت کا اثر موسیٰ علیہ السلام پر ڈالے اور انہیں پیغام حق کی ترویج سے باز رکھے چنانچہ اس نے دھمکی دیتے ہوئے کہا: اے موسیٰ علیہ السلام اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود قرار دیا تو میں تجھ کو قید میں ڈال دوں گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فوراً جواب

دیا کہ اگر چہ میں تیرے پاس خدائے واحد کی جانب سے واضح نشانی لے کر آیا ہوں تب بھی۔ فرعون نے کہا کہ اگر واقعی تو اپنے دعویٰ میں سچا ہے تو کوئی نشانی دکھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھے اور بھرے دربار میں فرعون کے سامنے اپنی لاٹھی کو زمین پر ڈالا۔ اسی وقت لاٹھی نے اژدھا کی شکل اختیار کر لی۔ پھر آپ نے اپنے ہاتھ کو گریبان میں ڈال کر باہر نکالا تو وہ روشن ستارہ کی طرح چمکتا ہوا نظر آیا یہ دوسری نشانی اور دوسرا معجزہ تھا۔

فرعون اور اس کے درباریوں نے ایک اسرائیلی کے ہاتھوں اپنی شکست دیکھی تو تلملا اٹھے اور کہنے لگے: بلاشبہ یہ بہت بڑا ماہر جادوگر ہے اور چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے غالب آ کر مصر پر قبضہ کرے اور ہم سب کو مصر سے نکال دے۔ لہٰذا سوچنا چاہئے کہ اب ہمیں کیا کرنا ہے۔ آخر کار فرعون اور درباریوں کے باہمی مشورہ سے طے پایا کہ فی الحال موسیٰ و ہارون علیہ السلام کو مہلت دو اور اس دوران تمام ملک سے جادوگروں کو دارالسلطنت میں جمع کر کے پھر موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرو بلاشبہ وہ شکست کھائے گا۔ تب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہم سمجھ گئے ہیں کہ تو اس حیلہ سے ہم کو سرزمین مصر سے بے دخل کر دینا چاہتا ہے۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم اپنے جادوگروں کو اکٹھا کر کے تجھ کو شکست دیں۔ تیرے اور ہمارے درمیان مقابلہ کے دن جگہ اور وقت کا تعین ہونا چاہئے۔ جس سے نہ تو ٹلے نہ ہم۔ اور اس کے لئے بہتر وقت یوم جشن ہے اور سورج بلند ہونے پر ہم سب کو میدان میں موجود ہونا چاہئے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان یہ معاہدہ طے پا گیا اور فرعون نے اسی وقت اپنی قلمرو میں اہلکاروں کے نام احکام جاری کر دیئے کہ ملک میں تمام ماہر جادوگروں کو دارالحکومت روانہ کر دیا جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا زمانہ مصری تمدن کی جو تاریخ پیش کرتا ہے اس سے یہ بات بہت نمایاں ہے کہ مصری علوم و فنون میں سحر کو ایک مستقل علم و فن کی حیثیت حاصل تھی۔ سحر کے فن میں جس قدر کوئی زیادہ ماہر تھا اسی قدر اس کا رتبہ بڑا سمجھا جاتا اور اسے شاہی دربار میں بھی بڑا اثر و رسوخ حاصل ہوتا۔ جنگ، صلح، پیدائش و وفات اور اہم سرکاری معاملات میں انہی کی طرف رجوع کیا جاتا اور ان کے ساحرانہ نتائج کو وقعت دی جاتی۔ جادو پر مذہبی اعتبار سے اعتقاد رکھتے تھے۔ اس لئے اس فن کو سیکھتے بھی اور سکھاتے بھی۔ چنانچہ بابل، عراق، مصر، چین اور ہندوستان کی تاریخ اس کی شاہد ہے۔ اسی لئے فرعون اور اس کے ارکان حکومت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو بھی جادو سمجھا اور آپ کو (نعوذ باللہ) جادوگر۔

سحر کی کچھ حقیقت ہے یا وہ محض نظر کا دھوکا اور بے اصل شے ہے۔ اس کے متعلق جمہور

علماء اہل سنت کی رائے یہ ہے کہ سحر ایک حقیقت ہے اور مضرت رساں اثرات رکھتا ہے جس طرح زہر میں یا دوسری مضرت رساں ادویات میں۔ مگر یہ نہیں کہ سحر قدرت الٰہی سے بے نیاز ہو کر (العیاذ باللہ) خود موثر بالذات ہے۔ کیونکہ یہ عقیدہ خالص کفر ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ۔ ابو بکر جصاصؒ۔ ابو اسحاقؒ۔ امام شافعی اور معتزلہ کہتے ہیں کہ سحر کی حقیقت شعبدہ، نظر بندی اور فریب خیالی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ قطعاً درست نہیں کہ سحر کے ذریعہ کسی بھی ماہیت میں انقلاب برپا کیا جا سکتا ہے۔ ایک موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا:

''بلاشبہ بعض بیان جادو ہوتے ہیں۔'' (بخاری باب سحر)

پس فقہائے اسلام نے سحر کے متعلق تصریح کی ہے کہ جن اعمال سحر میں شیاطین، ارواح خبیثہ اور غیر اللہ سے مدد لی جائے اور منتروں کے ذریعے ان کی تسخیر سے کام لیا جائے تو وہ شرک کے مترادف ہے۔ اور جن اعمال میں ان کے علاوہ دوسرے طریقے استعمال کئے جائیں۔ اور ان سے دوسروں کو نقصان پہنچایا جائے وہ حرام اور گناہ ہیں۔ ارشاد نبویؐ ہے کہ:

''مہلک باتوں سے بچو یعنی شرک اور جادو سے۔''

الحاصل موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور ید بیضا کے نشانات (معجزہ) اس لئے عطا فرمائے کہ ان کے زمانے میں مصر سحر اور جادو کا مرکز تھا اور فن سحر شباب پر تھا اور مصریوں نے تمام دنیا کے مقابلہ میں اس کو اوج کمال تک پہنچا دیا تھا۔

لہٰذا سنت اللہ کا تقاضا تھا کہ ایسے زمانے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایسے معجزات عطا کئے جائیں جو اس وقت کے رائج باطل اسباب کا مقابلہ کر سکیں اور مخالف قوتوں کو باور کرا دیں کہ پیغمبران خدا کے پاس جو قوت و طاقت ہے وہ انسانی صنعتوں اور عجوبہ کاریوں سے بہت بلند اور بشری دسترس سے باہر ہے۔ تاکہ اس طرح عوام و خواص کو ان کی صداقت اور من اللہ ہونے کا یقین آ جائے۔ بہر حال یوم جشن آ پہنچا۔ میدان جشن میں شاہانہ کروفر کے ساتھ فرعون تخت نشین ہو گیا۔ درباری بھی حسب مراتب قرینے سے بیٹھ گئے۔ فرعون بہت مسرور ہے اس یقین پر کہ ساحران مصر ان دونوں کو جلد ہی شکست دے دیں گے۔ اور ساحروں کی حوصلہ افزائی کے لئے کہہ رہا ہے کہ تم اگر موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے تو نہ صرف انعام و اکرام سے مالا مال کئے جاؤ گے بلکہ میرے دربار میں خاص مراتب بھی پاؤ گے۔

شہر شہر سے آئے ہوئے لاکھوں لوگ اکٹھے ہو گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون

علیہ السلام بھی تشریف لے آئے۔ تمام جادوگر اپنے اپنے جادو سے لیس میدان میں آئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے جادو کا مظاہرہ کرنے کی دعوت دی مگر آپ نے جادوگروں کو پہل کرنے کا موقعہ دیا۔ جس پر انہوں نے میدان لاٹھیوں اور رسیوں سے بھر دیا اور آناً فاناً وہ سب کچھ دیکھنے والوں کو چلتے پھرتے چھوٹے بڑے سانپ نظر آنے لگے۔ موسیٰ علیہ السلام نے بھی کچھ خوف محسوس کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنا عصا پھینکنے کا حکم دیا جونہی آپ نے عصا پھینکا وہ ایک عظیم اژدھا بن کر جادوگروں کے بنائے ہوئے چھوٹے سانپوں کو نگل گیا اور میدان صاف کر دیا۔

فرعونی جادوگر اپنے فن کے ماہر تھے یہ حالات دیکھ کر انہیں یقین آ گیا کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ عصا جادو سے نہیں بلکہ واقعی اللہ تعالیٰ کے حکم سے اژدھا بنا ہے اس لئے تمام جادوگروں نے اسی وقت اعلان کر دیا کہ ہم اللہ پر اور موسیٰ علیہ السلام کے لائے ہوئے دین پر ایمان لاتے ہیں اور پچھلے عقائد باطلہ سے توبہ کرتے ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے ساتھیوں کی کمر توڑ دی مگر فرعون اپنی جہالت پر قائم رہا۔ اس کے بعد بھی موسیٰ علیہ السلام جب کوئی معجزہ دکھاتے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر حجت قائم ہو جاتی تو اسی وقت فرعون وعدہ کرتا کہ یہ مصیبت ٹل جائے تو میں بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ بھیج دوں گا مگر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے وہ مصیبت ٹل جاتی تو اپنے وعدہ کے خلاف عمل کرتا۔

اللہ تعالیٰ نے یکے بعد دیگرے قوم فرعون پر طوفان ٹڈی دل' کپڑوں میں جوئیں' برتنوں اور کھانے میں مینڈک اور خون وغیرہ کے عذاب مسلط کئے اور فرعون ہر بار موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کرتا کہ کسی طرح یہ عذاب ہٹا دیجئے تو ہم بنی اسرائیل کو آزاد کر دیں گے۔ پھر جب عذاب ٹل جاتا تو ہر بار بدعہدی کرتا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اب اپنی قوم بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے نکل جائیں۔ موسیٰ علیہ السلام ایک رات قوم کو ساتھ لے کر شہر سے نکل گئے۔ فرعونیوں کو صبح معلوم ہوا کہ تمام قوم اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ چلی گئی ہے تو اپنی تمام افواج اور قوم قبط کے ایک جم غفیر کے ساتھ ان کا پیچھا کیا۔ بنی اسرائیل نے جب ایک دریا کو اپنے آگے پایا تو گھبرا گئے کہ اب فرعونی انہیں قابو کر لیں گے۔ اور موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی: "یعنی ہم تو پکڑے گئے" اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے بہ اذن الٰہی دریا کے پانی پر اپنا عصا مارا تو مارتے ہی دریا میں بارہ خشک راستے بن گئے۔ تو موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل ان راستوں سے پار گزر گئے۔ فرعونی افواج جو ان کے تعاقب میں تھیں وہ بھی ان بارہ راستوں میں داخل ہو گئیں تو بامر ربانی دریا کا پانی پھر مل کر رواں ہو گیا اور فرعون اپنی افواج کے ساتھ غرق آب

ہو گیا۔ مگر فرعون کی ہلاکت ظاہر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی لاش کو دریا سے باہر پھینک دیا' اور بنی اسرائیل نے آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا۔

فرعونیوں کی تباہی کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر آگے چلے اور ایک مقام پر لا کر ٹھہرایا۔ اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو بتایا کہ وہ ان کے پیچھے ان کے نائب ہوں گے اور خود کوہ طور پر تشریف لے گئے اور اللہ کے حکم سے وہاں 30 دن کے روزے رکھنے شروع کیے جب 30 دن پورے ہو گئے تو اللہ کے حکم سے 10 دن اور بڑھا دیے چالیس دن پورے کر کے اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف حاصل کیا۔ اللہ نے انہیں تورات سے نوازا۔ ساتھ ہی موسیٰ علیہ السلام کو اس فتنہ کی خبر دی جس میں آپ کی قوم مبتلا ہو گئی تھی۔ یعنی بنی اسرائیل نے 30 یوم کی واپسی کے وعدہ کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کا انتظار کیا جب وہ اس مدت کے ختم ہونے پر نہ آئے تو سامری کے بنائے ہوئے گائے کے بت کی پرستش پر قوم فرقوں میں بٹ گئی ان میں کچھ ہارون علیہ السلام کے ساتھ روکنے والے تھے اور کچھ نے گاؤ پرستی تو نہ کی مگر خاموش ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ سے قوم کے حالات سے واقف ہو کر موسیٰ علیہ السلام بڑے افسوس اور غصے میں قوم کے پاس پہنچے تو اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے ساتھ سختی سے پیش آئے۔ تورات کی تختیاں زمین پر رکھ دیں اور انہیں بالوں سے پکڑا کہ میرے بعد تم نے کیسی نیابت کی۔ ہارون علیہ السلام نے قوم کے سامنے اپنی بے بسی کا اظہار کر کے پورے حالات سے آگاہ کیا۔ پھر آپ نے سامری کو پکڑ لیا جس نے بنی اسرائیل کے سونے کے زیورات سے گائے کا بت بنا کر بنی اسرائیل کو کہا کہ یہ تمہارا رب ہے۔ جس پر ایک طبقہ بت پرستی کرنے لگا۔ موسیٰ علیہ السلام قوم کو راہ راست پر لائے اور سامری کو بددعا دی اور الگ کر دیا اور اس کے بنائے ہوئے بت کو جلا کر راکھ کر دیا۔ بنی اسرائیل کو یقین آ گیا کہ وہ فتنہ میں مبتلا ہو گئے تھے تو موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اپنے رب سے دعا کریں کہ ہمارے لئے توبہ کا دروازہ کھول دے جس سے ہمارے گناہ کا کفارہ ہو جائے۔ اس کام کے لئے آپ نے ساری قوم سے ایسے ستر صلحا اور نیک لوگوں کا انتخاب کیا جو نیکی اور صلاح میں ممتاز تھے۔ انہیں ساتھ لے کر کوہ طور کی طرف چلے تاکہ اللہ تعالیٰ سے ان کی توبہ قبول کرنے کے بارے میں عرض کریں۔ کوہ طور پہنچے تو سب کو ایک زلزلے نے آ لیا۔ تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ

"اے میرے پروردگار اگر آپ ان کو ہلاک ہی کرنا چاہتے تھے تو اس وفد

میں آنے سے پہلے ہلاک کر دیتے اور مجھے بھی ان کے ساتھ ہلاک کر دیتے کیا آپ ہم سب کو اس لئے ہلاک کرتے ہیں کہ ہم میں کچھ بیوقوفوں نے گناہ کیا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ تم میں سے جنہوں نے گائے کے بت کی پرستش کی اور وہ گروہ جو انہیں اس عمل شرک سے روکنے والی جماعت سے الگ رہا ایک دوسرے کو قتل کریں تو پھر ان کی توبہ قبول کر لی جائے گی اس حکم پر عمل درآمد کے بعد دونوں گروہوں کے افراد کو معاف کر دیا گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کو ساتھ لے کر شام کی طرف چل دیئے وہاں ایک شہر پر پہنچے جس پر جبار قوم قابض تھی۔ شکل وصورت اور قد وقامت میں بھی ہیبت ناک تھی۔ ان کی قوت و شوکت اور ظلم و جبر کے قصے مشہور تھے۔ موسیٰ علیہ السلام اس شہر میں داخل ہونا چاہتے تھے۔ مگر بنی اسرائیل پر ان جبارین کے حالات سن کر رعب چھا گیا اور کہنے لگے کہ اے موسیٰ علیہ السلام اس میں تو بڑے جبار اور ظالم لوگ ہیں ان کے مقابلہ کی ہم میں طاقت نہیں۔ اس وقت دو آدمیوں نے بنی اسرائیل کی ڈھارس بڑھانے کے لئے یقین دلایا کہ تم ذرا شہر کے دروازے تک چلے چلو تو دیکھ لینا کہ تم ہی غالب آؤ گے (یعنی جبارین ہتھیار ڈال دیں گے) اس کے باوجود انہوں نے مقابلہ سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ اگر آپ ان کا مقابلہ کرنا ہی چاہتے ہیں تو فاذھب انت وربک تم اور تمہارے رب جاؤ ہم یہاں بیٹھتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے بے شمار انعامات کے ساتھ ہر قدم پر ان کی سرکشی اور بے ہودگی کا مشاہدہ کرتے آ رہے تھے مگر صبر وتحمل سے کام لیتے رہے۔ کبھی ان کے لئے بددعا نہیں کی تھی۔ اس وقت قوم کے بے ہودہ جواب سے بہت دل شکستہ اور غمزدہ ہو گئے تو ان کے لئے بددعا کی۔ ان کے لئے فاسقین کے الفاظ استعمال فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی بنی اسرائیل کے لئے بددعا قبول فرمائی اور انہیں اس زمین مقدس سے چالیس سال تک کے لئے محروم کر دیا۔ اور اس کھلے میدان میں ان کو ایسا قید کر دیا کہ صبح سے شام تک چلتے مگر اپنے کو وہیں پاتے جہاں سے صبح کو چلتے۔ مگر چونکہ اللہ کے رسول موسیٰ علیہ السلام ابھی ان کے درمیان تھے۔ ان کی برکت اور طفیل سے ان کے کپڑے معجزانہ طور پر میلے نہ ہوتے نہ ہی پھٹتے، من وسلویٰ کھانے کو ملتا۔ آپ جب عصا پتھر پہ مارتے تو بارہ چشمے پانی کے جاری ہو جاتے۔

بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قول و عمل دونوں طریقوں سے سخت اذیتیں پہنچائیں۔ حتیٰ کہ بہتان طرازی اور تہمت تراشی سے بھی باز نہیں رہے۔ بت پرستی کی فرمائش، گوسالہ پرستی میں انہماک، تورات کو قبول کرنے سے انکار، ارض مقدس میں داخلہ سے انکار اور من و سلویٰ پر ناشکری غرض ہر ادائے فرض میں ضد، ہٹ دھرمی اور ہر معاملہ میں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جاہلانہ ردوکد کا ایک طویل سلسلہ رہا اور آپ صبر و ضبط کے ساتھ ایک اولوالعزم رسول کی طرح ان کو برداشت کرتے رہے۔ لیکن ارض مقدس میں داخلے سے انکار کا بیہودہ جواب سنا تو بہت افسردہ خاطر ہوئے اور انتہائی رنج و ملال کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں عرض کیا۔ بارالٰہی میں اپنے اور ہارون کے سوا کسی پر قابو نہیں رکھتا۔ سو ہم دونوں حاضر ہیں۔ اب تو ہمارے اور اس نافرمان قوم کے درمیان جدائی کردے یہ تو سخت نااہل ہیں۔

بنی اسرائیل کی پوری قوم چالیس سالہ سزا کے نتیجے میں اسی میدان میں پھرتے گھومتے رہے۔ بالآخر حضرت ہارون علیہ السلام کو پیغام اجل آ گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ کی تجہیز و تکفین کی رسوم ادا کیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام ان تمام صبر آزما حالات میں بھی جن کا ذکر گزشتہ سطور میں ہو رہا ہے بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت میں برابر مشغول و مصروف رہے۔

تا آنکہ آپ کی زندگی کا سفر بھی پورا ہو گیا جو ایک سو بیس سال پر محیط رہا۔

یہ تھے وہ کوائف و حالات جن کی بنا پر بنی اسرائیل کو منتخب کیا گیا اور تاریخ اس کا ثبوت بہم پہنچاتی ہے کہ اس قوم کی عام بدبختی کے باوجود اس کی ایک قلیل جماعت کے ذریعہ خدا کی رشد و ہدایت کا پیغام عرصہ دراز تک کائنات انسانی تک پہنچتا رہا اور ہزاروں برس کے بعد بنی اسرائیلیوں سے یہ نعمت سلب کر کے بنی اسماعیل کے حوالے کی گئی۔

ایسی تاریخی حکایات جو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اپنے نبی آخرالزماں ﷺ سے قرآن مجید میں بیان فرمائیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام، بنی اسرائیل، فرعون اور قوم فرعون کی یہ طویل داستان بھی محض ایک قصہ و حکایت ہی نہیں۔ بلکہ حق و باطل کے معرکے، ظلم و عدل کی جنگ، آزادی اور غلامی کی کشمکش، مجبور و پست کی سربلندی اور جابر اور سربلند کی پستی و ہلاکت، حق کی کامرانی، باطل کی ذلت اور رسوائی، صبر و ابتلا اور شکر و احسان کے مظاہر غرض ناسپاسی و ناشکری کے نتائج بد کی پرعظمت اور حقائق سے لبریز اور پرمغز ایسی سچی داستان ہے جس کی آغوش میں بے شمار عبرتیں اور ان گنت بصیرتیں پنہاں ہیں جو ہر صاحب ذوق کو دعوت نظر و فکر دیتی ہیں۔

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات میں آپ کے خادم تھے۔ حضرت ہارون و موسیٰ علیہما السلام کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ اور جانشین بنے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کنعان میں جابر اور مشرک قوموں کے حالات معلوم کرنے کے لیے جو وفد وہاں روانہ کیا تھا آپ اس وفد کے رکن تھے۔

تورات میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ہی آپ پر ظاہر کر دیا تھا کہ یوشع میرا خاص بندہ ہے اور بنی اسرائیل کے نوجوان اسی کی قیادت میں کنعان اور بیت المقدس کو جابر مشرکین سے پاک کریں گے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان ہی کی سربراہی میں چالیس برس بعد بنی اسرائیل کی نسل ارض مقدس میں داخل ہوئی اور انہوں نے کنعان، شام اور شرق اردن میں جابر و ظالم طاقتوں کو پامال کر دیا۔

قرآن حکیم میں حضرت یوشع علیہ السلام کا نام مذکور نہیں۔ سورہ کہف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سفر خاص میں ان کے نوجوان رفیق سفر کا دو جگہ ذکر ہوا ہے۔ حضرت ابی ابن کعب سے منقول ہے کہ اس نوجوان رفیق سفر کا نام یوشع تھا۔ اہل کتاب بھی حضرت یوشع کو نبی مانتے ہیں۔

حضرت یوشع علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو خدا کا پیغام سنایا تو وہ سب دشت سینا سے نکل کر ارض کنعان کے بڑے شہر کی جانب بڑھے اور دشمنوں کو للکارا' آخر سخت مقابلہ کے بعد دشمن کو شکست فاش دی اور اسی طرح شہر بہ شہر لڑتے لڑتے تمام ارض مقدس پر قابض ہو گئے اور ایک دفعہ پھر اپنے آبائی وطن کے مالک کہلائے۔

تورات میں ہے کہ بنی اسرائیل جب ارض مقدس کی جنگ کے لیے تیار ہوئے تو اللہ کے حکم سے تابوت سکینہ ان کے ساتھ تھا جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصاء' حضرت ہارون علیہ السلام کا پیرہن اور دیگر تبرکات بھی تھے۔

قرآن مجید میں بھی ذکر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو جنگ میں فتح عطا

فرمائی اور ان کا شہر میں فاتحانہ داخلہ ہونے لگا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ مغرور اور متکبرانہ انسانوں کی طرح داخل نہ ہونا بلکہ خدا کا شکر کرنے والوں کی طرح بارگاہ الٰہی میں خشوع کے ساتھ جھکتے ہوئے اور استغفار کرتے ہوئے داخل ہونا۔ مگر فتح و نصرت کے بعد بنی اسرائیل کی سرشت غالب ہوئی اور وہ احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے تکبر اور غرور کے ساتھ بستی میں داخل ہوئے تو اس کھلم کھلا سرکشی کے باعث جزاء اعمال کے قانون الٰہی نے ان پر آسمان سے عذاب نازل فرمایا۔ کیونکہ سچے اور نیاز مند بندوں اور متکبر انسانوں میں یہ ہی وجہ امتیاز ہے کہ فرمانبردار بندے کسی اپنی ذاتی غرض کے لیے نہیں لڑتے بلکہ خدا کے دشمنوں' مفسد انسانوں کے ظلم و بغاوت کو مٹانے کے لیے جنگ کرتے ہیں اور جب انہیں فتح و نصرت ملتی ہے تو وہ اپنی مسرت اور شادمانی کا اظہار غرور اور تکبر سے نہیں کرتے بلکہ خدا کے حضور سجدہ ریز ہو کر اس کا شکر بجالاتے ہیں۔

اس موقعہ پر بنی اسرائیل پر کیسا عذاب آیا اس کی تفصیل نہیں بتائی گئی۔ کیونکہ ان کی ساری جماعت اس سرکشی کی مرتکب نہ ہوئی تھی بلکہ ان کے کچھ لوگوں سے یہ جرم سرزد ہوا تھا باقی قوم نے خدا کے حکم کی تعمیل میں حضرت یوشع علیہ السلام کی پیروی کی۔

حضرت یوشع علیہ السلام بنی اسرائیل کی نسل میں حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ خدا کی کرشمہ سازیوں کا یہ عجیب مظاہرہ ہے کہ جس یوسف علیہ السلام کی بدولت کنعان کے ستر انسانوں پر مشتمل خاندان جاہ و جلال کے ساتھ مصر میں داخل ہو کر آباد ہوا' آج اس کے پوتے یوشع علیہ السلام کی قیادت میں لاکھوں انسانوں کا یہ خاندان پھر اپنے آبائی وطن کنعان میں عزت و عظمت اور سطوت و جبروت کے ساتھ داخل ہو رہا ہے۔

حضرت حزقیل علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد انبیائے بنی اسرائیل کا ایک طویل سلسلہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ صدہا سال کے اس طویل دور میں کس قدر انبیاء و رسل مبعوث ہوئے یہ تو رب ذوالجلال والاکرام ہی جانتا ہے۔ قرآن کریم میں ان میں سے کچھ پیغمبران عظام کا ذکر ہے۔ بعض کا تفصیل سے بعض کے متعلق اجمالی طور پر اور کچھ کا صرف نام ہی بتا دیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل کے ان پیغمبران کرام کے مبعوث ہونے کی ترتیب کا مسئلہ پیچیدہ ہے تاہم ابن جریر طبری اور ابن کثیر کی ترتیب کو زیادہ راجح بتایا گیا ہے۔

طبری ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت حزقیل علیہ السلام نے بھی بنی اسرائیل کی روحانی اور دنیوی قیادت و رہنمائی کا فرض انجام دیا۔ حضرت حزقیل علیہ السلام کے والد کا انتقال بچپن میں ہی ہو گیا تھا اور جب آپ کی بعثت کا زمانہ قریب آ گیا تو آپ کی والدہ بہت ضعیف اور معمر ہو چکی تھیں' اس لیے اسرائیلیوں میں ابن العجوز کے لقب سے مشہور تھے۔

حضرت حزقیل علیہ السلام عرصہ دراز تک بنی اسرائیل میں تبلیغ کا حق ادا کرتے رہے اور ان میں دین و دنیا کی راہنمائی کا فرض انجام دیتے رہے۔ حضرت حزقیل علیہ السلام کے زمانہ بعثت میں ایک واقعہ کے متعلق کتب تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس اور دیگر صحابہ کرام سے یہ روایت نقل ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک بڑی جماعت سے جب ان کے بادشاہ یا پیغمبر حضرت حزقیل علیہ السلام نے یہ کہا کہ فلاں دشمن سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ اور اعلائے کلمۃ اللہ کا فرض ادا کرو تو وہ اپنی جانوں کے خوف سے بھاگ کھڑے ہوئے اور یہ یقین کر کے کہ اب موت سے بچ کر محفوظ ہو گئے ہیں ایک وادی میں قیام پذیر ہو گئے تو حضرت حزقیل علیہ السلام نے ان کے اس فرار کو خدا کے حکم کی خلاف ورزی سمجھا اور قضا و قدر کے فیصلہ سے روگردانی کے سبب اظہار ناراضگی کرتے ہوئے ان کے لیے بددعا کی۔ اللہ تعالیٰ کو بھی ان کی یہ حرکت ناگوار ہوئی۔ بہرحال اللہ کے غضب نے ان پر موت طاری کر دی اور وہ سب موت کی آغوش میں چلے گئے۔

چند یوم بعد حضرت حزقیل علیہ السلام کا ان پر گزر ہوا تو ان کی حالت دیکھ کر افسوس کا اظہار کیا اور دعا مانگی کہ یارب العالمین ان کو موت کے عذاب سے نجات دے تاکہ ان کی زندگی خود ان کے لیے اور دوسروں کے لیے عبرت اور بصیرت بن جائے۔ پیغمبر کی دعا قبول ہوئی اور وہ زندہ ہو کر باعث عبرت وبصیرت بنے۔

قرآن مجید میں اس واقعہ کو یوں بیان کیا گیا ہے:

(اے مخاطب) کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے ہزاروں کی تعداد میں نکلے۔ پھر اللہ نے فرمایا کہ مر جاؤ۔ پھر ان کو زندہ کر دیا۔ بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے۔ لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے (سورۃ بقرہ)

بہرحال حضرت حزقیل علیہ السلام دم آخر تک بنی اسرائیل کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے احکام الٰہی کی تبلیغ اور دین اسلام کی دعوت دیتے رہے اور اس خطے میں کاروان اسلام کی پیغمبرانہ قیادت فرماتے رہے اور پیغمبر آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت دیتے رہے جو ساری دنیا کے ہادی اور سراپا رحمت بن کر آنے والے تھے۔

حضرت حزقیل علیہ السلام کب انتقال فرما گئے اور کس جگہ آپ سپرد خاک ہوئے اس کا ذکر نہیں ملتا۔

حضرت الیاس علیہ السلام

حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید میں کچھ صراحت کے ساتھ موجود ہے آپ حضرت حزقیل علیہ السلام کے جانشین پیغمبر خدا ہیں اور بنی اسرائیل میں ایلیا کے نام سے مشہور ہیں۔ البتہ انجیل میں آپ کو یوحنا نبی کہا گیا ہے۔ مگر قرآن مجید میں بڑے واضح طور پر آپ کو الیاس کا نام دیا گیا ہے۔ طبری کہتے ہیں کہ آپ حضرت الیسع علیہ السلام کے چچازاد بھائی تھے اور یہ کہ آپ کی بعثت حضرت حزقیل علیہ السلام کے بعد ہوئی ہے۔ جبکہ بعض مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ کا نسب نامہ حضرت ہارون علیہ السلام سے ملتا ہے۔ حضرت الیاس علیہ السلام کی بعثت کے متعلق مفسرین اور مورخین کہتے ہیں کہ آپ شام کے باشندوں کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے اور بعلبک کا مشہور شہر آپ کی رسالت وہدایت کا مرکز تھا۔ حضرت الیاس علیہ السلام کی مخاطب قوم مشہور بت بعل کی پرستار توحید سے بیزار اور شرک میں مبتلا تھی۔ آپ نے قوم کے سامنے بت پرستی اور کواکب پرستی کے خلاف دلائل توحید کے وعظ کیے اور توحید خالص کے عقائد سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ اپنے بت پرستانہ عقائد پر ڈٹے رہے۔ اس بت کی پرستش میں کنعانی' موآبی اور مدیانی قبائل انتہائی شرک تک پہنچ چکے تھے۔ مورخین کا خیال ہے کہ حجاز کا مشہور بت ہبل بھی یہی بعل ہے۔

ہبل کی پرستش کیلئے مختلف موسموں میں عظیم الشان مجالس منعقد ہوا کرتی تھیں۔ اس کیلئے بڑے بڑے ہیکل اور قربان گاہیں بنائی جاتی تھیں۔ بعل پر طرح طرح کی خوشبوئیں چڑھانے کے علاوہ بعض اوقات اس کو انسان کی بھینٹ بھی دی جاتی۔ کتب میں تحریر ہے کہ بعل بت سونے کا تھا۔ بیس گز اونچا اور اس کے چار منہ بنائے گئے تھے اور اس کی خدمت و دیکھ بھال پر چار سو خادم مقرر تھے۔

حضرت الیاس علیہ السلام کے زمانہ نبوت میں یہ بت ہی لوگوں کا عظیم دیوتا تھا آپ کی قوم دیگر بتوں کی پوجا کے علاوہ ہبل کی خصوصیت کے ساتھ پرستش کرتی چنانچہ قرآن حکیم میں اس کا ذکر آیا ہے۔

"بے شبہ الیاس رسولوں میں سے ہے اور وہ وقت ذکر کے قابل ہے۔
جب اس نے اپنی قوم سے کہا کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے۔ کیا تم ہبل کو پکارتے ہو اور سب سے بہتر خدا کو چھوڑے ہوئے ہو۔ اللہ ہی تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا پروردگار ہے۔ پس انہوں نے الیاس کو جھٹلایا (الصافات)

حضرت الیاس نے ساری عمر عبادت الٰہی اور پیغام حق پہنچانے میں گزار دی نہ مکان رہنے کے لیے بنایا اور نہ کھانے پینے کا سامان فراہم کیا۔ دن بھر تبلیغ میں مصروف رہتے اور شب کو یادالٰہی کے بعد جہاں جگہ میسر آ جاتی ہاتھ کا تکیہ سر کے نیچے رکھ کر سو رہتے۔

قرآن حکیم میں حضرت الیاسؑ اور یہود بنی اسرائیل کا ذکر اگرچہ بہت مختصر ہے مگر اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ بنی اسرائیل کی ذہنیت کس درجہ مسخ ہو چکی تھی دنیا کی کوئی برائی ایسی نہیں تھی جس کے کرنے پر یہ حریص نہ ہوں اور کوئی ایسی خوبی نہ تھی جس کے یہ دلدادہ ہوں۔ انبیاء و رسل کے ایک طویل اور پیہم سلسلہ کے باوجود بت پرستی' مظاہر پرستی اور کواکب پرستی الغرض غیراللہ کی پرستش کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جس کے یہ پرستار نہ ہوں۔

علمائے تاریخ اس باب میں خاموش ہیں کہ آپ کتنا عرصہ بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے مصروف جہاد رہے اور کب اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

حضرت الیسع علیہ السلام

وہب بن منبہ کی اسرائیلی روایات میں ہے کہ ان کا نام الیسع ہے اور آپ خطوب کے بیٹے ہیں ۔ابن اسحاق نے اسی روایت کو اختیار کیا ہے مگر کتب تاریخ میں یہ بھی منقول ہے کہ حضرت الیسع علیہ السلام حضرت الیاس علیہ السلام کے چچازاد بھائی تھے اور ابن عساکر نے ان کے نسب کے متعلق یہ نقل کیا ہے کہ آپ حضرت یوسف بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے تھے اور نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے:

الیسع بن عدی بن شوتم بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم (علیہم السلام) اور اگر تورات کے یسعیاہ نبی اور حضرت الیسع ایک ہی شخصیت ہیں تو تورات نے ان کو عموص کا بیٹا بتایا ہے۔

حضرت الیسع علیہ السلام حضرت الیاس علیہ السلام کے نائب اور خلیفہ تھے اور اوائل عمر میں انہی کی رفاقت میں رہے تھے جب الیاس علیہ السلام انتقال فرما گئے تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے حضرت الیسع کو نبوت سے سرفراز فرمایا اور پھر آپ نے حضرت الیاس علیہ السلام کے طریقہ پر ہی بنی اسرائیل کی رہنمائی فرمائی ۔

کسی ذریعہ سے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آپ نے کتنی عمر پائی اور بنی اسرائیل میں کتنا عرصہ تک تبلیغ حق کا فریضہ ادا کیا۔قرآن کریم میں آپ کا ذکر اسی قدر آیا ہے:

''اور اسمٰعیل اور الیسع اور یونس اور لوط ان سب کو ہم نے دنیا والوں پر فضیلت عطا فرمائی'' (انعام) اور سورہ ص میں بھی اشارۃ اس طرح ذکر فرمایا:

''اور ذکر کرو اسمٰعیل اور الیسع اور ذوالکفل کا اور ان میں ہر ایک نیک انسانوں میں سے تھے۔''

حضرت ذوالکفل علیہ السلام

قرآن مجید میں حضرت ذوالکفل علیہ السلام کے نام کے سوا کچھ بیان نہیں ہوا اور وہ بھی سورۃ انبیاء اور سورۃ ص جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل سب (راہ حق میں) صبر کرنے والے تھے۔ ہم نے انہیں اپنی رحمت کے سایہ میں لیا یقیناً وہ نیکو کاروں میں سے تھے۔

اور سورۃ ص میں ارشاد ہوا:

اور یاد کرو اسماعیل الیسع اور ذوالکفل یہ سب نیکو کاروں میں سے تھے۔

حضرت ذوالکفل خدا کے برگزیدہ بندے اور نبی تھے۔ کس قوم کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے؟ روایات اور دیگر ذرائع سیر و تواریخ سب خاموش ہیں۔ آپ کی زندگی کے حالات اور زمانہ نبوت کے حالات کا کچھ پتا نہیں چلتا البتہ ابن جریر اور مشہور مفسر تابعی مجاہد نے آپ کے متعلق ایک داستان نقل کی ہے۔ وہ روایت اختصار کے ساتھ اس طرح ہے۔

جب حضرت الیسع بہت بوڑھے ہو گئے تو ارشاد فرمایا: کاش میری زندگی میں ایک شخص ایسا مل جائے جو میری نیابت کا اہل ہو چنانچہ آپ نے بنی اسرائیل کو جمع کیا اور فرمایا میں تم میں سے ایک ایسے شخص کو خلیفہ بنانا چاہتا ہوں جو دن بھر روزے رکھے۔ شب یاد خدا میں گزارے اور کبھی غصہ نہ لائے۔ چنانچہ سارے اجتماع میں ایک شخص اٹھا اور خود کو اس کام کے لئے پیش کیا۔ حضرت الیسع نے دوسرے دن اجتماع میں پھر وہی اعلان کیا تو وہی نوجوان پھر اٹھا اور کہا کہ وہ یہ شرائط پوری کرے گا۔ چنانچہ حضرت الیسع نے اس نوجوان کو اپنا نائب کر لیا' یہ نوجوان حضرت ذوالکفل تھے۔ کہتے ہیں کہ ابلیس کو یہ نیابت ایک آنکھ نہ بھائی تو اس کی ذریت نے ذوالکفل کو یہ شرائط پوری کرنے سے بہکانے کی کوشش کی مگر ناکامی ہوئی پھر ابلیس نے ذوالکفل کو ناکام کرنے کے لئے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی لیکن بالآخر خود ناکام ہو کر رہ گیا' اور ذوالکفل تینوں شرائط پوری کرنے

میں کامیاب ہوئے۔ چنانچہ اس واقعہ کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ذوالکفل کے نام کو مشہور کر دیا۔ اور بعد میں ان کو نبوت کا منصب عطا فرمایا۔

مفسرین کے نزدیک یہ روایت اپنی سند کے اعتبار سے محل نظر ہے۔ اس لئے اس کی حیثیت ایک واقعہ سے زیادہ کچھ نہیں۔ تاہم آپ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی تھے کیونکہ جب کسی خطے کے انبیاء اور رسل کے واقعات کسی ذریعہ سے سامنے نہیں آتے اور قرآن مجید میں اشارہ یا عندیہ مل جاتا ہے تو اس میں باقی کیا شک رہ سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت ذوالکفل اللہ کے نبی تھے اور بنی اسرائیل کے ذکر میں اس زمانہ میں ایسا کوئی واقعہ نہ پیش آیا ہوگا جس سے کچھ تفصیلات مل سکتیں۔

حضرت شمویل علیہ السلام

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل بہت سے خاندانوں اور قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے ان کے خاندانوں اور قبیلوں میں سردار حکومت کرتے اور ان کے جھگڑوں اور معاملات کا فیصلہ کرنے کے لئے قاضی مقرر تھے۔ بنی اسرائیل کا یہ نظام سیاست ایسے ہی صدہا سال چلتا رہا۔ ان کے انبیاء ان کے معاملات کی نگرانی بھی کرتے اور دعوت دین اسلام اور تبلیغ حق بھی انجام دیتے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ بفضل ایزدی ان ہی میں سے کسی قاضی کو منصب نبوت بھی عطا ہو جاتا۔

چنانچہ حضرت شمویل علیہ السلام جو اس وقت قاضی کے فرائض سرانجام دے رہے تھے منجانب اللہ نبوت کا منصب عطا ہوا اور آپ بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت کے لئے مامور ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مصر و فلسطین کے درمیان بحر روم پر آباد عمالقہ میں سے جالوت نامی جابر اور ظالم حکمران نے حملہ کر کے بنی اسرائیل کو مغلوب کیا اور آبادیوں پر قبضہ کر لیا ان کے بہت سے سرداروں کو گرفتار کر کے ساتھ لے گئے اور دیگر عوام پر خراج مقرر کیا۔

حضرت شمویل کے زمانہ میں بھی عمالقہ کی دست درازیاں اور ظالمانہ شرارتیں جاری رہیں تو بنی اسرائیل نے آپ سے درخواست کی کہ وہ ان پر ایک بادشاہ مقرر کر دیں جس کی قیادت میں وہ ظالموں کا مقابلہ کریں اور جہاد کے ذریعے سے دشمنوں کی لائی ہوئی مصیبتوں کا خاتمہ کر سکیں بنی اسرائیل کے مسلسل اصرار پر حضرت شمویل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ کر اس کے حکم سے بنیامین کی نسل میں سے ساؤل (طالوت) کو بنی اسرائیل کا بادشاہ مقرر فرمایا جو نہایت وجیہہ و شکیل، قوی اور صاحب علم تھا۔ بنی اسرائیل نے حضرت شمویل کی طرف سے طالوت کو بادشاہ بنائے جانے کا سنا تو ناگواری کا اظہار کیا اور کہنے لگے کہ یہ شخص تو غریب ہے یہ کس طرح ہمارا بادشاہ ہو سکتا ہے دراصل بادشاہت کے لائق تو ہم ہیں اس لئے ہم میں سے ہی کسی کو مقرر فرمائیں۔

شروع میں کسی بات کا اقرار کر لینے اور وقت پر انکار کر دینے کی یہ ادا بنی اسرائیل کی

زندگی کا طغرائے امتیاز بن چکی تھی اس لئے اس موقع پر ان کی یہ عادت کارفرما تھی۔ حضرت شمویل علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے سرداروں کو جواب دیا کہ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ حکمرانی کا جو معیار تم نے سمجھ لیا ہے یعنی وسعت مال اور کثرت دولت تو یہ قطعاً غلط اور سراسر باطل ہے۔ خدا تعالٰی کے نزدیک حکمرانی کے ذاتی اوصاف میں قوت علم اور طاقت جسم ضروری ہیں اس لئے کہ یہ ہر دو وصف حسن تدبیر، صحت فکر اور جرات وشجاعت کے کفیل ہیں اور ان اوصاف میں طالوت تم سب میں ممتاز اور نمایاں ہے۔ حضرت شمویل علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو مزید کہا کہ وہ پہلے ہی جانتے تھے کہ وقت آنے پر تمہارا جوش جہاد ٹھنڈا پڑ جائے گا اور حیلہ سازی کرو گے۔ قرآن حکیم میں بھی حضرت شمویل علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے اس واقعہ کا بڑی تفصیل سے ذکر موجود ہے۔

بنی اسرائیل نے اس جہاد کے لئے طابوت سکینہ کے حصول کا مطالبہ کر دیا جو اس وقت عمالقہ کے پاس تھا۔ چنانچہ آپ کی دعا سے اللہ تعالٰی نے طابوت سکینہ بنی اسرائیل کے پاس پہنچانے کے اسباب پیدا فرمائے۔ اب جبکہ طابوت سکینہ ان کے پاس پہنچ چکا تو بنی اسرائیل کے پاس اب کوئی عذر باقی نہ رہا اور انہوں نے طالوت کو بادشاہ تسلیم کر لیا۔

مجاہدین کا لشکر طالوت کی قیادت میں آگے بڑھا اور جالوت کے لشکر سے گھمسان کی جنگ ہوئی۔ کتب سیر میں ہے کہ طالوت کے لشکر میں ایک نوجوان بھی تھا جس کی شخصیت کچھ نمایاں نہ تھی اور نہ کسی طرح کی شہرت کا مالک تھا۔ اس نوجوان نے جالوت کو بنفس نفیس جنگ کے لئے طلب کیا۔ جالوت نے نوجوان کی مبارزطلبی کو مزاق سمجھا مگر جب نوجوان کا اصرار بڑھ گیا تو اب دونوں کے درمیان نبرد آزمائی شروع ہوگئی نوجوان نے لڑتے لڑتے اپنی گوپھن سنبھالی اور تاک کر تین پتھر جالوت کے سر پر مارے جس سے اس کا سر پاش پاش ہو گیا۔ نوجوان بڑی پھرتی سے آگے بڑھا اور جالوت کا سر کاٹ دیا۔ دشمنوں کے سردار کا موت کے گھاٹ اترنا تھا کہ فوج بھاگ اٹھی اس طرح بنی اسرائیل کو اس نوجوان کی بدولت فتح نصیب ہوئی اس نوجوان کا نام داؤد علیہ السلام تھا جو آگے چل کر بنی اسرائیل کے لئے نبی مبعوث ہونے والے تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام

حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں جالوت کے قتل سے آپ کی بے نظیر شجاعت و فراست کا مظاہرہ دیکھ کر بنی اسرائیل کے قلوب پر آپ کی عظمت اور محبت کا سکہ بیٹھ گیا اور آپ کی شخصیت بہت ممتاز اور نمایاں ہوگئی تھی چنانچہ یہ آگے چل کر خدا کے برگزیدہ رسول اور پیغمبر بنے اور بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے اور ان کے اجتماعی نظم و نسق کے لیے خلیفہ مقرر ہوئے۔

ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں حضرت داؤد علیہ السلام کا نصب نامہ بیان کرتے ہوئے آپ کو یہودا ابن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے منسلک کیا ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے اور قرآن مجید میں آپ کے حالات کہیں مختصر اور کہیں تھوڑی تفصیل کے ساتھ ۶۷ مقامات پر مذکور ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ بنی اسرائیل کی محبت کا نتیجہ یہ نکلا کہ جالوت کی موجودگی میں ہی یا اس کی وفات کے بعد عنان حکومت حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں آ گئی اور اس عرصہ میں ان پر خدا کا ایک فضل اور انعام یہ ہوا کہ وہ منصب رسالت و نبوت سے بھی سرفراز کر دیئے گئے۔

حضرت داؤد علیہ السلام سے قبل بنی اسرائیل میں یہ سلسلہ قائم تھا کہ حکومت ایک خاندان سے وابستہ تھی تو نبوت و رسالت دوسرے خاندان سے لیکن اس دفعہ یہودا کے گھرانے میں نبوت چلی آئی تھی اور حکومت بھی۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کو یہ دونوں نعمتیں عطا ہوئیں۔
قرآن مجید نے حضرت داؤد علیہ السلام کے اس شرف کا یوں ذکر فرمایا۔

"اللہ نے ان کو حکومت بھی عطا کی اور حکمت (نبوت) بھی اور اپنی مرضی سے جو چاہا سکھایا۔" (بقرہ)

پھر ارشاد ہوا۔ "اے داؤد بے شک ہم نے تم کو زمین میں اپنا نائب بنایا۔"

انبیاء و رسل میں سے حضرت آدم علیہ السلام کے علاوہ صرف حضرت داؤد علیہ السلام کو

خلیفہ کے لقب سے پکارا ہے۔

قرآن مجید، تورات اور اسرائیلی تاریخ اس کے شاہد ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی شجاعت و عدالت، اصابت رائے، فکر و تدبر جیسے اوصاف کے پیش نظر فتح و نصرت آپ کے قدم چومتی تھی اور خدا کا فضل و کرم اس درجہ شامل حال تھا کہ دشمن کی بھاری جمعیت کے مقابلہ میں آپ کی مختصر فوج ہمیشہ کامیاب رہتی۔ اس لیے تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کی حکومت، شام، عراق، فلسطین اور شرق اردن کے تمام علاقوں تک اور خلیج عقبہ سے لے کر فرات تک کے تمام حصوں پر پھیل گئی تھی اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں کہ ''اور ہم نے اس (داؤد) کی حکومت کو مضبوط کیا اور اس کو حکومت عطا کی اور صحیح فیصلہ کی قوت بخشی۔'' (سورۂ سبا)

حضرت داؤد علیہ السلام تقریر و خطابت کے فن میں بھی کمال رکھتے تھے اس طرح بولتے کہ اس سے کلام میں وضاحت و لطافت اور شوکت بیان پیدا ہو جاتی۔ آپ پر زبور نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا لہجہ اور سحر آگیں لحن عطا فرمایا کہ جب آپ زبور کی تلاوت فرماتے تو جن و انس حتیٰ کہ وحوش و طیور تک وجد میں آجاتے اور آپ کے ارد گرد جمع ہو کر آپ کے ساتھ خدا کی تسبیح و تہلیل میں مشغول ہو جاتے۔ اس موقع کی نسبت سے خدا تعالیٰ نے اس کا ذکر قرآن پاک میں یوں فرمایا: اور ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو تابع کر دیا کہ وہ داؤد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور ہم ہی میں ایسا کرنے کی قدرت ہے اور بے شک ہم نے داؤد کو اپنی جانب سے فضیلت بخشی ہے۔ (سورۂ سبا)

حضرت داؤد علیہ السلام دعا مانگا کرتے کہ خدایا ایسی صورت پیدا کر دے کہ میرے لیے ہاتھ کی کمائی آسان ہو جائے کیونکہ میں بیت المال پر اپنی معاش کا بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کی اس خواہش کو اللہ تعالیٰ نے اس فضیلت کے ساتھ قبول فرمایا کہ آپ کے ہاتھ میں لوہے اور فولاد کو موم کی طرح نرم کر دیا کہ جب وہ زرہیں بناتے تو بغیر کسی آلات کے فولاد کو جس طرح چاہتے کام میں لاتے۔ قرآن کریم نے اس امر کی اس طرح تائید فرمائی ہے: ''اور ہم نے اس (داؤد) کے لیے لوہا نرم کر دیا کہ زرہیں کشادہ اور اندازہ سے بنائیں اور تم جو کچھ کرتے ہو میں اس کو دیکھتا ہوں۔'' حضرت داؤد علیہ السلام پہلے شخص ہیں جنہوں نے جنگی مقاصد کے پیش نظر ایسی عمدہ زرہیں بنائیں جنہیں پہن کر دشمن سے جنگ کرنا آسان بھی ہوتا اور محفوظ بھی رہتا۔

بنی اسرائیل کے ایک طبقہ نے آپ پر بہت ہی بہتان لگائے اور اس ضمن میں جس

طرح روایات کا سلسلہ اسرائیلی تاریخ میں پیش کیا گیا ہے۔ علمائے تفسیر نے اور قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے اسرائیلیوں کے خبث باطن کا مظہر قرار دیا ہے۔ کیونکہ آپ خدا کے پسندیدہ بندے اور بلاواسطہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا شرف رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ تھے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی حفاظت آپ کی کفیل تھی۔

روایت میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر سو سال تھی اور اس کہن سالی میں ہی انتقال فرمایا اور بنی اسرائیل پر چالیس سال حکومت کی اور ایک روایت کے مطابق جس کو جعفر بن محمد نے کیا ہے' آپ کا انتقال اچانک سبت کے دن ہوا اور ۷۰ سال تک حکمران رہے آپ کے مدفن کے متعلق کہا گیا ہے کہ آپ اپنے دادا کے ساتھ سو گئے اور دادا کے شہر صیہون میں دفن ہوئے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام

حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے صاحبزادے ہیں۔ اس لیے آپ کا نسب بھی یہودا کے واسطہ سے حضرت یعقوب (اسرائیل) علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام تاریخی حیثیت سے صحیح معلوم نہیں ہو سکا۔

ابنِ ماجہ کی ایک حدیث پاک میں صرف اس قدر منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''سلیمان بن داؤد کی والدہ نے ایک دفعہ سلیمان (علیہ السلام) کو یہ نصیحت فرمائی کہ بیٹا رات بھر نہ سوتے رہا کرو۔ اس لیے کہ رات کے اکثر حصہ کو نیند میں گزارنا انسان کو قیامت کے دن اعمال خیر کا محتاج بنا دیتا ہے''۔ آپ کے نسب کے متعلق قرآن حکیم نے بھی صرف اسی قدر بتایا ہے کہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے واسطہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔

''اور ہم نے اس (ابراہیم) کو بخشے اسحاق و یعقوب اور ہم نے ہر ایک کو ہدایت دی اور نوح کو ہدایت دی۔ اس (ابراہیم) سے پہلے اور اور اس ابراہیم کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان کو ہدایت دی'' (الانعام)

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام میں ذکاوت اور معاملات میں اصابت رائے کا کمال فطرت ہی سے ودیعت کر دیا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام ان کے اس جوہر کو پہچان کر بچپن ہی سے ان کو امور مملکت میں شریک کار رکھتے تھے۔

مورخین کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سنِ رُشد کو پہنچ چکے تھے کہ آپ کے والد ماجد حضرت داؤد علیہ السلام کا انتقال ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت اور حکومت دونوں میں داؤد علیہ السلام کا جانشین بنا دیا۔ اس طرح فیضان نبوت کے ساتھ اسرائیلی حکومت بھی ان کے قبضہ میں آ گئی۔ مفسرین قرآن حکیم بعض آیات کی صراحت سے یہ اخذ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس ہستی کو شرف نبوت سے سرفراز کرتا ہے اس کو یہ منصب جلیل سنِ رشد کے بعد عطا فرماتا ہے تا کہ وہ دنیوی

اسباب کے لحاظ سے بھی عمر طبعی کا وہ حصہ طے کر لے جس میں عقل و تجربہ اور پختگی آ جائے کیونکہ اس حد پر پہنچ کر استعداد کے مطابق انسانوں کے قوائے فکری و عملی میں استواری اور استقامت پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ یہ سنت اللہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حق میں بھی کارفرما رہی اور سنِ رشد کے بعد ان کو حکومت و خلافت کے ساتھ منصب نبوت بھی منجانب اللہ تعالیٰ عطا ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح ان کے صاحبزادے حضرت سلیمان کو بھی خصوصیات اور امتیازات سے نوازا تھا اور بعض ایسی نعمتیں بھی عطا فرمائیں جو آپ کی حیات مبارکہ کا طغرائے امتیاز بنیں۔ آپ چرند و پرند کی بولیاں سمجھ لیتے تھے۔ قرآن یوں فرماتا ہے:

''سلیمان داؤد کا وارث ہوا تو اس نے کہا اے لوگو ہم کو پرندوں کی بولیوں کا علم دیا گیا اور ہم کو ہر چیز بخشی گئی ہے بے شک یہ اللہ کا کھلا ہوا فضل ہے۔'' (نحل)

آپ کے لیے یہ ایسی عظیم الشان نعمت تھی جس کو نشان (معجزہ) کہا جا سکتا ہے اور بے شبہ آپ پرندوں و دیگر حیوانات کی بولیاں انسان ناطق کی گفتگو کی طرح سمجھتے تھے اور یقیناً یہ علم اسباب دنیوی سے بالاتر خاص قدرت کے فیضان کا مظہر تھا۔

آپ کی نبوت کا ایک امتیاز یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو ان کے لیے مسخر کر دیا تھا۔ قرآن حکیم نے آپ کے اس شرف کے متعلق تین اوصاف بیان کیے ہیں۔ ایک یہ کہ ہوا کو آپ کے حق میں مسخر کر دیا" دوسرا یہ کہ ہوا آپ کے حکم کے اس طرح تابع تھی کہ تیز و تند ہونے کے باوجود راحت رساں ہوتی تھی اور جہاں جانا چاہتے لے جاتی تھی اور تیسرا یہ کہ ایک شہسوار تیز رفتاری سے جتنی مسافت ایک ماہ میں طے کرتا وہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہوا کے دوش پر صبح کے تھوڑے سے وقت میں طے کر لیتے اور اسی طرح شام کے وقت میں بھی ظاہری اسباب سے بالاتر صرف خدا تعالیٰ کے حکم سے ایک بہت تیز رفتار ہوائی جہاز سے بھی زیادہ تیز مگر سبک روی کے ساتھ ہوا کے دوش پر اڑتے چلے جاتے تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''مسخر کر دیا سلیمان کے لیے تیز و تند ہوا کو کہ اس کے حکم سے زمین پر چلتی تھی۔ جس کو ہم نے برکت دی اور ہم ہر شئے کو جاننے والے ہیں۔''

''اور سلیمان کیلئے مسخر کر دیا ہوا کو کہ صبح کو ایک ماہ کی مسافت (طے کرتی) اور شام کو ایک ماہ کی مسافت۔''

پھر ارشاد فرمایا:

''اور مسخر کر دیا سلیمان کے لیے ہوا کو کہ چلتی ہے وہ اس کے حکم سے نرمی کے ساتھ جہاں وہ پہنچنا چاہتے۔''

آپ کی حکومت کا ایک اور امتیاز جو کسی اور حکمران کو نصیب نہیں ہوا یہ تھا کہ ان کے زیر نگیں صرف انسان ہی نہیں تھے بلکہ جن اور حیوانات بھی ان کے تابع فرمان تھے یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ سلیمان علیہ السلام نے ایک مرتبہ بارگاہ الٰہی میں یہ دعا کی جو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی:

''اے پروردگار مجھ کو بخش دے اور میرے لیے ایسی حکومت عطا کر جو میرے بعد کسی کے لیے بھی میسر نہ ہو بے شک تو بہت دینے والا ہے۔''

حضرت شاہ عبدالقادر رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام پر ایسے عظیم الشان احسانات کیے اور یہاں تک فرمایا کہ اس بے انتہا دولت وثروت کے علاوہ اس کے صرف وخرچ کرنے اور روک رکھنے میں تم سے کوئی مواخذہ و باز پرس بھی نہیں ہے۔ مگر اس کے باوجود آپ دولت اور حکومت کو مخلوق خدا کی خدمت کے لیے امانت الٰہی سمجھ کر ایک حبہ بھی اپنی ذات پر صرف نہ کرتے تھے بلکہ اپنی روزی ٹوکریاں بنا کر حاصل کرتے تھے۔ آپ کے ہی عہد مبارک میں شہر بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ تعمیر ہوئی۔ آپ چونکہ عظیم الشان عمارات' پر شکوہ ■ پر ہیبت قلعوں اور محلوں کی تعمیر کے بہت شائق تھے اور ایسی تعمیرات کے استحکام میں گہری دلچسپی رکھتے تھے اس لیے آپ نے پگھلے ہوئے تانبے کے استعمال کا فیصلہ کیا۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حسب ضرورت حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے تانبے کو پگھلا دیتے تھے اور نجار کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ انعام کیا کہ زمین کے جن خطوں میں ناری مادہ کی صورت میں تانبا پانی کی طرح پگھل کر بہہ رہا تھا ان کے چشموں سے آپ کو آگاہ فرما دیا تھا۔

قبل ازیں قرآن حکیم کی چند آیات ربانی سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حیوانات کی بولیاں سمجھنے کا علم عطاء فرمایا تھا چنانچہ اس سلسلہ کا ایک واقعہ قرآن حکیم میں وادیٔ نمل (چیونٹیوں کی بستی) سے متعلق اس طرح مذکور ہے:۔

ایک موقع پر حضرت سلیمان علیہ السلام جن وانس اور حیوانات کے ایک قابل ذکر لشکر کے جلو میں کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ جس کے نظم وضبط کا یہ عالم تھا کہ باوجود کثرت افواج کسی طبقہ میں سے کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ اپنے درجہ ورتبہ کے خلاف آگے پیچھے ہونے کی بے ترتیبی کا مرتکب ہو۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی فوج ظفر موج چلتے چلتے ایک ایسی وادی میں پہنچی۔ جہاں چیونٹیاں بے شمار تھیں اور پوری وادی ان کا مسکن بنی ہوئی تھی۔ چیونٹیوں کی سردار نے

لشکر سے اس خطرہ کو دیکھ کر چیونٹیوں کی جماعت کو کہا کہ تم فوراً اپنے بلوں میں گھس جاؤ۔ سلیمان علیہ السلام اور اس کے لشکریوں کو کیا معلوم کہ تم سب زمین کی سطح پر رینگ رہی ہو۔ ایسا نہ ہو کہ ان کی بے خبری کے باعث تم ان کے پیادوں اور گھوڑوں کے پاؤں کے نیچے روندی جاؤ۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹیوں کی بادشاہ کی یہ باتیں سنیں تو آپ کو ہنسی آ گئی اور اس کے دانشمندانہ حکم کی داد دینے لگے۔ اس واقعہ کی روئیداد جو قرآن حکیم سے سماعت فرمائیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور بے شک ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم (علم نبوت) بخشا اور ان دونوں نے کہا تعریف اللہ کے لیے ہے۔ جس نے ہم کو اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت دی اور داؤد کا وارث سلیمان ہوا۔ اس نے کہا اے لوگو ہم کو پرندوں (حیوانات) کی بولیوں کا علم دیا گیا ہے اور ہمارے لیے ہر شئے مہیا کر دی گئی ہے۔ بے شک یہ (اللہ تعالیٰ کا) کھلا ہوا فضل ہے اور جمع ہوا لشکر سلیمان کے لیے جن وانس اور پرندوں (حیوانات) سے اور وہ درجہ بدرجہ قرینہؑ کے ساتھ آگے پیچھے چل رہے تھے۔ حتیٰ کہ وہ وادیٔ نملہ پہنچے۔ تو ایک چیونٹی نے کہا: اے چیونٹیو۔ اپنے گھروں میں گھس جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ بے خبری میں سلیمان اور اس کا لشکر تم کو پیس ڈالے۔ چیونٹی کی یہ بات سن کر سلیمان ہنس پڑے اور کہنے لگے اے پروردگار مجھ کو یہ توفیق دے کہ میں تیرا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر انعام کیا ہے اور یہ کہ میں وہ نیک عمل کروں جو تجھ کو پسند آئے اور مجھ کو اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما:

مفسرین نے حکم دینے والی چیونٹی کو چیونٹیوں کی سردار اور بادشاہ کہا ہے اور یہ صرف اس لیے کہ قدیم و جدید عقلائے زمانہ کا اس پر اتفاق ہے کہ حیوانات میں شہد کی مکھیوں اور چیونٹیوں کا اس قدر بہترین نظام ہے کہ اس کو نظام حکومت کہنا مبالغہ نہیں کہا جا سکتا۔ اس واقعہ کے ذکر سے قرآن حکیم کا مقصد یہ ہے کہ جب آیات بالا سے قبل اس نے یہ بیان کیا کہ حضرت داؤد اور سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے علم منطق الطیر عطا فرمایا تو اس نے مناسب سمجھا کہ ایک دو واقعات اس سلسلہ کے ایسے بیان کر دیئے جائیں جس سے مخاطب کو اس میں کسی قسم کا تردد اور شک باقی نہ رہے۔

قرآن مجید نے اسی سورۂ نمل میں ایک اور خوبصورت واقعہ حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکہ سبا کا قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے جو اپنے تفصیلی اور جزئی واقعات کے لحاظ سے بہت دلچسپ اور پیدا شدہ نتائج و بصائر کے پیش نظر بہت اہم اور تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے عظیم الشان اور بے مثال دربار میں انسانوں کے علاوہ جن اور حیوانات بھی حاضر رہتے۔ ایک مرتبہ دربار سلیمانی اپنے پورے جاہ و حشم کے ساتھ منعقد تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جائزہ لیا تو ہدہد کو اپنی جگہ سے غیر حاضر پایا۔ ارشاد فرمایا کہ میں ہدہد کو موجود نہیں پاتا۔ اس کی یہ بے وجہ غیر حاضری قابل سزا ہے اس لیے اس کو یا تو سزا دی جائے گی یا ذبح کر دیا جائے' یا وہ اپنی غیر حاضری کی معقول وجہ بیان کرے۔ اسی دوران ہدہد حاضر دربار ہو گیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی باز پرس پر کہنے لگا کہ میں ایک ایسی یقینی اطلاع لایا ہوں جس کی خبر آپ کو پہلے نہ ہے وہ یہ کہ یمن کے علاقہ سبا میں ایک ملکہ رہتی ہے اور خدا نے اس کو سب کچھ دے رکھا ہے اور اس کا تخت سلطنت اپنی خاص خوبیوں کے ساتھ عظیم الشان ہے ملکہ اور اس کی قوم آفتاب پرست ہے۔ شیطان نے ان کو گمراہ کر رکھا ہے اور وہ خالق کائنات پروردگار عالم واحدہ لا شریک کی عبادت نہیں کرتے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ تیرے سچ جھوٹ کا ابھی امتحان ہو جاتا ہے تو میرا یہ خط لے جا اور ان تک پہنچا دے اور وہاں انتظار کر کہ وہ اس کے متعلق کیا گفتگو کرتے ہیں۔ ہدہد نے خط لے جا کر ملکہ کی گود میں ڈال دیا۔ ملکہ نے خط کو پڑھ کر اپنے درباریوں سے کہا کہ ابھی میرے پاس ایک معزز مکتوب آیا ہے جس میں یہ تحریر ہے:

"یہ خط سلیمان کی جانب سے اور اللہ کے نام سے شروع ہے جو بڑا مہربان اور رحم والا ہے۔ تم کو ہم پر سرکشی اور سربلندی کا اظہار نہیں کرنا چاہئے اور تم میرے پاس خدا کے فرمانبردار مسلم ہو کر آؤ۔"

خط پڑھ چکنے کے بعد ملکہ نے کہا: اے اہل دربار و ارکان حکومت۔ تم جانتے ہو کہ اہم معاملات میں تمہارے مشورہ کے بغیر میں کوئی اقدام نہیں کرتی۔ اس لیے مجھے مشورہ دو کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ ارکان دولت نے کہا جہاں تک مرعوب ہونے کا تعلق ہے تو اس کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ ہم زبردست طاقت اور جنگی قوت کے مالک ہیں۔ مگر فیصلہ آپ کے ہاتھ ہے جو مناسب ہو حکم کریں۔

ملکہ نے کہا کہ بے شک ہم طاقتور قوم اور صاحب شوکت ضرور ہیں لیکن سلیمان علیہ السلام کے معاملہ میں ہم کو غفلت نہیں کرنی چاہئے پہلے ہم کو اس کی سلطنت کی جنگی طاقت کا اندازہ

کر لینا ضروری ہے کیونکہ جس عجیب طریقہ سے ہم تک یہ خط پہنچایا گیا ہے اس کا تقاضہ ہے کہ سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھانا چاہئے۔ اس لیے میرا ارادہ ہے کہ چند قاصد روانہ کروں اور وہ سلیمان کے لیے عمدہ اور بیش بہا تحائف لے جائیں۔ اس بہانہ سے وہ اس کی شوکت اور عظمت کا بھی اندازہ لگا سکیں گے۔ اگر وہ واقعی زبردست قوت کا مالک ہے تو پھر جنگ فضول ہے اس لیے کہ صاحب طاقت بادشاہوں کا یہ دستور ہے کہ جب وہ کسی بستی میں فاتحانہ غلبہ کے ساتھ داخل ہوتے ہیں تو اس بستی کو برباد اور شہریوں کو ذلیل وخوار کر دیتے ہیں۔ اس لیے ایسی بربادی مول لینی کوئی اچھا فیصلہ نہ ہوگا۔

ملکہ سبا کے قاصد تحائف لے کر سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے سفیروں کو فرمایا کہ تم نے اور تمہاری ملکہ نے میرے پیغام کا مقصود غلط سمجھا ہے کیا تم اپنے ہدایہ کے ذریعے مجھے پھسلاتے ہو حالانکہ تم دیکھ رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مجھ کو عطا فرمایا ہے اس کے مقابلہ میں تمہاری یہ بیش بہا دولت قطعاً ہیچ ہے لہٰذا تم اپنے ہدایہ واپس لے جاؤ اور ملکہ سے کہو کہ اگر اس نے میرے پیغام کی تعمیل نہیں کی تو میں ایسے عظیم الشان لشکر کے ساتھ سبا والوں تک پہنچوں گا کہ تم اس کی مدافعت اور مقابلہ کی تاب نہ لا سکو گے اور ذلیل وخوار کر دیئے جاؤ گے۔

قاصدوں نے واپس جا کر ملکہ سبا کو تمام روئیداد سنائی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت کا جو مشاہدہ کیا تھا وہ بھی کہہ سنایا اور یہ بھی بتایا کہ اس کی حکومت صرف انسانوں پر ہی نہیں بلکہ جن اور حیوانات پر بھی ہے۔ سب اس کے تابع فرمان اور مسخر ہیں۔ یہ حالات سن کر ملکہ اور اہل دربار نے فیصلہ کیا کہ سلیمان علیہ السلام کے ساتھ لڑنا اپنی ہلاکت کو دعوت دینا ہے، بہتر یہ ہے کہ ان کی دعوت پر لبیک کہا جائے۔ سلیمان علیہ السلام کے مکتوب میں یہ جملہ بھی تھا کہ میرے پاس مسلم ہو کر آؤ۔ ملکہ چونکہ آپ کے دین سے ناواقف تھی لہٰذا اس نے لفظ مسلم کے لغوی معنی یہ سمجھے کہ جابر بادشاہوں کی طرح سلیمان کا مقصد بھی یہ ہے کہ میں شکست مان کر اور فرمانبردار ہو کر ان کے ماتحت ہو جانا قبول کرلوں۔ لہٰذا سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے کیلئے سفر پر روانہ ہو گئی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو وحی الٰہی سے معلوم ہو گیا کہ ملکہ سبا حاضر ہو رہی ہے۔ آپ نے اپنے درباریوں کو خطاب فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ ملکہ کے یہاں پہنچنے سے قبل اس کا تخت شاہی وہاں سے اٹھا کر یہاں لایا جائے اور تم میں سے کون اس خدمت کو سرانجام دے سکتا ہے۔ ایک دیو پیکر جن نے کہا کہ آپ کے دربار برخاست کرنے سے پہلے میں یہ تخت لا سکتا ہوں،

مجھ کو یہ طاقت حاصل ہے اور میں امین بھی ہوں ہرگز خیانت نہ کروں گا۔ اس جن کا دعویٰ سن کر آپ کے اہل دربار میں سے کتاب کا علم جاننے والے نے کہا کہ میں آپ کی آنکھ جھپکنے سے قبل اسے لے آتا ہوں پھر جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے رخ پھیر کر دیکھا تو ملکہ سبا کے تخت کو وہاں موجود پایا۔ فرمانے لگے: یہ میرے پروردگار کا فضل و کرم ہے۔ وہ مجھ کو آزماتا ہے کہ میں شکر گزار بنتا ہوں یا نافرمان اور حقیقت تو یہ ہے کہ جو شخص اس کا شکر گزار ہوتا ہے وہ دراصل اپنی ذات کو ہی نفع پہنچاتا ہے اور جو نافرمانی کرتا ہے تو خدا اس کی نافرمانی سے بے پرواہ ہے اور اس کا وبال نافرمانی کرنے والے ہی پر پڑتا ہے۔ شکر ادا کرنے کے بعد آپ نے تخت کی ہیئت کچھ تبدیل کرنے کا حکم دیا کہ اسے دیکھ کر ملکہ حقیقت کی طرف راہ پاتی ہے یا نہیں۔

جب ملکہ سبا حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی تو اس سے پوچھا گیا کہ کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے۔ عقلمند ملکہ نے جواب دیا گویا وہی ہے چونکہ اس میں قدرے تبدیلی ہے جو میرے یقین میں تردد پیدا کر رہی ہے۔ ملکہ سبا نے کہا کہ مجھ کو آپ کی بے نظیر قوت و طاقت کا پہلے سے حال معلوم ہو چکا ہے اس لیے مطیع اور فرمانبردار ہو کر حاضر ہو گئی ہوں اور اب تخت کے یہاں لانے کا محیر العقول معاملہ اور آپ کی لاثانی حکومت کا تازہ مظاہرہ بھی دیکھ لیا ہے۔ اس لیے میں ایک بار پھر آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا اظہار کرتی ہوں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک شیش محل تیار کرا رکھا تھا ملکہ سبا کو اس شیش محل میں قیام کرنے کو کہا۔ ملکہ جب محل کے صحن سے گزرنے کیلئے داخل ہوئی تو اس میں بہتا ہوا شفاف پانی پایا۔ یہ دیکھ کر ملکہ نے پانی میں اترنے کیلئے کپڑوں کو پنڈلی تک اوپر چڑھانا چاہا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: اس کی ضرورت نہیں۔ یہ پانی نہیں یہ فرش چمکتے ہوئے شیشہ کا ہے۔ ملکہ نے اب سمجھا کہ اس وقت تک جو ہوتا رہا وہ ایک زبردست بادشاہ کی قاہرانہ طاقتوں کا مظاہرہ نہیں بلکہ مجھ پر یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ یہ سب معجزانہ قدرت کسی ایسی ہستی کی عطاء کردہ ہے جو کل کائنات کا تنہا مالک ہے اور مجھے اسی ہستی کی اطاعت اور فرمانبرداری کی دعوت دینا مقصد ہے۔ اس خیال کے آتے ہی ملکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے اپنے سابقہ عقیدہ کفر کو ترک کرتے ہوئے خدائے واحد پر ایمان لے آئی اور دین اسلام اختیار کر لیا اور حکومت سبا کو بھی حضرت سلیمان کے زیر فرمان کر دیا جس کا بانی عبد شمش تھا اور سبا اس کا لقب جدید مورخین کی تحقیق ہے اور توراۃ کا بیان ہے کہ عبد شمش کا نام ہی سبا تھا۔ یہ شخص بہت جری اور صاحب ہمت تھا اور زبردست فتوحات کے ذریعے اس نے حکومت سبا کی بنیاد ڈالی تھیں۔

حضرت یونس علیہ السلام

سورۃ یونس میں رب ذوالجلال والاکرام فرماتے ہیں:

"سو کیوں نہ ہوئی بستی کہ ایمان لاتی پھر کام آتا ان کو ایمان لانا مگر یونس کی قوم جب وہ ایمان لائی۔ اٹھالیا ہم نے ان پر سے ذات کا عذاب' دنیا کی زندگی میں اور فائدہ پہنچایا ہم نے ان کو ایک وقت خاص تک۔"

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرعون اور اس کی قوم کے بالمقابل حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا مستقبل دکھایا ہے۔ جس طرح اس قوم کے واقعہ کا ذکر فرمایا ہے اس میں بڑی عبرتیں اور نصیحتیں ہیں۔ منشاء ایزدی اس طرح بیان ہوا کہ منکر قومیں یونس علیہ السلام کی قوم کی طرح عذاب نازل ہونے سے قبل ایمان لے آتیں تو وہ بھی تباہی اور بربادی سے بچ جاتیں اور پھر انہیں بھی ایک وقت معلوم تک زندگی میں فائدے اٹھانے کے وسائل حاصل رہتے۔ انبیاء کرام کو قوموں کی اصلاح کے لئے اسی لئے مبعوث فرمایا جاتا رہا کہ وہ خدا کی بغاوت اور سرکشی سے باز آ جائیں اور احکام الٰہی کی حدود میں رہتے ہوئے اپنے اخلاق و کردار کو درست کریں۔ اسی میں دین و دنیا میں نجات کی بشارت تھی۔ اسی لئے قوموں کو اجتماعی و انفرادی طور پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف مسلسل دعوت دی جاتی رہی۔ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم سے عذاب ٹلنے کو قانون الٰہی میں تبدیلی اور حضرت یونس علیہ السلام کا دعائے عذاب کے بعد لیکن ہجرت کا حکم ملنے سے پہلے بستی سے کوچ کر جانا بعض مفسرین نے فرائض رسالت میں کوتاہی قرار دیا ہے۔ مگر امت مسلمہ اس پر متفق ہے کہ نہ قانون الٰہی میں تبدیلی ہوئی اور نہ ہی حضرت یونس علیہ السلام نے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی کی کیونکہ نص قرآن سے کسی طرح یہ نتیجہ نہیں نکلتا' چنانچہ مفسرین حضرت یونس علیہ السلام کا مفصل واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ کا کچھ حصہ تو خود قرآن میں مذکور ہے اور کچھ روایات میں اور تاریخ سے ثابت ہے کہ آپ کی قوم عراق میں موصل کے مشہور و معروف مقام نینوا میں آباد تھی۔ جس بستی کی ہدایت کے لئے آپ کو بھیجا گیا۔ اس وقت قرآن کے مطابق اس کی آبادی ایک لاکھ سے زائد تھی۔ آپ کافی وقت اپنی

قوم کی اصلاح کے لئے ان میں رہے مگر قوم ماننے سے مسلسل انکار کرتی رہی اور ایمان نہ لائی تو اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کو حکم دیا کہ منکرین کو مطلع کر دیں کہ تین دن کے اندر اندر ان پر عذاب آنے والا ہے۔ جب آپ نے یہ حکم اپنی منکر قوم کو پہنچا دیا تو قوم یونس علیہ السلام آپس میں مشورہ کرنے لگی اور اس امر پر متفق ہوگئی کہ ہم نے کبھی حضرت یونس علیہ السلام کو جھوٹ بولتے نہیں دیکھا اس لئے ان کی عذاب الٰہی کے نزول کی بات نظر انداز کرنے کے قابل نہیں۔ چنانچہ قوم نے مشورہ سے یہ طے کیا کہ دیکھا جائے کہ حضرت یونس علیہ السلام رات کو ہمارے اندر اپنی جگہ پر مقیم رہتے ہیں تو سمجھ لیا جائے کہ کچھ ہونے والا نہیں اور اگر وہ یہاں سے چلے گئے تو یقیناً حضرت یونس علیہ السلام کا وعدہ پورا ہوگا اور عذاب جس شکل میں بھی آئے وہ آ کر رہے گا۔

حضرت یونس علیہ السلام جب رات کو ہی اس بستی سے نکل گئے تو صبح سے ہی عذاب الٰہی ایک سیاہ دھویں اور بادل کی شکل میں بستی پر منڈلانے لگا قوم کو یقین ہوگیا کہ اب سب کی ہلاکت کا وقت نزدیک آ پہنچا ہے یہ دیکھ کر قوم نے حضرت یونس علیہ السلام کو کوشش کے باوجود کہیں نہ پایا تو خود ہی بستی سے نکل کر ایک میدان میں جمع ہو گئے اور اپنے ساتھ عورتوں' بچوں اور جانوروں کو بھی اکٹھا کر لیا اور بارگاہ الٰہی میں خلوص نیت سے توبہ واستغفار میں لگ گئے۔ عجز و انکساری کے ساتھ توبہ کرنے اور عذاب سے خدا کی پناہ مانگنے میں اس طرح مشغول ہوئے کہ پورا میدان ان کی آہ و بکا سے گونجنے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور ان پر سے عذاب کے نشانات کو مٹا دیا۔ اس طرح عذاب کا لوٹا لیا جانا عین اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق ہوا۔ اس آیت مبارکہ میں خود اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے:

"تیرا رب ایسا نہیں کہ بستیوں کو ناحق تباہ کر دے حالانکہ ان کے باشندے اصلاح کرنے والے ہوں۔"

بستی سے باہر حضرت یونس علیہ السلام کو جب معلوم ہوا کہ ان کے بستی سے نکلنے کے بعد اہل بستی نے من حیث القوم اپنے گناہوں سے توبہ واستغفار کر لی اور خلوص نیت سے اللہ پر اور ان کی رسالت پر ایمان لے آئے ہیں۔ اور اللہ نے ان پر سے آنے والا عذاب اٹھا لیا ہے تو ان کو فکر دامن گیر ہوئی کہ اب انہیں جھوٹا قرار دیا جائے گا کیونکہ انہوں نے اعلان کیا تھا کہ تین دن کے اندر عذاب آ جائے گا اور قومی قانون کے مطابق وہ واجب القتل قرار دیئے جائیں گے۔ اسی تذبذب کے عالم میں شہر سے نکل جانے کا ارادہ کر کے چل دیئے۔ یہاں تک کہ بحر روم کے کنارے آ گئے وہاں ایک کشتی دیکھی جس میں لوگ سوار ہو رہے تھے۔ آپ بھی کشتی میں سوار ہو

حضرت عزیر علیہ السلام

حضرت عزیر علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید میں صرف سورہ توبہ کی ایک آیت میں مذکور ہے اور اس میں بھی صرف یہ کہا گیا ہے کہ یہود عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ البتہ سورہ بقرہ میں ایک واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے کہ ایک برگزیدہ ہستی کا اپنے گدھے پر سوار ایک بستی سے گزر ہوا جو بالکل تباہ اور کھنڈر بن چکی تھی وہاں نہ کوئی مکین تھا نہ مکان نہ کہیں زندگی کے آثار۔ بستی کی یہ تباہ حالی دیکھ کر اس بزرگ ہستی نے تعجب اور حیرت سے کہا کہ یہ بستی اب کیسے آباد ہو سکتی ہے اور کس طرح دوبارہ زندگی اختیار کرے گی یہاں تو کوئی بھی ایسا سبب نظر نہیں آتا۔

بزرگ ہستی ابھی اسی فکر میں مبتلا تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اسی جگہ ان کی روح قبض کر لی اور ایک سو سال اسی حالت میں رکھا۔ جب مدت گزر جانے کے بعد ان کو دوبارہ زندگی بخشی تب ان سے پوچھا گیا کہ کتنا عرصہ یہاں رہے۔ بزرگ ہستی چونکہ طلوع آفتاب کے بعد اس بستی میں آ کر موت کی آغوش میں چلی گئی تھی اور جب دوبارہ زندہ ہوئے تو آفتاب غروب ہونے کا وقت قریب تھا اس لیے جواب دیا کہ ایک دن یا اس سے کچھ کم۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایسا نہیں ہے بلکہ تم تو سو برس تک اسی حالت میں رہے۔ اب تمہارے تعجب اور حیرت کا یہ جواب ہے کہ تم اپنے کھانے کو دیکھو اس میں مطلق تغیر نہیں آیا اور دوسری طرف اپنے گدھے پر نظر ڈالو اس کا جسم گل سڑ چکا ہے۔ اب ہماری قدرت کا اندازہ کرو کہ جس چیز کو چاہا محفوظ رکھا اور طویل عرصہ کی موسمی تبدیلی نے بھی اثر نہ کیا اور جس چیز کا ارادہ کیا کہ گل سڑ جائے تو وہ ویسے ہی ہو گئی اب تمہاری آنکھوں کے سامنے تمہارے گدھے کو دوبارہ زندگی بخشتے ہیں تا کہ ہم تم کو اور تمہارے اس واقعہ کو لوگوں کے لیے نشانی بنا دیں اور تم بھی مشاہدہ کر لو کہ اللہ تعالیٰ کس طرح مردہ کو زندگی بخشتا ہے اور تباہ شدہ آبادی کو آباد کر دیتا ہے۔ چنانچہ اس برگزیدہ ہستی نے قدرت الٰہی کے یہ نشانات دیکھے اور شہر کی جانب نظر کی تو اسے پہلے سے زیادہ آباد پایا۔ تب انہوں نے اظہار عبودیت کے ساتھ اقرار کیا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے لیے یہ سب کچھ آسان ہے اور انہیں عین الیقین کا درجہ حاصل ہو گیا۔

یہ تمام واقعہ تفصیل سے سورہ بقرہ کی آیات میں موجود ہے۔ ان آیات مبارکہ کی تفسیر

سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ شخص کون تھا جس کے ساتھ یہ معاملات پیش آئے۔ مشہور اقوال کے مطابق یہ بزرگ ہستی حضرت عزیر علیہ السلام ہی تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ تم یروشلم جاؤ ہم اس کو دوبارہ آباد کردیں گے اور جب آپ وہاں پہنچے تو شہر کو ویران پایا اور بہ تقاضائے بشری یہ کہہ بیٹھے کہ یہ مردہ بستی کیسے زندہ ہوگی۔ چونکہ قرآن حکیم نے اس ہستی کا نام نہیں لیا اس لیے علمائے تاریخ اور مفسرین کرام کی اس بارے رائیں مختلف تو ہیں مگر غالب اکثریت کا اسی طرف رجحان ہے کہ یہ حضرت عزیر علیہ السلام ہی تھے۔

آپ کے آنے سے قبل جب بخت نصر نے بیت المقدس کو تباہ و برباد کر دیا اور بنی اسرائیل کے مردوں، عورتوں اور بچوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہنکا کر لے گیا اور اس وقت تورات کے تمام نسخوں کو بھی جلا کر خاک کر دیا۔ بنی اسرائیل کے پاس نہ تورات کا کوئی نسخہ رہا نہ ہی اس کا کوئی حافظ تھا۔ اس غلامی کے دور میں بنی اسرائیل تورات سے محروم رہے جب عرصہ دراز بعد غلامی سے رہائی ملی اور دوبارہ یروشلم آ کر آباد ہوئے تو یہ فکر لاحق ہوئی کہ خدا کی کتاب تورات کس طرح حاصل ہو تب حضرت عزیر علیہ السلام نے سب اسرائیلیوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے تورات کو اول سے آخر تک پڑھا اور تحریر کرا دیا۔

بعض اسرائیلی روایات کے مطابق جب عزیر علیہ السلام نے اسرائیلیوں کو تورات مرتب کرائی تو انہوں نے انتہائی مسرت کا اظہار کیا اور حضرت عزیر علیہ السلام سے آہستہ آہستہ محبت نے گمراہی کی شکل اختیار کر لی کہ انہوں نے عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مان لیا۔ اس عقیدے کا رد قرآن مجید میں پرزور الفاظ میں کر دیا گیا ہے۔ راجح اقوال کے مطابق بلاشبہ آپ خدا کے نبی تھے اور آپ کا نسب نامہ حضرت ہارون بن عمران علیہ السلام سے ملتا ہے۔ بعض آثار کے مطابق آپ کی قبر دمشق میں ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام

حضرت زکریا علیہ السلام کا قرآن مجید کی چار سورتوں آل عمران' انعام' مریم اور انبیاء میں ذکر موجود ہے۔ سورۃ انعام میں تو فہرست انبیاء میں نام مذکور ہے جبکہ دیگر سورتوں میں مختصر تذکرہ ہے آپ کے والد کے نام میں اختلاف ہے تاہم حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اور کثیر نے اپنی تفسیر اور تاریخ میں اور ابن عساکر کے اقوال کے مطابق آپ قریباً پندرہویں پشت سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی ذریت سے اور حضرت داؤد علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔

مجموعہ توراۃ میں ایک اور زکریا کا تذکرہ ہے مگر وہ زکریا اور ہیں جن کا زمانہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت سے 500 سال قبل ہے۔ جن زکریا علیہ السلام کا ذکر کیا جا رہا ہے یہ حضرت مریم (علیہ السلام) کے مربی اور حضرت مسیح علیہ السلام کے معاصر اور یحییٰ علیہ السلام کے والد ہیں' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔

بنی اسرائیل میں ''کاہن'' ایک معزز مذہبی عہدہ تھا جس کے ذمہ بیت المقدس کی رسوم ادا کرنے کی خدمت تھی اس کے لئے بنی اسرائیل کے مختلف قبائل میں سے الگ الگ کاہن منتخب ہوتے اور اپنی اپنی نوبت پر یہ خدمت انجام دیا کرتے تھے:

قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ اس طرح آیا ہے:

''اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس یہ سب نیکوکاروں میں سے ہیں۔''

(سورۂ انعام)

اور انجیل لوقا میں آپ کو کاہن کہا گیا ہے۔

''یہودیہ کے بادشاہ ہیرودیس کے زمانہ میں ابیاہ کے فریق میں زکریا نام کا ایک کاہن تھا اور اس کی بیوی ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھی اور اس کا نام الیشبع تھا اور وہ دونوں خدا کے حضور راستباز اور خداوند کے سارے حکموں اور قانون پر بے عیب چلنے والے تھے۔''

انجیل برناباس میں بھی آپ کے متعلق مذکور ہے کہ آپ خدا کے برگزیدہ پیغمبر تھے۔

جیسا کہ ہر نبی مکرم نے جب اپنی امت کو رشد وہدایت کی تبلیغ کی ہے تو ساتھ ہی اعلان کیا کہ میں تم سے اس تبلیغ پر کوئی اجرت نہیں مانگتا چنانچہ حضرت زکریا علیہ السلام بھی اپنی روزی کے لئے نجاری کا پیشہ کرتے تھے۔ آپ کے نجاری کے پیشہ کے متعلق مسلم ابن ماجہ اور مسند احمد میں مذکور ہے کہ:

''حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں رسول ﷺ نے فرمایا زکریا (علیہ السلام) نجاری (بڑھئی) کا کام کرتے تھے۔''

حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی نسل سے عمران بن ناشی اور اس کی بیوی حنہ بنت فاقو دنیک نفس انسان تھے۔ ابھی اولاد سے محروم تھے کہ حنہ کی دعا سے ان کے ہاں حضرت مریم پیدا ہوئیں منت کے مطابق مریم کو بیت المقدس کی نذر کر دیا گیا۔ تو سوال پیدا ہوا کہ مریم کی کفالت پرورش اور نگہداشت کس کے سپرد ہو۔ کاہنوں کے درمیان اس مقبول نذر خدا کی کفالت کے لئے اختلاف ہوا تو فیصلہ قرعہ پر ٹھہرا۔ چنانچہ قرعہ حضرت زکریا علیہ السلام کے نام پر نکلا۔ قرآن مجید میں اس واقعہ کی کسی قدر تفصیل موجود ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام مریم کے رشتہ کے لحاظ سے خالو بھی تھے۔ اس لئے قرعہ کے فیصلہ کے مطابق مریم آپ کی سپردگی میں دے دی گئی۔

جب حضرت زکریا علیہ السلام ہیکل میں مریم کے حجرے سے گزرتے تو ان کے پاس انواع واقسام کے بے موسمی پھل پڑے پاتے۔ ایک بار دریافت کرنے پر مریم نے کہا: یہ خدا کی طرف سے ہیں۔ قرآن پاک اس کی تائید کرتا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کے ہاں بھی کوئی اولاد نہ تھی مگر اس کی خواہش تھی۔ کہ اگر کوئی بیٹا ہوتا تو شائد میرے بعد بنی اسرائیل کی رہنمائی کا خدمت گار موجود ہوتا۔ مریم پر نوازشات الٰہی دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے بیٹے کے لئے دعا کا حوصلہ ہوا اور بارگاہ الٰہی میں دعا کی کہ میں تنہا ہوں وارث کا محتاج ہوں اور یوں تو حقیقی وارث صرف تیری ذات ہے۔ لیکن اے خدا مجھ کو پاک اولاد عطا فرما مجھے یقین ہے کہ تو حاجتمند کی دعا ضرور سنتا ہے۔ آپ ہیکل میں عبادت میں مشغول تھے کہ اللہ کا فرشتہ نمودار ہوا۔ اس نے بشارت دی کہ تمہارے ہاں بیٹا پیدا ہوگا اس کا نام یحیٰ علیہ السلام رکھنا آپ کو سن کر بڑی مسرت ہوئی۔ اور تعجب سے دریافت کیا کہ یہ بشارت کیسے پوری ہوگی کہ میں

بوڑھا ہوں' بیوی بانجھ ہے۔فرشتہ نے جواب دیا کہ ایسا ہی ہوگا اللہ کا فیصلہ اٹل ہے آپ نے اللہ سے عرض کی کہ ایسا کوئی نشان عطا ہو جس سے معلوم ہو کہ بشارت نے وجود کی شکل اختیار کر لی ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: علامت یہ ہے کہ جب تم تین دن بات اشاروں سے کرو تو سمجھ لینا بشارت پوری ہو رہی ہے چنانچہ وقت آ گیا کہ آپ اشاروں سے بات کرنے لگے اور عبادت میں زیادہ مشغول ہو گئے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو یحییٰ جیسا فرزند عطا فرمایا۔سورہ مریم میں تفصیل سے یہ واقعہ مذکور ہے مگر یہ سراغ کہیں نہیں ملتا کہ آپ نے کب وفات پائی اور کتنی عمر تک رشد و ہدایت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام

حضرت یحییٰ علیہ السلام اپنے والد ماجد حضرت زکریا علیہ السلام کی پیغمبرانہ دعاؤں کا حاصل تھے۔ آپکا نام بھی اللہ تعالیٰ کا تجویز فرمایا ہوا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اے زکریا ہم بے شک تم کو بشارت دیتے ہیں ایک فرزند کی اس کا نام یحییٰ ہوگا کہ اس سے قبل ہم نے کسی کے لئے یہ نام نہیں ٹھہرایا ہے۔"

(سورہ مریم)

حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ انہیں ذریت طیبہ عطا ہو۔ چنانچہ یحییٰ علیہ السلام نیکوں کے سردار اور زہد و تقویٰ میں بے مثال تھے نہ انہوں نے شادی کی اور نہ کبھی قلب میں وسوسہ پیدا ہوا۔ آپ والد ماجد کی طرح اللہ کے برگزیدہ نبی تھے۔ آپ مسلسل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کی بشارت دیتے اور رشد و ہدایت کے لئے حالات سازگار بنانے کی سعی کرتے رہے۔ آپ کو تورات کے قانون الٰہی کی پیروی کا حکم تھا اور اسی کے مطابق لوگوں کو راہ حق کی تبلیغ کرتے تھے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جو سلامتی کی دعا دی وہ تین اوقات کی تخصیص کے ساتھ ہے۔ ایک ولادت کا وقت' دوسرا وقت موت اور تیسرا وقت حشر و نشر۔ لہٰذا جس شخص کو خدا کی جانب سے ان تینوں مراحل کے لئے سلامتی کی بشارت مل گئی اس کو سعادت دارین کا کامل ذخیرہ مل گیا۔

مسند امام احمدؒ ترمذی' ابن ماجہ میں حارث اشعری سے منقول ہے کہ حضورﷺ نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے یحییٰ بن زکریا (علیہ السلام) کو پانچ باتوں کا خصوصیت کے ساتھ حکم فرمایا کہ وہ خود بھی اس پر عامل ہوں اور بنی اسرائیل کو بھی ان کی تلقین کریں۔ مگر یحییٰ علیہ السلام کو ان امور خمسہ کی تلقین میں کچھ تاخیر ہوگئی۔ تب عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ میرے بھائی! اگر تم مناسب سمجھو تو میں بنی اسرائیل کو ان کلمات کی تلقین کردوں جن کے لئے تم کسی وجہ سے تاخیر کر رہے ہو۔

یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا: بھائی میں اگر تم کو اجازت دے دوں اور خود تعمیل حکم نہ کروں تو مجھے خوف ہے کہ کہیں مجھ پر کوئی عذاب نہ آ جائے۔ یا میں زمین میں دھنسا نہ دیا جاؤں۔ اس لئے میں ہی پیش قدمی کرتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس میں جمع کیا۔ جب مسجد بھر گئی تو وعظ بیان کیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو پانچ باتوں کا حکم کیا ہے کہ میں خود بھی ان پر عمل کروں اور تمہیں بھی ان پر عمل کی تلقین کروں اور وہ پانچ احکام یہ ہیں:

1- پہلا حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو اور نہ کسی کو اس کا شریک ٹھہراؤ کیونکہ مشرک کی مثال اس غلام کی سی ہے' جس کو اس کے مالک نے اپنے روپیہ سے خریدا۔ مگر غلام نے یہ وطیرہ اختیار کر لیا کہ جو کچھ کماتا ہے وہ مالک کے سوا ایک دوسرے شخص کو دے دیتا ہے۔ اب بتاؤ کہ تم ہی سے کوئی شخص یہ پسند کرے گا کہ اس کا غلام ایسا ہو۔ لہٰذا سمجھ لو کہ جب خدا ہی نے تم کو پیدا کیا اور وہی تم کو رزق دیتا ہے تو تم بھی صرف اس کی پرستش کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔

2- دوسرا حکم یہ ہے کہ تم خضوع وخشوع کے ساتھ نماز ادا کرو کیونکہ جب تک تم نماز میں کسی دوسری جانب متوجہ نہ ہو گے خدا تعالیٰ برابر تمہاری جانب رضا ورحمت کے ساتھ متوجہ رہے گا۔

3- تیسرا حکم یہ ہے کہ روزہ رکھو اس لئے کہ روزہ دار کی مثال اس شخص کی سی ہے جو ایک جماعت میں بیٹھا ہو۔ اور اس کے پاس مشک کی ایک تھیلی ہو۔ چنانچہ مشک اس کو بھی اور اس کے رفقاء کو بھی اپنی خوشبو سے مست کرتی رہے گی اور روزہ دار کے منہ کی بو کا خیال نہ کر و اس لئے کہ اللہ کے نزدیک روزہ دار کے منہ کی بو جو خالی معدہ سے اٹھتی ہے مشک کی خوشبو سے زیادہ پاک ہے۔

4- چوتھا حکم یہ ہے کہ مال میں سے صدقہ نکالا کرو کیونکہ صدقہ کرنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کو اس کے دشمنوں نے اچانک آ پکڑا ہو اور اس کے ہاتھوں کو گردن سے باندھ کر مقتل کی جانب لے چلے ہوں۔ اور اس نا امیدی کی حالت میں وہ یہ کہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ میں مال دے کر اپنی جان چھڑا لوں۔ اور اثبات میں جواب پا کر اپنی سب دھن دولت دے کر جان بچا لے۔

5- پانچواں حکم یہ ہے کہ دن رات میں کثرت سے اللہ کا ذکر کرتے رہا کرو کیونکہ ایسے شخص کی مثال اس شخص کی سی ہے جو دشمن سے بھاگ رہا ہو اور دشمن تیزی سے اس کا

تعاقب کر رہا ہو۔ اور وہ بھاگ کر کسی قلعہ میں داخل ہو کر دشمن سے محفوظ ہو جائے۔ بلاشبہ انسان کے دشمن شیطان کے مقابلہ میں اللہ کے ذکر میں رہنا مستحکم قلعہ میں محفوظ ہو جانا ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام نے جب دین اسلام کی احکام الٰہی کے مطابق تبلیغ شروع کر دی اور لوگوں کو یہ بھی بتانے لگے کہ مجھ سے بڑھ کر ایک اور خدا کا پیغمبر آنے والا ہے تو یہود کو ان کے ساتھ دشمنی اور عداوت پیدا ہوگئی اور وہ آپ کو برداشت نہ کر سکے۔ ایک دن سب آپ کے پاس جمع ہو کر آئے اور دریافت کیا کہ کیا تو مسیح ہے۔ آپ نے نفی میں جواب دیا۔ تب سوال کیا پھر تو کیا وہ نبی ہے آپ نے کہا: نہیں۔ لوگوں نے پھر پوچھا تو ایلیا نبی ہے آپ نے پھر کہا نہیں۔ تب سب نے پوچھا پھر تو کون ہے جو اس طرح ہم کو تبلیغ کرتا اور ہم کو دعوت دیتا ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے کہا: میں جنگل میں پکارنے والے کی ایک آواز ہوں جو حق کے لئے بلند کی گئی ہے۔ یہ سن کر یہودی بھڑک اٹھے اور آخر کار آپ کو شہید کر ڈالا۔ واقعہ شہادت کے بارے اور بھی اسرائیلی روایات ہیں جن کو علمائے تفسیر نے معتبر نہیں جانا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جلیل القدر اور اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں۔ جس طرح سرور عالم حضور علیہ السلام خاتم الانبیاء و رسل ہیں اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام خاتم الانبیائے بنی اسرائیل ہیں۔ مفسرین اس پر یک رائے ہیں کہ حضور علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی مبعوث نہیں فرمایا اور درمیان کا یہ زمانہ جس کی مدت تقریباً پانچ صد ستر سال ہے انقطاع وحی کا زمانہ رہا ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کی جلالت قدر اور عظمت شان کا ایک امتیازی نشان یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت کیلئے تورات کے بعد انجیل (بائبل) آپ پر نازل ہوئی۔ نزول تورات کے بعد یہود نے جو قسم قسم کی گمراہیاں کاروان اسلام کے دین حق میں پیدا کر لی ہوئی تھیں ان کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے انجیل کا نزول فرمایا تا کہ یہود ان گمراہیوں سے بچ جائیں اور وہ پیغام حق جو موسیٰ علیہ السلام نے انہیں پہنچایا تھا اسے انجیل اور عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ پھر اپنا کر راہ راست اختیار کر لیں۔

بنی اسرائیل میں عمران بن ہاشم ایک عابد و زاہد شخص تھے۔ ان کے اسی زہد و تقویٰ کی وجہ سے نماز کی امامت بھی ان کے سپرد تھی۔ ان کی بیوی حنہ بھی بہت پارسا اور عابدہ عورت تھیں۔

اپنی نیک خصلتوں اور پسندیدہ اخلاق کے باعث دونوں میاں بیوی بنی اسرائیل میں بہت مقبول تھے۔ علمائے انساب نے بتایا ہے کہ عمران اور ان کی زوجہ حنہ دونوں حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی نسل سے تھے۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ عمران صاحب اولاد نہیں تھے۔ ان کی بیوی حنہ بہت زیادہ متمنی تھیں کہ ان کے اولاد ہو اور وہ اس کے لیے بارگاہ الٰہی میں ہر وقت دعا کرتیں اور قبولیت دعا کے لیے منتظر رہتیں۔ کہتے ہیں ایک دن زوجہ عمران اپنے مکان کے صحن میں بیٹھی تھیں تو دیکھا کہ ایک پرندہ اپنے بچے کو اپنی چونچ سے خوراک دے رہا ہے۔ حنہ کو یہ نظارہ دیکھ کر اولاد کی طلب کیلئے سخت

تڑپ ہوئی اسی حالت اضطراب میں بارگاہ ایزدی میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے۔ دل سے نکلی ہوئی دعا نے قبولیت کا جامہ پہنا اور تھوڑے ہی عرصہ بعد محسوس کیا کہ وہ امید سے ہے۔

صاحب اولاد ہونے کے اس احساس سے وہ اس درجہ مسرور ہوئیں کہ انہوں نے نذر مان لی کہ جو بچہ پیدا ہوگا اس کو مسجد اقصیٰ کی خدمت کیلئے وقف کر دے گی۔

بشر ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ بچے کی پیدائش سے پہلے ہی ان کے خاوند عمران کا انتقال ہوگیا۔ جب بچے کی ولادت کا وقت آ پہنچا تو حنہ کو معلوم ہوا کہ اس نے ایک لڑکی کو جنم دیا ہے۔ جہاں تک اولاد کا تعلق ہے حنہ کے لیے یہ لڑکی بھی لڑکے سے کم نہ تھی۔ مگر ان کو افسوس اس پر ہوا کہ شاید اب ان کی نذر پوری نہ ہو سکے گی بوجہ اس کے کہ یہ لڑکی مسجد اقصیٰ کی کیا خدمت کر سکے گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے لڑکی پیدا ہونے کی وجہ سے جو انہیں ملال ہوا یہ کہہ کر ختم کر دیا کہ ہم نے تیری اس لڑکی کو ہی قبول کر لیا۔ اس کی وجہ سے تمہارا خاندان بھی معزز اور مبارک قرار پایا۔ حنہ نے لڑکی کا نام مریم رکھا اور اللہ تعالیٰ سے عرض کی:

"اور میں اس کو (مریم کو) اور اس کی اولاد کو شیطان الرجیم کے فتنہ سے تیری پناہ میں دیتی ہوں"

"پس مریم کو اس کے پروردگار نے بہت اچھی طرح قبول فرمایا اور اس کی نشو ونما اچھے طریق پر کی اور زکریا (علیہ السلام) کو اس کا نگران بنایا۔"

حضرت مریم جب سن شعور کو پہنچیں تو سوال پیدا ہوا کہ مقدس ہیکل کی یہ امانت کس کے سپرد کی جائے۔ ایک طرف مقدس ہیکل کے کاہنوں کی خواہش تھی کہ مریم ان کی سپرداری میں دے دی جائے۔ مگر فیصلہ حضرت زکریا علیہ السلام کے حق میں ہوا کیونکہ اس وقت آپ کی زوجیت میں مریم کی خالہ تھیں۔ قرعہ اندازی میں بھی تائید غیبی نے اس امانت کو حضرت زکریا علیہ السلام کے سپرد کر دیا۔ آپ نے حضرت مریم کے صنفی احترامات کا لحاظ رکھتے ہوئے ہیکل کے قریب ایک حجرہ ان کے لیے مخصوص کر دیا تاکہ وہاں نزدیک رہ کر عبادت الٰہی سے بہرہ ور ہو اور جب رات آتی تو ان کو اپنے مکان پر ان کی خالہ ایشاع کے پاس لے جاتے وہ شب اپنی خالہ کے پاس بسر کرتیں۔

حضرت مریم شب و روز عبادت الٰہی اور خدمت ہیکل میں مشغول رہتی حتیٰ کہ بنی اسرائیل میں وہ زہد و تقویٰ کے باعث ضرب المثل بن گئیں اور ان کی مثالیں دی جانے لگیں۔ حضرت زکریا کبھی کبھی ان کے حجرہ میں جاتے تو مریم کے پاس اکثر بے موسم کے تازہ پھل موجود

پاتے۔ پھلوں کے بارے میں استفسار پر حضرت مریم فرماتیں کہ یہ میرے پروردگار کا فضل وکرم ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے بے گمان رزق پہنچاتا ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام سمجھ گئے کہ خدائے برتر کے ہاں مریم کا خاص مقام اور مرتبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی جلالت قدر قرآن حکیم میں یوں فرمائی ہے:

(اے پیغمبر وہ وقت یاد کیجئے) جب فرشتوں نے کہا: اے مریم بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تجھ کو بزرگی دی اور پاک کیا اور دنیا کی عورتوں پر تجھ کو برگزیدہ کیا۔ اے مریم اپنے پروردگار کے سامنے جھک جا اور سجدہ ریز ہو جا۔ اور نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز ادا کر"۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو کسی استثناء کے بغیر کائنات کی تمام عورتوں پر برتری اور فضیلت عطا فرمائی۔ کیونکہ وہ عنقریب کسی مرد کے ہاتھ لگائے بغیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کی والدہ کا شرف حاصل کرنے والی تھیں۔

عابدہ وزاہدہ اور عفت مآب حضرت مریم اپنے خلوت کدہ میں مصروف عبادت رہتیں ایک دفعہ جب وہ گوشۂ تنہائی میں بیٹھی تھیں تو کہ اچانک خدا کا فرشتہ (حضرت جبرئیل) انسانی شکل میں ظاہر ہوا۔ ایک اجنبی شخص کو اس طرح بے حجاب سامنے کھڑا دیکھا تو مریم گھبرا گئیں اور فرمانے لگیں کہ اگر تجھ کو کچھ بھی خدا کا خوف ہے تو میں خدائے رحمان کا واسطہ دے کر تجھ سے پناہ چاہتی ہوں۔

فرشتے نے فوراً جواب میں کہا: مریم خوف نہ کھا میں انسان نہیں بلکہ اللہ کا فرستادہ فرشتہ ہوں اور تجھ کو بیٹے کی بشارت دینے آیا ہوں۔ یہ سن کر مریم از راہ تعجب فرمانے لگیں۔ میرے لڑکا کیسے ہو سکتا ہے۔ جب کہ میں نے نہ نکاح کیا ہے نہ میں بدکار ہوں نہ مجھ کو کسی بھی مرد نے آج تک ہاتھ لگایا ہے۔ فرشتے نے جواب دیا کہ میں تیرے پروردگار کا قاصد ہوں اس نے مجھے اسی طرح کہا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ میں تجھ کو اور تیرے لڑکے کو کائنات کے لیے اپنی قدرت کاملہ کا نشان بنا دوں۔ اے مریم اللہ تعالیٰ تجھ کو ایک ایسے لڑکے کی بشارت دیتا ہے۔ اس کا نام مسیح عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم ہوگا۔ وہ دنیا اور آخرت میں صاحب وجاہت اور ہمارے مقربین میں سے ہو گا۔ بحالت شیر خوارگی لوگوں سے باتیں کرے گا اور بڑھاپے کا ابتدائی دور بھی پائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی کتاب عطاء کرے گا اور اسے حکمت سکھائے گا اور اس کو بنی اسرائیل کی رشد وہدایت کے لیے رسول اور اولوالعزم پیغمبر بنائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا قانون قدرت یہ ہے کہ جب وہ کسی شئے کو وجود

میں لانا چاہتا ہے تو اس کا محض حکم "ہو جا" اس شئے کو نیست سے ہست کر دیتا ہے۔ لہٰذا یہ یوں ہی ہو کر رہے گا۔

حضرت جبرئیل امین نے حضرت مریم کو یہ بشارات سنا کر ان کے گریبان میں پھونک دیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کا کلمہ ان تک پہنچ گیا۔ حضرت مریم کچھ عرصہ بعد اپنے آپ میں ایک اضطرابی کیفیت محسوس کرنے لگیں۔ جب انہوں نے محسوس کیا کہ ولادت کا وقت قریب آ گیا ہے تو اس حالت میں قوم کے درمیان رہ کر بدنامیوں اور بہتان تراشیوں کا خیال کر کے پریشان ہو گئیں یہ سوچ کر بیت المقدس سے دور کسی جگہ چلی گئیں۔ یہ جگہ آج بیت اللحم کے نام سے مشہور ہے۔ چند روز بعد سخت تکلیف اور بے چینی کی حالت میں کھجور کے ایک درخت کے نیچے تنے کے سہارے بیٹھ گئیں اور انتہائی دکھ کے ساتھ کہنے لگیں کہ کاش اس (بچے کی ولادت) سے پہلے میں مر چکی ہوتی اور لوگ مجھے بھول چکے ہوتے۔ تب اس وقت خدا کے فرشتے نے پھر پکارا۔ مریم غمگین نہ ہو۔ تیرے لیے پروردگار نے چشمہ جاری کر دیا ہے اور کھجور کا تنا پکڑ کر ہلا تو پکے اور تازہ خوشے تجھ پر گرنے لگیں گے۔ پس تو کھا پی اور اپنے بچے سے آنکھیں ٹھنڈی کر اور رنج و غم بھول جا۔

حضرت مریم فرشتے کی تسلی آمیز پکار اور عیسیٰ علیہ السلام جیسے برگزیدہ بچے کی دید سے سارا رنج و غم بھول گئیں۔ تاہم یہ خیال دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتا کہ خاندان اور قوم میری عصمت اور پاکدامنی سے واقف ہے لیکن پھر بھی ان کی حیرت کو کس طرح مٹایا جا سکے گا کہ بن باپ کے کس طرح ماں کے پیٹ سے بچہ پیدا ہو سکتا ہے؟ مریم ایسے ہی سوالات کے جواب سے پریشان تھی کہ فرشتہ نے پھر اللہ کا پیغام دیا کہ جب قوم تجھ سے اس معاملہ کے متعلق سوالات کرے تو تم جواب نہ دینا اور اشارہ سے کہنا کہ میں روزہ دار ہوں آج کسی سے بات نہیں کر سکتی تم نے جو کچھ پوچھنا ہے اس بچہ سے دریافت کر لو تب تیرا خدا اپنی قدرت کاملہ کا نشان ظاہر کر دے گا۔ وحی الٰہی کے اس پیغام سے مطمئن ہو کر بچہ کو گود لے کر جب شہر پہنچیں تو لوگوں نے مریم کو اس حالت میں دیکھ کر گھیر لیا اور کہنے لگے۔ مریم یہ کیا تو نے تو عجیب بات کر دکھائی۔ اے مریم نہ تیرا باپ برا آدمی تھا نہ تیری ماں ہی بدچلن تھی پھر تو یہ کیا کر بیٹھی ہے۔

مریم نے اللہ کے حکم کے مطابق بچے کی جانب اشارہ کیا کہ جو پوچھنا ہے اسی سے دریافت کر لو۔ لوگوں نے انتہائی تعجب سے کہا کہ ہم شیر خوار بچے سے کیا پوچھ سکتے ہیں جو ابھی تیری گود میں ہے مگر بچہ (عیسیٰ علیہ السلام) فوراً بول اٹھا۔ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اللہ نے مجھ کو انجیل دی ہے اور نبی بنایا ہے اور اس نے مجھے مبارک بنایا خواہ میں کسی حال اور کسی جگہ بھی ہوں۔

اور اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے کہ جب تک میں زندہ رہوں یہی میرا شعار ہو اور اس نے مجھے اپنی ماں کا خدمتگار بنایا اور خودسر اور نافرمان نہیں بنایا اور اس کی جانب سے مجھ کو سلامتی کا پیغام ہے جس دن کو میں پیدا ہوا اور جس دن کو میں مروں گا اور جس دن کو پھر زندہ اٹھایا جاؤں گا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ تفصیلات سورۂ انبیاء اور سورۂ مریم میں بیان فرمائی ہیں۔

قوم نے ایک شیر خوار بچہ کی زبان سے جب یہ حکیمانہ کلام سنا تو حیرت میں رہ گئی اور اس کو یقین آ گیا کہ مریم بلاشبہ برائی سے پاک ہے اور اس بچہ کی ولادت کا معاملہ یقیناً منجانب اللہ ایک نشان ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ پیدائش کی خبر ایسی نہ تھی کہ پوشیدہ رہتی۔ دور و نزدیک سب جگہ اس حیرت انگیز واقعہ کے چرچے ہونے لگے۔ اصحاب خیر نے بچے کے وجود کو سعادت کا ماہتاب سمجھا تو اصحاب شر نے اس کی ہستی کو فال بد جانا۔ اس متضاد فضا کے اندر اللہ تعالیٰ اپنی نگرانی میں اس مقدس بچے کی حفاظت اور تربیت کرتا رہا تا کہ اس کے ہاتھوں بنی اسرائیل کے مردہ قلوب کو اور کاروان اسلام کے افراد کو حیات تازہ اور ان کی روحانیت کے خشک شجر کو ایک مرتبہ پھر بار آور بنائے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن کے حالات میں سے صرف اسی اہم واقعہ یعنی آپ کی پیدائش اور شیر خوارگی میں گفتگو کا ذکر کیا ہے اور بچپن کے دور کے دوسرے حالات کو نظر انداز کر دیا ہے۔ متی کی انجیل میں جن واقعات کا ذکر ہے ان میں یہ بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو اسی شب شاہ فارس نے آسمان پر ایک نیا ستارہ روشن دیکھا۔ بادشاہ نے نجومیوں سے اس کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ اس ستارے کا طلوع کسی عظیم ہستی کی پیدائش کی خبر دیتا ہے۔ جو ملک شام میں پیدا ہوئی ہے۔ بادشاہ نے خوشبوؤں کے قیمتی تحفے دے کر ایک وفد کو ملک شام روانہ کیا کہ وہ اس بچہ کی ولادت سے متعلق حالات و واقعات معلوم کریں۔ وفد نے شام پہنچ کر تفتیش حال شروع کی اور یہودیوں سے کہا کہ اس بچے کے حالات سناؤ جو مستقبل قریب میں روحانیت کا بادشاہ ہوگا۔ یہود نے اہل فارس کی زبان سے یہ کلمات سنے تو اپنے بادشاہ ہیرودیس کو خبر کی۔ بادشاہ نے وفد کو دربار میں طلب کر کے ان کی زبانی بچے کے متعلق سنا تو پریشان ہو گیا اور وفد کو اجازت دی کہ وہ خود بچے کو تلاش کر کے تفتیش حال کریں اور پھر دوبارہ دربار میں آ کر بادشاہ کو واقعات سے آگاہ کریں۔

پارسیوں کا یہ وفد جب بیت المقدس پہنچا تو انہیں عیسیٰ علیہ السلام کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ انہوں نے آپ کی تعظیم کی، خوشبوؤں کے تحفے نثار کیے چند روز قیام کے بعد واپس ہونے لگے تو انہوں نے حضرت مریم کو شاہ فارس کا خواب سنایا اور یہ خدشہ ظاہر کیا کہ شام کا بادشاہ اس بچے کا دشمن ہو گا اور مشورہ دیا کہ اس کو کسی محفوظ مقام پر رکھا جائے۔ وفد بجائے شاہ شام کے دربار حاضر ہونے کے چپکے سے اپنے وطن روانہ ہو گیا۔ حضرت مریم از راہ احتیاط بچے کو لے کر اپنے عزیزوں کے ہاں مصر چلی گئیں پھر وہاں سے ناصرہ میں مقیم ہو گئیں۔ جب عیسیٰ علیہ السلام کی عمر مبارک تیرہ سال کی ہوئی تو حضرت مریم انہیں پھر بیت المقدس واپس لے آئیں۔

وہ وقت سعید بھی آ پہنچا کہ جس مبارک بچہ نے ماں کی آغوش میں پیغام حق سنا کر بنی اسرائیل کو حیرت میں ڈال دیا تھا اب سنِ رشد کو پہنچ کر اس نے یہ اعلان کر کے کہ وہ خدا کا رسول اور پیغمبر ہے اور مخلوق کی رشد و ہدایت اس کا فرض منصبی ہے قوم میں ہلچل پیدا کر دی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اعلان نبوت سے قبل بنی اسرائیل ہر قسم کی برائیوں میں مبتلا تھے۔ انفرادی و اجتماعی عیوب اور نقائص کا کوئی پہلو ایسا نہ تھا جو ان سے بچ رہا ہو۔ وہ اعتقاد و اعمال دونوں ہی قسم کی گمراہیوں کا مرکز بن چکے تھے۔ حتیٰ کہ اپنی ہی قوم کے پیغمبروں کو قتل کرنے پر مستعد ہو گئے تھے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سفاکانہ قتل بادشاہ ہیروڈیس نے ان کے سامنے کرا دیا۔ یہ عبرتناک سانحہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی مبارک میں ان کی بعثت سے پہلے ہو چکا تھا۔

علمائے یہود کا یہ چلن تھا کہ اللہ کی کتاب (توراۃ) تک کو تحریف کے بغیر نہ چھوڑا۔ درہم و دینار کے لالچ میں خدا کی آیات کو فروخت کر دیتے۔ اللہ کے بتائے ہوئے حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنانے سے دریغ نہ کرتے اس طرح قانون الٰہی کو جب چاہتے مسخ کر دیتے۔

ایسے تاریک حالات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام حق کی آواز بن کر آئے اور اپنی صداقت و حقانیت کے نور سے دنیائے بنی اسرائیل کی مشرکانہ حرکات و اعمال کو درست کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ علماء اور احبار کی علمی مجلسوں، راہبوں کی محفلوں میں حتیٰ کہ کوچہ و بازاروں میں شب و روز پیغام حق پہنچایا اور سنایا۔

ادیان و ملل کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ دین حق اور کاروان اسلام کی رہنمائی، تبلیغ و دعوت کا سلسلہ اگرچہ انسان اول حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر خاتم الانبیاء سرور دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک برابر جاری رہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے ذریعہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اسی سلسلہ تبلیغ کو قوت پہنچانے اور سربلند کرنے کے لیے

کوقتل نہ کرسکیں گے اور تم کو غیبی طاقت ملاءِ اعلیٰ کی جانب اٹھائے گی۔

رفع الی السماء کا یہ واقعہ کس طرح ہوا جبکہ یہود اور نصاریٰ تو یہ کہتے ہیں کہ مسیح کو سولی پر لٹکایا اور مار بھی ڈالا گیا۔ مگر قرآن حکیم نے مسیح بن مریم علیہ السلام کے قتل وصلیب کی پوری داستان غلط اور جھوٹ قرار دی ہے اور اصل معاملہ کو قرآن حکیم نے سورہ نساء میں اس طرح واضح فرمایا ہے۔

''اور (یہود ملعون قرار دیئے گئے) اپنے اس قول پر کہ ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم پیغمبر خدا کو قتل کر دیا حالانکہ انہوں نے نہ اس کو قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا بلکہ اصل معاملہ ان پر مشتبہ ہو کر رہ گیا اور جو لوگ اس کے قتل کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں بلاشبہ وہ اس (عیسیٰ) کی جانب سے شک میں پڑے ہوئے ہیں ان کے پاس حقیقت حال کے بارے میں ظن کی پیروی کے سوا علم کی روشنی نہیں ہے اور انہوں نے عیسیٰ کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ ان کو اللہ نے اپنی جانب اٹھا لیا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے''۔

قابل غور بات یہ ہے کہ وہ کیا اشتباہ تھا جو یہودیوں پر مسلط کر دیا گیا۔ قرآن حکیم اس کا جواب اس مقام پر اور سورہ آل عمران میں بھی ایک ہی دیتا ہے اور وہ رفع الی السماء ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ محاصرہ کے وقت جب منکرین حق آپ کی گرفتاری کے لیے اندر گھسے تو وہاں عیسیٰ علیہ السلام کو نہ پایا تو سخت حیران اور پریشان ہوئے اور کسی طرح اندازہ نہ لگا سکے کہ انہیں یہ کیا صورت حال پیش آئی اور اس طرح اصل معاملہ ان پر مشتبہ ہو کر رہ گیا۔ اس کے بعد قرآن نے بڑے واضح انداز میں فرمایا: ''اور جو لوگ اس کے (عیسیٰ) کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں بلاشبہ وہ اس (عیسیٰ) کی جانب سے شک میں پڑے ہوئے ہیں ان کے پاس حقیقت حال کے متعلق ظن کی پیروی کے سوا علم کی روشنی نہیں ہے اور انہوں نے عیسیٰ کو یقیناً قتل نہیں کیا''۔

دوسری طرف اسرائیلی روایات کے مطابق ان کا مختصر حاصل یہ ہے کہ سبت کی شب حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیت المقدس کے ایک بند مکان میں اپنے حواریوں کے ساتھ موجود تھے کہ یہود کی سازش کے نتیجہ میں بت پرست بادشاہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری کے لیے ایک دستہ بھیجا۔ جس نے آکر آپ کو محاصرہ میں لے لیا۔ مگر جب یہود و سپاہی اندر داخل ہوئے تو انہوں نے آپ کو تو نہ پایا مگر حواریوں میں سے ایک شخص جو عیسیٰ علیہ السلام سے مشابہ تھا اس کو پکڑ کر لے گئے پھر اس کے ساتھ سب کچھ ہوا یعنی سولی چڑھایا گیا اور مشہور کر دیا گیا کہ مسیح ابن مریم کو قتل کر دیا گیا ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں یہودا آپ کا ہمشکل تھا۔ جب آپ کی گرفتاری کے لیے سپاہی روانہ ہوئے تو اللہ نے آپ کو بذریعہ وحی مطلع کر دیا تو آپ نے حواریوں سے کہا کہ یہ آزمائش کا وقت ہے لہٰذا تم میں سے جو آمادہ ہو کہ اللہ اس کو میرا صحیح ہمشکل بنا دے اور وہ خدا کی راہ میں جام شہادت لے اس کو جنت کی بشارت ہے۔ تب ایک حواری نے اپنے آپ کو پیش کیا تو وہ منجانب اللہ حضرت کا بالکل ہم شکل بن گیا اور گرفتار ہو کر قتل ہو گیا۔

یہ اور ایسی دیگر تفصیلات نہ قرآن حکیم میں مذکور ہیں نہ احادیث میں اس لیے تاریخی لحاظ سے وہ صحیح ہوں یا غلط نفس مسئلہ اپنی جگہ اٹل ہے اور قرآنی آیات میں منصوص۔ اس لیے حضرت مسیح علیہ السلام کا رفع الی السماء اور دشمنوں سے خدائی تحفظ، یہود پر معاملہ کا مشتبہ ہو کر دوسرے کو قتل کرنا، یہود و نصاریٰ کا ظن و شبہ میں مبتلا ہو جانا اور اس کے برعکس قرآن کا حقیقت واقعہ کو علم و یقین کی روشنی میں ظاہر کر دینا یہ سب حقائق قرآن کی تفصیلات کو تسلیم کرنے کے لیے کافی ہیں۔

سورہ آل عمران اور سورہ مائدہ میں آیات ربانی سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق حکمت الٰہی کا یہ فیصلہ صادر ہوا کہ ان کو بقید حیات ہی ملاء اعلیٰ کی جانب اٹھا لیا جائے چنانچہ آپ دشمنوں اور کافروں سے محفوظ اٹھا لیے گئے۔ لیکن قرآن حکیم نے حکمت الٰہی کے فیصلہ کے صرف اسی حصہ پر روشنی ڈالنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ حسب موقع آپ کی حیات کے متعلق قطعی نصوص کے ذریعہ ظاہر کیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات طویل ہے۔ رفع الی السما میں کیا حکمت مستور ہے تا کہ اہل حق کے قلوب تازگی و ایمان سے شگفتہ اور شاد ہو جائیں۔ سورہ نساء میں ارشاد فرمایا:

> ''اور کوئی اہل کتاب میں سے باقی نہ رہے گا مگر یہ کہ وہ ضرور ایمان لائے گا عیسیٰ پر اس کی موت سے پہلے اور وہ قیامت کے دن ان پر (اہل کتاب) گواہ بنے گا۔''

وہ وقت آنے والا ہے جب عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام خدائے برتر کی حکمت و مصلحت کو پورا کرنے کے لیے ملاء اعلیٰ سے کائنات ارضی پر واپس تشریف لائیں گے تو اس وقت اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) میں سے ہر ایک موجود ہستی کو قرآن کے فیصلہ کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہ رہے گا کہ بلاشبہ وہ خدا کے سچے رسول ہیں۔

قرآن حکیم نے جس معجزانہ اختصار کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء، حیات امروز اور علامت قیامت بن کر نزول من السماء کے متعلق تصریحات بیان فرمائی ہیں، صحیح ذخیرہ احادیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ان آیات کی تفصیلات بیان کر کے ان حقائق کو اور روشن کیا گیا ہے چنانچہ امام حدیث بخاری و مسلم نے صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کی یہ روایت متعدد طریق ہائے سند سے نقل کی ہے۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ ضرور وہ وقت آنے والا ہے کہ تم میں عیسیٰ بن مریم حاکم، عادل بن کر اتریں گے وہ صلیب کو توڑ دیں گے خنزیر کو قتل کریں گے (یعنی موجودہ عیسائیت کو مٹائیں گے) اور جزیہ اٹھا دیں گے (یعنی نشان الٰہی کے مشاہدہ کے بعد اسلام کے سوا کچھ بھی قبول نہیں ہوگا اور اسلامی احکام میں بہ مطابق ارشادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جزیہ کا حکم اسی وقت تک کے لیے ہے) اور مال کی اس درجہ کثرت ہوگی کہ کوئی اس کو قبول کرنے والا نہیں ملے گا اور خدا کے سامنے ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے زیادہ قیمت رکھے گا" (یعنی مالی کثرت کی وجہ سے خیرات وصدقات کے مقابلہ میں عبادت نافلہ کی اہمیت بڑھ جائے گی)[1]

بخاری اور مسلم میں بسند نافع مولیٰ ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ روایت نقل کی ہے:

> "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم میں ابن مریم اتریں گے اور اس حالت میں اتریں گے کہ تم ہی میں سے ایک شخص تمہاری امامت کر رہا ہوگا"

ان دونوں روایات کے علاوہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے متعدد طریقہ ہائے سند سے اور روایات بھی مسند احمد اور سنن میں درج ہیں جو یہی مفہوم بیان کرتی ہیں ان میں سے ایک زیادہ مفصل حسب ذیل ہے۔

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمام انبیاء اصل دین میں علاتی بھائیوں کی طرح ہیں۔ دین سب کا ایک اور فروع دین مختلف۔ میں دوسرے انبیاء کے مقابلہ میں عیسیٰ بن مریم سے زیادہ قریب ہوں۔ اس لیے کہ ان کے اور میرے درمیان کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا اور بلاشبہ وہ کائنات ارضی پر اتریں گے پس جب تم ان کو دیکھو تو اس حلیہ سے پہچان لینا۔ میانہ قد، سرخ و سپید رنگ ہوگا، ان کے جسم پر دو سرخی مائل رنگ کی چادریں ہوں گی ایسا معلوم ہوگا گویا فی الحال

غسل کر کے آ رہے ہیں اور سر سے پانی کے قطرے موتی کی طرح ٹپک پڑنے والے ہیں وہ صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے (موجودہ عیسائیت کا خاتمہ کر دیں گے) اور جزیہ اٹھا دیں گے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے زمانہ میں تمام ادیان وملل کو مٹا دے گا اور صرف ایک دین' دین اسلام باقی رہ جائے گا اور اللہ تعالیٰ ان ہی کے زمانہ میں دجال کو ہلاک کرے گا' پھر کائنات میں امانت (امر خیر) جگہ کر لے گی۔ حتیٰ کہ شیر اونٹوں کے ساتھ' چیتے گائے بیلوں کے ساتھ اور بھیڑیئے بکریوں کے ساتھ چرتے نظر آئیں گے اور بچے سانپوں کے ساتھ کھیلیں گے اور ان کو کوئی گزند نہ پہنچے گا۔ پس عیسیٰ چالیس سال اس زمین پر زندہ رہیں گے۔ پھر وفات پا جائیں گے اور مسلمان ان کے جنازہ کی نماز ادا کریں گے"۔

اور صحیح مسلم میں حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے ایک طویل روایت منقول ہے جس میں یہ مذکور ہے:۔

"کہ اللہ تعالیٰ مسیح بن مریم کو بھیج دے گا وہ جب کائنات ارضی پر اتریں گے تو مسجد دمشق کے مشرقی جانب سپید منارہ پر اتریں گے اور ان کے بدن پر (سرخی مائل) گہرے زرد رنگ کی دو چادریں ہوں گی اور دو فرشتوں کے بازوؤں پر سہارا لیے ہوں گے۔ جب سر جھکائیں گے تو سر سے پانی ٹپک پڑنے لگے گا اور جب سر اٹھائیں گے تو پانی کے قطرے موتیوں کی طرح ٹپکیں گے" (یعنی غسل کیے آ رہے ہوں گے) اور محدث ابن ابی حاتم نے جلیل القدر محدث و مفسر ابن جریر طبری سے بروایت حضرت حسن بصری بسند صحیح حیات و نزول عیسیٰ ابن مریم سے متعلق ایک روایت نقل کی ہے اس میں ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے فرمایا:
عیسیٰ (علیہ السلام) مرے نہیں اور بلاشبہ وہ قیامت سے پہلے تمہاری جانب لوٹ کر آئیں گے"۔

یہ اور اسی قسم کا کثیر ذخیرۂ احادیث ہے جو حیات و نزول عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) پیغمبر بنی اسرائیل سے متعلق کتب حدیث و تفسیر میں موجود ہے جو قوت سند کے لحاظ سے صحیح اور باعتبار شہرت و تواتر روایات کے حسب تصریح امام ترمذی' حافظ حدیث عماد الدین بن کثیر حافظ حدیث ابن حجر عسقلانی اور دیگر جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم خلفائے راشدین کے دور خلافت میں روایت کیا گیا۔ الغرض یہ روایات اور احادیث صحیحہ صحابہ' تابعین اور تبع تابعین یعنی خیر القرون کے طبقات میں بہت مقبول ہو چکی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء اور

حیات ونزول پر امت محمدیہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا اجماع ہو چکا ہے۔

آخر میں اس مضمون کو ختم کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آل عمران کی آیات ربانی جو میثاق انبیاء سے متعلق ہیں پر علمائے کرام کا تبصرہ قارئین کی نذر کیا جائے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔اور وہ وقت قابل ذکر ہے جبکہ اللہ نے نبیوں سے (یہ) عہد لیا کہ جب تمہارے پاس (خدا کی جانب سے) کتاب اور حکمت آئے پھر ایسا ہو کہ تمہاری موجودگی میں ایک رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آئے جو تصدیق کرتا ہو ان کتابوں کی جو تمہارے پاس ہیں۔ ضرور تم اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا۔اللہ نے کہا: کیا تم نے اقرار کیا؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں۔اللہ نے کہا: پس تم اپنے اس عہد پر گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں"۔(سورہ آل عمران)

آل عمران کی ان آیات میں حسب تفسیر حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہ) آیت مبارکہ میں اس عہد و پیمان کا تذکرہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ازل میں ہی خاتم الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق انبیاء ورسل (علیہم السلام) سے لیا۔قرآن کے اسلوب بیان کے مطابق اگرچہ یہ خطاب انبیاء ورسل کی معرفت ان کی امتوں سے تھا کہ ان میں سے جو امتیں خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ مبارک پائیں تو ان پر ایمان لائیں اور دعوت حق میں ان کی مدد کریں۔ چنانچہ ہر ایک پیغمبر نے اپنے اپنے دور میں تعلیم حق کے ساتھ ساتھ اس وعدہ کو بھی یاد دلایا اور ان میں سے اہل حق نے وعدہ اور اقرار کیا کہ وہ ضرور ان پر ایمان لائیں گے اور پیغام حق پہنچانے میں ان کی مدد کریں گی۔

یہ میثاق النبیین اگرچہ اس طرح پورا ہوتا رہا تاہم ازل میں اس عہد و میثاق کے اولین مخاطب حضرات انبیاء ورسل تھے۔اس لیے اس میثاق کی عملی حیثیت کا تقاضا تھا کہ خود انبیاء ورسل میں سے بھی کوئی نبی یا رسول اس عہد و میثاق کا عملی مظاہرہ کر کے دکھائے تا کہ یہ خطاب اول براہ راست بھی موثر ثابت ہو۔مگر چونکہ میثاق کا خطاب تھا لہٰذا ان تمام انبیاء ورسل سے تھا جو ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اس کائنات ارضی میں مبعوث ہونے والے تھے۔ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ازل سے ہی یہ مقدر ہو چکا تھا کہ آپ خاتم النبیین ہوں گے اس لیے میثاق النبیین پر عمل درآمد کی یہی صورت ممکن تھی کہ انبیاء سابقین میں سے کوئی ایک پیغمبر بعثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نزول فرمائیں اور وہ خود بھی اور ان کی امت بھی دنیا انسانی کے سامنے

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور دین اسلام کی مدد و نصرت کا مظاہرہ کریں تاکہ خدا کا قرآنی وعدہ حق پورا ہو:

یہ حقیقت عیاں ہو چکی ہے کہ اگرچہ تمام انبیاء و رسل اپنے اپنے دور نبوت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارات دیتے چلے آئے تھے۔ لیکن یہ خصوصیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کے حصہ میں آئی کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے لیے تمہید اور براہ راست منادو مبشر بنیں اور حکمت الٰہی کا یہ فیصلہ ہوا کہ میثاق النبیین کے ایفا کے لیے ان ہی کو منتخب کیا جائے کہ اس معاملہ میں وہی تمام انبیاء و رسل کی نمائندگی کریں۔ پھر یہ ہستی میثاق الانبیاء کا فریضہ اس طرح ادا کرے گی کہ جب اس کا نزول ہوگا تو مسلمانوں کے قلوب قرآن کی تعلیم اور نور ایمان سے روشن ہو جائیں گے اور نصاریٰ بحیثیت قوم اپنے باطل عقیدہ تثلیث اور کفارہ پر شرمسار ہوں گے اور قرآن اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کو اپنے لیے راہ نجات یقین کر لیں گے اور یہود مسیح کی ہدایت اور ضلالت کے معرکہ حق و باطل کا عملی مشاہدہ کر لیں گے تو ان کو بھی ایمان لانے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں رہے گا اور مسلم بن جائیں گے۔ باقی مشرک جماعتیں نصاریٰ و یہود میں تبدیلی عقائد کا حیرت انگیز انقلاب دیکھیں گی اور پیغمبر خدا کے زبردست روحانی اثرات بھی کارفرما ہوں گے تو وہ بھی حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں گی اس طرح ترجمان وحی و حامل قرآن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارات کی صداقت سب پر آشکارہ ہو جائے گی۔

حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا (احادیث کی روشنی میں) چالیس سالہ دور حکومت ختم ہوگا تو آپ وفات پا جائیں گے اور مدینۃ الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں دفن ہوں گے۔ اس سلسلے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث میں ہے:

> "پھر وہ (عیسیٰ علیہ السلام) کائنات ارضی پر اتر کر چالیس سال قیام کریں گے اور مسلمان ان کے جنازہ کی نماز پڑھیں گے اور ان کو دفن کریں گے"۔

اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے:

> "عبداللہ بن سلام (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: تورات میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت (حلیہ و سیرت) مذکور ہے اور یہ بھی مذکور ہے کہ عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) ان کے ساتھ (پہلو میں) دفن ہوں گے۔"

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ رب العالمین جو کائنات میں ہر چیز کو پیدا فرمانے والا اور پھر سب کو ان کے لائق ان کی نشوونما کر کے درجہ کمال تک پہنچانے والا ہے۔ واحد ہے کوئی اس کا شریک نہیں نہ ہی اس کی تمام تر تخلیق میں اور نہ ہی اس کے انتظام وانصرام میں اس کا کوئی حصہ دار ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔ علیم ہے حکیم ہے عزیز ہے غالب ہے۔ بصیر ہے نذیر ہے اور ہر شے پر قادر ہے۔ ہر وہ مخلوق جسے اس نے تخلیق کیا۔ نباتات و جمادات، چرند و پرند، جن وانس اور دیگر تمام مظاہر قدرت ہر ایک کو کسی نہ کسی مقصد کے لیے بنایا گیا ہے۔

اس نے اپنی تمام تر مخلوقات میں انسان کو وہ فضیلت اور عظمت بخشی، ایسے اوصاف عطاء فرمائے اور وہ علوم ودیعت کیے جو کسی اور مخلوق کو مرحمت نہیں فرمائے۔ اسی لیے یہ جنس مسجود ملائکہ ٹھہری اور اسی جنس کو اپنی نیابت و خلافت کا جبہ پہنا کر باقی تمام مخلوق کو اس کے لیے مسخر کر کے اس کی خدمت پر مامور کر دیا اور اعلان فرما دیا کہ خبردار ہم نے تم سب کو صرف اور صرف اپنی عبادت اور بندگی کے لیے تخلیق کیا ہے۔

میرے سوا تمہارا کوئی خالق و مالک نہیں۔ اس لیے میں ہی اکیلا تم سب کا معبود ہوں اور تم وعدہ بھی کر چکے ہو کہ میں ہی اکیلا تمہارا رب ہوں۔

خالق کائنات جس نے اس جنس یعنی انسان کو بنا کر اسے احسن تقویم کا درجہ دیا وہ اس کی سرشت، فطرت، خصلتوں اور علتوں کو بخوبی جانتا ہے کہ اس نوع انسان کے ہر فرد نے کیا کرنا ہے اور کیسے کیسے کام سرانجام دینے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں مملکت کے اس حصے میں جسے زمین کہا گیا ہے انسان کو ٹھہرایا اور اسے مقررہ وقت تک زندگی دی جسے گزارنے کے لیے اسے جاننے، سوچنے اور سمجھنے کی قوتیں دیں۔ برے اور اچھے کی تمیز دی۔ انتخاب اور ارادے کی آزادی عطا کی۔ تصرف کے اختیارات بخشے۔ ایک طرح کی کسی حد تک خود اختیاری دے کر اسے کائنات کے اس حصہ زمین پر بسایا۔ خداوند عالم نے اچھی طرح اس کے ذہن نشین کر دیا کہ اس

زمین پر مختصر قیام کے دوران یاد رکھنا کہ تمام جہان کا مالک' حاکم اور معبود میں ہوں میری سلطنت میں تم نہ تو کسی دوسرے کے بندے ہو نہ خود مختار۔ دنیا کی یہ زندگی تمہارے لیے امتحان گاہ ہے پھر یہ مدت پوری ہونے کے بعد تم سب کو میرے پاس واپس آنا ہے۔ اس لیے کامیاب زندگی گزارنے کے لیے تمہیں ہدایت نامہ دوں گا اور تمہاری عملاً رہنمائی کے لیے اپنے منتخب اور معظم بندے بھیجوں گا جو تم کو گمراہی سے بچنے اور میرے سیدھے رستے کی نشان دہی کرتے رہیں گے اور خبردار میرے ان محترم بندوں کی دل کی خوشی کے ساتھ پیروی کرنا۔

ان فہمائشوں کے ساتھ زمین پر اس نوع کے اولین افراد آدم اور حوا کو بھی ہدایات دیں جس کے مطابق انہیں اور ان کی نسل انسانی نے کام کرنے ہیں۔ یہ اولین انسان تاریکی اور جہالت کی پیداوار نہ تھے بلکہ انہیں قانون حیات سمجھا دیا گیا تھا ان کا طرز زندگی خدا تعالیٰ کے احکام کی اطاعت یعنی اسلام تھا اور وہ یقیناً اپنی اولاد کو یہ سکھاتے رہے کہ وہ خدا کے فرمانبردار بن کر رہیں یعنی مسلم۔ لیکن بعد کی صدیوں میں انسان رفتہ رفتہ صحیح طرز زندگی کے قانون سے منحرف ہو کر مختلف خود ساختہ رویوں پر چل پڑے اور خدا کے مقرر کیے ہوئے عادلانہ اصول' اخلاق و تمدن کو چھوڑ کر یا بگاڑ کر اپنی خواہش نفس پر زندگی گزارنے لگے تو خدا کی زمین فساد سے بھر گئی۔

خدائے تعالیٰ جو کائنات کا خالق ہے وہ اس نوع کی کمزوریوں کو بخوبی جانتا ہے وہ انسان کی خود اختیاری برقرار رکھ کر ایسے گمراہ انسانوں کی رہنمائی کے لیے ایک مضبوط اور مربوط انتظام کیے ہوئے تھا۔ اس نے انسانوں ہی میں سے ایسے افراد کو استعمال کرنا شروع کر دیا جو اللہ کو ماننے والے اور اس کے احکام کی پیروی کرنے والے تھے۔ ایسے محترم افراد کو اپنا نمائندہ بنایا اور انہیں نبی اور رسول کے معظم ناموں سے ملقب کیا اور انہیں اپنے ساتھ رابطے سے براہ راست نوازا۔ یہ پاک ہستیاں اور یہ خدا کے معزز پیغمبر اللہ کی مخلوق کو اللہ کا پیغام پہنچاتے رہے اور سیدھے راستے پر چلنے کی تبلیغ کرتے رہے۔ خدا کے ان برگزیدہ نمائندوں اور اس کی مخلوق کے درمیان یہ سلسلہ ہزار ہا سال چلتا رہا جو خدا کی زمین پر بسنے والی مختلف قوموں اور ملکوں پر محیط رہا۔ ہزار ہا کی تعداد میں مختلف امتوں میں سے اٹھنے والے اور مختلف زمانوں میں مبعوث ہونے والے ان تمام پیغمبران عظام کا دین اور مقصد تبلیغ ایک ہی تھا کہ تمام جہانوں کا خالق و مالک اور رب ایک اللہ ہی ہے اور صرف وہی عبادت کے لائق ہے اور اسی کے احکام کی اطاعت لازم ہے۔ تمام پیغمبران کرام نے اپنے اپنے دور میں احکام الٰہی کے مطابق پوری خوبی کے ساتھ اس مشن کو ادا کیا مگر ہمیشہ یہی ہوتا رہا کہ انسانوں کی کثیر تعداد ان کی دعوت کو قبول کرنے پر آمادہ ہی نہ ہوئی اور جنہوں نے

قبول کیا اور امت مسلمہ کی حیثیت اختیار کی وہ آہستہ آہستہ وقت گزرنے کے ساتھ بگڑتے چلے گئے اور ہدایت الٰہی کو گم کر بیٹھے۔

جس طرح ہر قبیلہ، گروہ، جماعت اور مملکت کا ایک سردار ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی جماعت انبیاء و رسل کے سردار اور سرور عالم ﷺ کا پروگرام بنا رکھا تھا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ زمین کے گوشے گوشے میں بھیجے جانے والے اس کے پیغمبران عظام کے بعد پوری کائنات کو عالمگیر نظام کے تحت لانے کے لیے اس پوری کائنات کے لیے ایک ہادی کی ضرورت ہوگی جس کا نظام حیات تا قیامت رہے اور جو ہر لحاظ سے اور ہر زمانہ کے حالات کے مطابق مکمل اور جامعیت رکھتا ہو اور اس مکمل نظام کو لانے والا اس کا نمائندہ بھی آخری ہو۔

آخر کار اللہ تعالیٰ نے سرزمین عرب میں سید و سرور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے آخری نظام کائنات سے بنی نوع انسان کو روشناس کرانے اور اسے رائج کرنے کے لیے مبعوث فرمایا اور لائحہ عمل کے طور پر اپنے کلام کے ذریعے قرآن عطا فرمایا۔

سید و سرور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور عظمت کا کوئی کیا اندازہ لگا سکتا ہے۔

'حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ بے شک اللہ کے رسولؐ نے فرمایا کہ جبرائیل میرے پاس آئے پس کہا: اے محمدؐ بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ (اے محبوب) اگر آپ نہ ہوتے تو میں جنت کو پیدا نہ فرماتا اور نہ میں دوزخ کو پیدا فرماتا (دیلمی)'

'حضرت علیؓ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کی آپ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمدؐ میری عزت اور جلال کی قسم اگر آپ نہ ہوتے تو میں نے زمین آسمان کو نہ بنایا ہوتا۔'

اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق حضور علیہ السلام کے وجود پاک کے سبب رب العالمین نے یہ کائنات تخلیق فرمائی۔ گویا تخلیق کائنات سے قبل اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو خلق فرمایا۔

ذیل کی احادیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں حضرت آدم علیہ السلام سے چودہ ہزار سال پہلے اپنے رب کے ہاتھوں کے درمیان نور تھا۔

(۲) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمام انبیاء سے پہلے تخلیق ہوا اور بعد میں آیا۔

(۳) حضرت قتادہؓ نے مرسلاً روایت کی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں

تخلیق میں لوگوں سے پہلے ہوں اور بعثت میں بعد (طبقات ابن سعد)

یہ قرآن پاک اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے قبل حضور علیہ السلام کو خلق فرمایا۔ غور طلب امر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو خلق فرمایا تو اس وقت آپؐ کس درجہ کمال پر فائز فرمائے گئے۔ حدیث پاک نے اس عقدہ کو حل کر دیا ہے۔

حضرت عرباض بن ساریہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے پیارے رسولؐ نے فرمایا میں بارگاہ الٰہی میں خاتم النبیین کے مرتبہ پر فائز تھا درآں حالیکہ کہ آدم علیہ السلام کا خمیر تیار ہو رہا تھا (ابن جوزی الوفا)

اس موضوع کی نسبت سے آیئے اب اللہ تعالیٰ کے کلام پاک قرآن سے رجوع کرتے ہیں۔ سورہ آل عمران کی آیت مبارک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

"اور یاد کرو جب لیا اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے پختہ وعدہ کہ قسم ہے تمہیں اس کی جو دوں میں تم کو کتاب و حکمت پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول جو تصدیق کرنے والا ہو ان کتابوں کی جو تمہارے پاس ہیں۔ تم ضرور ضرور ایمان لانا اس پر اور ضرور ضرور مدد کرنا اس کی (اس کے بعد فرمایا) کیا تم نے اقرار کر لیا اور اٹھا لیا تم نے اس پر میرا بھاری ذمہ سب نے عرض کی ہم نے اقرار کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں پھر جو کوئی پھرے اس پختہ عہد کے بعد تو وہی لوگ فاسق ہیں"۔

حضرت سیدنا علیؓ اور ابن عباسؓ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے ہر نبی یعنی تمام انبیاء و رسل جو دنیائے انسانی کیلئے مبعوث ہونے ہیں ان سب سے یہ پختہ وعدہ لیا کہ اگر سرور عالم محمد رسول اللہؐ تشریف فرما ہوں تو ان پر واجب ہوگا کہ پھر حضور علیہ السلام کی نبوت و رسالت پر ایمان لا کر آپ کی امت میں شمولیت کا شرف حاصل کریں اور ہر طرح حضورؐ کے دین کی تائید اور مدد کریں اور تمام انبیاء نے یہی عہد اپنے اپنے دور میں اپنے امتیوں اور پیروکاروں سے لیا۔

اسی لیے جملہ عارفین نے فرمایا ہے کہ نبیؐ مطلق، رسول حقیقی اور مستقل شریعت کے لانے والے نبی آخر زمان حضرت محمد مصطفیؐ ہیں اور باقی انبیاء اور رسول حضور علیہ السلام کے تابع ہیں۔ معراج کی رات بیت المقدس میں جماعت انبیاء کی امامت فرما کر اس کا عملاً مظاہرہ کرا دیا

گیا۔

اس پہلو پر غور وفکر کے بعد اللہ تعالیٰ کی شان ملاحظہ ہو کہ تحریف و بگاڑ کے سیلاب کے باوجود جو صدہا سال موجزن رہا سابقہ کتب سماویہ میں پھر بھی ایسی صریح عبارتیں موجود ہیں جن میں حضور علیہ السلام کی آمد کے متعلق پیش گویاں کی گئی ہیں بطور سند چند ایک کا ذکر عیسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے ذیل میں پیش خدمت ہے:

(۱) اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے اور میں باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے گا (انجیل یوحنا)

(۲) اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا۔ کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔ (انجیل یوحنا)

(۳) لیکن جب وہ مددگار آئے گا۔ جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا۔ یعنی سچائی کا روح جو باپ سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا اور تم بھی گواہ ہو۔ کیونکہ شروع سے میرے ساتھ ہو۔ (یوحنا)

(۴) لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں۔ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا۔ لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیجوں گا اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا (یوحنا)

انجیل برناباس کے چند حوالہ جات بھی بہت قیمتی ہیں اور بمصداق شخصے "جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے"۔ انجیل برناباس کو مجتمع کرنے والا شخص برناباس قبرص کا باشندہ تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مدت العمر رہا اور جو قرب اسے آپ کا نصیب ہوا اس نے اسے بڑا مقام عطاء کر دیا تھا انجیل کا یہ نسخہ بڑا مستند مانا گیا ہے۔ حضور علیہ السلام کے متعلق اس کے چند حوالہ جات، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان ترجمان سے:

(۱) لیکن میرے بعد وہ ہستی تشریف لائے گی جو تمام نبیوں اور نفوس قدسیہ کے لیے آب و تاب ہے اور جو باتیں پہلے انبیاء نے کی ہیں ان پر روشنی ڈالے گی۔ کیونکہ وہ اللہ کا

رسول ہے:

(۲) جس ہستی کی آمد کا ذکر کر رہے ہیں، میں تو اللہ کے اس رسول کی جوتیوں کے تسمے کھولنے کے لائق بھی نہیں جس کو تم مسیحا کہتے ہو۔ اس کی تخلیق مجھ سے پہلے ہوئی اور وہ تشریف میرے بعد لائے گا۔ وہ سچائی کے الفاظ لائے گا اور اس کے دین کی کوئی انتہا نہ ہوگی۔

(۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں۔ بے شک میں تو صرف بنی اسرائیل کے گھرانے کی نجات کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں لیکن میرے بعد مسیحا تشریف لائے گا جسے اللہ تعالیٰ سارے جہان کے لیے مبعوث فرمائے گا۔ اسی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات تخلیق کی ہے اور اسی کی کوششوں کے باعث ساری دنیا میں اللہ تعالیٰ کی پرستش کی جائے گی اور اس کی رحمت نصیب ہوگی (برناباس باب ۸۲)

(۴) آپ کے بعد اللہ کا بھیجا ہوا سچا نبی نہیں آئے گا۔ البتہ کثرت سے جھوٹے نبی آئیں گے جنہیں شیطان کھڑا کرے گا۔

(۵) ''مسیحا کا نام قابل تعریف ہے'' اللہ تعالیٰ نے جب ان کی روح مبارک کو پیدا فرمایا اور آسمانی آب و تاب میں رکھا تو خود ان کا نام رکھا۔ اللہ نے فرمایا اے محمدؐ انتظار کرو۔ میں نے تیری خاطر جنت کو پیدا کیا ہے۔ ساری دنیا کو پیدا کیا اور بے شمار مخلوقات کو پیدا کیا ہے۔ جب میں تجھے دنیا میں بھیجوں گا تیری عبادت سچی ہوگی۔ آسمان و زمین فنا ہو سکتے ہیں لیکن تیرا دین کبھی فنا نہیں ہو سکتا۔ فرمایا محمدؐ اس کا بابرکت نام ہے۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد کرام

حضور علیہ السلام کے اجداد کرام کے کچھ احوال بیان کرنے سے قبل علامہ سعید محمود الشکری الآلوسی کی ایک کتاب بلوغ الادب فی معرفۃ احوال العرب سے ایک عبارت کا ترجمہ پیش کرتے ہیں تا کہ حضور نبی کریمؐ کے آباؤ اجداد کے ایمان کے متعلق کوئی غلط فہمی نہ رہے۔

''کثیر تعداد علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ حضور اکرمؐ کے تمام اصول یعنی آباؤ اجداد و امہات اپنے اعتقاد میں اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل تھے قیامت اور حساب پر ایمان رکھتے تھے اور ملت حنیفہ کے احکام کو تسلیم

کرتے تھے"۔

علامہ آلوسی نے اپنی اس رائے کی تائید میں علامہ ابوالحسن علی الماوردی کی کتاب اعلام النبوۃ سے یہ نقل کیا ہے:

"جب اللہ تعالیٰ کے تمام نبی اس کے تمام بندوں سے چنے ہوئے ہوتے ہیں اور اس کی تمام مخلوق سے بہترین ہوتے ہیں۔ اس لیے اس نے ان کو ایسے عناصر سے چنا ہے جو کریم ہیں اور ایسے رشتوں سے انہیں مضبوط کیا ہے جو نہایت پختہ ہیں تا کہ ان کے نسب کی ہر اعتراض سے حفاظت کی جا سکے اور ان کے منصب کو ہر عیب سے بچایا جا سکے تا کہ لوگوں کے نفوس ان کے سامنے سر جھکا دیں اور ان کے دل ان کی باتوں کو غور سے سنیں تا کہ لوگ ان کے احکام کی تعمیل سرعت سے کریں اور ان کے احکام کی بجا آوری میں سراپا اطاعت بن سکیں"۔

حضور علیہ السلام کے اجداد کی شان رفیع کے لیے اگرچہ علماء کے ارشادات ہی کافی ہیں تاہم اس موضوع پر خود حضور علیہ السلام کے ارشادات گرامی پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنا' زہے قسمت زہے نصیب۔

(۱) "ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے آپ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ؐ نے فرمایا جبرائیل نے مجھے بتایا کہ میں نے زمین کے مشارق اور مغارب کو کھنگالا اور میں نے اس میں آپ سے افضل کسی کو نہیں دیکھا اور کسی باپ کے بیٹے بنی ہاشم سے مجھے اعلیٰ نظر نہیں آئے" (سبیل الہدیٰ)

(۲) نبی کریمؐ نے فرمایا میں نکاح سے ظاہر ہوا ہوں۔ ناجائز طریقہ سے ظاہر نہیں ہوا۔ آدم علیہ السلام سے لے کر اس وقت تک جب کہ میرے والد اور والدہ نے مجھے جنا مجھے زمانہ جاہلیت کی کسی غلط چیز نے نہیں چھوا (سبیل الہدیٰ)

(۳) حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ میں ابتدا سے آخر تک پاک لوگوں کی پشتوں سے پاک خواتین کے رحموں میں منتقل ہوتا چلا آیا ہوں (مظہری)

(۴) واثلہ بن سقع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم

سے اسماعیل کو چنا اور اولاد اسماعیل سے کنانہ کو چنا اور بنی کنانہ سے قریش کو چنا اور قریش سے بنی ہاشم کو چنا اور بنی ہاشم سے مجھے چنا (امام مسلم و ترمذی)

اس سنہری زنجیر کی کڑیوں کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

سید و سرور محمدؐ نور جان رسول اللہ ابن عبداللہ ابن عبدالمطلب ابن ہاشم ابن عبد مناف ابن قصی ابن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزاد بن معد بن عدنان۔

عدنان تک سلسلہ نسب من وعن صحیح روایات سے ثابت ہے اور احادیث مبارکہ میں مروی ہے اور عوامی سطح پر اشعار عرب میں مذکور ہے۔ اس کی کڑیاں عدنان سے آگے جا کر قیدار بن اسماعیل علیہ السلام بن حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جا ملتی ہیں۔ اس پر تھوڑا سا تبصرہ ضروری ہے۔

حضرت ابراہیم کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے بارہ فرزند اور ایک بیٹی تھی۔ سب سے بڑے بیٹے کا نام نبایوط اور ان کے چھوٹے بھائی کا نام قیدار تھا۔ گو اولاد اسماعیل علیہ السلام کے سب کے سب بیٹے اپنے اپنے قبائل کے سردار تھے مگر نبایوط اور قیدار دونوں تاریخ میں بہت نمایاں نظر آتے ہیں اور انہی دونوں کے نام سے کتب تاریخ مزین ہیں تاہم قیدار شہرت اور اعزاز میں اپنے تمام بھائیوں سے زیادہ ممتاز تھا اور بربنائے روایات عرب حجاز میں آباد ہو گیا تھا۔

قیدار پسر اسماعیل علیہ السلام کی عظمت شان کے لیے یہ بات کافی ہے کہ ان کا نام تورات کے اوراق میں اسیریا کے کتبات اور یونان کے جغرافیہ میں ہر جگہ موجود ہے۔ لیکن اس سے بھی عظیم الشان عزت قیدار کو یہ حاصل ہے کہ وہ نور الٰہی جو آدم اور ابراہیم علیہ السلام کو ودیعت ہوا تھا' حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اسی بیٹے قیدار کی پشت سے دنیا میں جلوہ افروز ہوا۔ یعنی سید و سرور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین نسل قیدار کی شاخ عدنان سے ہی پیدا ہوئے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی یہی اولاد قیدار سے عدنان اور عدنان سے حضور علیہ السلام تک قرآن کی آیت من ذریتنا کی مصداق بنی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی مکہ میں قریش اگر عدنان کی وساطت سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بیٹے قیدار کی اولاد ہیں تو مدینہ میں انصار نابت یعنی نبایوط بن اسماعیل علیہ السلام ہی کی اولاد ہیں۔

ہاشم

سلسلہ نسب حضور علیہ السلام میں ہاشم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑدادا تھے! قبل ازیں نور نبوت ان کے والد عبد مناف کے چہرے میں چمکتا تھا جو بہت حسین وجمیل تھے جس وجہ سے انہیں بطحا کا چاند کہا جاتا تھا۔ ذاتی صفات اور خصائل میں عبد مناف کا کوئی مدمقابل نہ تھا۔ انہی صفات کے مالک ہاشم تھے آپ کا نام عمرو یا عمر تھا۔ آپ بڑے مہمان نواز اور اپنا دستر خوان وسیع رکھتے تھے۔

قبیلہ قریش میں زمانہ جاہلیت سے ایک رسم ''احتفاد'' کے نام سے رائج تھی۔ جب کوئی گھرانہ مفلس ہو جاتا تو وہ شہر سے جنگل میں منتقل ہو کر وہاں خیمہ میں روپوش ہو جاتا یہاں تک کہ سب فاقہ کشی سے یکے بعد دیگرے دم توڑ دیتے۔ جب ہاشم جوان ہوئے اور انہیں اس ہولناک رسم کا پتہ چلا تو قوم کو اکٹھا کیا اور یہ خطبہ ارشاد فرمایا:۔

''اے گروہ قریش قبیلہ کی عزت افراد کی کثرت سے ہوتی ہے۔ اہل عرب میں مال کی فراوانی اور افراد کی کثرت کے اعتبار سے تمہیں برتری حاصل ہے لیکن احتفاد کی قبیح رسم نے تمہارے بہت سے خاندانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ میری ایک تجویز ہے' اگر آپ لوگ اس کو سنیں۔ قوم نے جواب دیا کہ فرمائیے۔ آپ کی ہر تجویز بہت عمدہ ہوتی ہے۔ آپ حکم دیں تا کہ ہم اس کی تعمیل کریں۔ ہاشم نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ تم میں سے جو مفلس اور کنگال ہے ان کو میں دولتمند خاندانوں کے ساتھ ملا دوں۔ ہر غنی کے ساتھ ایک فقیر معہ اس کے کنبہ کے شریک کر دوں۔ جب تم لوگ اپنے تجارتی کاروان لے کر موسم گرما اور موسم سرما میں شام اور یمن کی طرف جاؤ تو تمہارے یہ نادار بھائی تمہارا ہاتھ بٹائیں اور جب اس کاروبار میں تمہیں نفع ہو۔ تو تم اس نفع میں ان کو حصہ دار بنا لو تا کہ وہ تمہارے سایہ میں عزت اور خوشحال زندگی بسر کر سکیں۔ فاقہ کشی کے باعث مرنے کی نوبت نہ آئے۔ اس طرح یہ قبیح رسم بھی ختم ہو جائے گی۔ سب نے اس رائے کو پسند کیا۔ پس ہاشم نے ہر غنی کے ساتھ ایک مفلس خاندان کو ملا دیا۔ اس حکمت عملی سے قوم بھی مجتمع ہوگئی۔''

حضور علیہ السلام کے آباء میں آپ کے پڑدادا ہاشم نے نو عمری میں ہی سوشل ورک پروگرام کے سلسلے میں مندرجہ بالا حکمت عملی سے اپنی قوم کو نہ صرف معاشی تباہی سے بچا لیا بلکہ اپنے

قبیلہ کی سیاسی قوت کو بھی یک جا کر کے مضبوط بنا دیا۔ حضرت ہاشم جس شام ذوالحج کا چاند نظر آتا صبح سویرے حرم میں تشریف لاتے اور کعبہ کی دیوار کے ساتھ کھڑے ہو جاتے اور قوم سے خطاب فرماتے۔ آپ کا اس موقعہ پر ایک ایمان افروز خطبہ ملاحظہ فرمائیں۔

"اے گروہ قریش تم عرب کے سردار ہو تمہارے چہرے حسین ہیں تم بہت زیرک اور دانشمند ہو۔ اے گروہ قریش تم اللہ کے گھر کے پڑوسی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کا متولی ہونے کی عزت عطا فرمائی ہے اور اس کا ہمسایہ بننے کی خصوصیت سے نوازا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے گھر کی زیارت کرنے والے اور اس کا ادب واحترام کرنے والے ابھی آئیں گے اور وہ اس کے مہمان ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے مہمانوں کی عزت وتکریم کرنے کے تم زیادہ حقدار ہو۔ پس تم اس کے مہمانوں اور زیارت کرنے والوں کی عزت کرو۔ اس گھر کے رب کی قسم اگر میرے پاس اتنا سرمایہ ہوتا تو میں خود ہی یہ سارا بوجھ اٹھاتا میں اپنے پاکیزہ اور حلال مال سے اس مقصد کے لیے کچھ حصہ نکالوں گا۔ ایسا مال جس کے حاصل کرنے میں نہ قطع رحمی کی گئی ہے اور نہ ظلم روا رکھا گیا ہے اور نہ اس مال میں کچھ حرام داخل ہے۔ میں تم سے یہ التماس کرتا ہوں کہ جو چاہے اس نیک مقصد کے لیے مالی تعاون کرے۔ کوئی آدمی ایسا مال نہ دے جو پاکیزہ نہ ہو۔ جس کے حصول کے لیے کسی کے ساتھ ظلم کیا گیا ہو۔ یا کسی سے زبردستی چھینا گیا ہو۔"

حضرت ہاشم کا ایک اور خطبہ جو فصاحت اور بلاغت کے علاوہ حکیمانہ اقوال کا ایک مرقع ہے ناظرین کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے مطالعہ سے آپؐ کے پڑدادا اور نور نبوت کے حامل کی بلند نظری، فلاح قوم کے لیے انداز فکر اور وسعتوں کا آپ اندازہ لگا سکیں گے۔ آپ نے فرمایا:

"اے لوگو ہم آل ابراہیم ہیں اور اولاد اسماعیل ہیں نضر بن کنانہ کے فرزند ہیں۔ قصی بن کلاب کے بیٹے۔ مکہ کے مالک اور حرم میں رہنے والے ہیں۔ حسب کی بلندی اور بزرگی کی پختگی ہمارے لیے ہے۔ جس نے کسی کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کیا ہے اس کی مدد ضروری ہے۔ اگر وہ پکارے تو لبیک کہنا ضروری ہے۔ بجز اس کے کہ اس کی دعوت اپنے قبیلہ سے سرکشی اور قطع رحمی کی ہو۔ اے قصی کے بیٹو۔ تم اس طرح ہو جس طرح درخت کی دو ٹہنیاں ہوتی ہیں اگر ان میں سے ایک ٹوٹ جائے تو دوسری بھی دہشت اور نقصان سے دوچار ہوتی ہے۔ تلوار کی حفاظت اس کی نیام ہی سے ہے۔ جو آدمی اپنے قبیلہ پر تیر اندازی کرتا ہے وہ خود بھی اپنے تیر کا نشانہ بنتا ہے۔ اے لوگو!

حلم اور بردباری بزرگی ہے۔صبر کامیابی کی کلید ہے۔اچھائی ایک خزانہ ہے اور سخاوت سرداری ہے اور جہالت کمینگی ہے'دن بدلتے رہتے ہیں۔زمانہ تغیر پذیر رہتا ہے اور ہر انسان کو اپنے کام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور اپنے عمل کے باعث اس سے باز پرس کی جاتی ہے۔اچھے کام کرو' لوگ تمہاری تعریف کریں گے۔فضول باتوں سے دامن کش رہو۔بے وقوف لوگ تم سے الگ رہیں گے۔اپنے ہم نشین کی عزت کرو تمہاری مجلسیں آباد رہیں گی۔اپنے شریک کار کی حفاظت کرو لوگ تمہاری پناہ لینے کے مشتاق ہوں گے۔اپنی ذات کے ساتھ بھی انصاف کرو تم پر اعتماد کیا جائے گا۔مکارم اخلاق کی پابندی کرو کیونکہ اس میں تمہاری بلندی ہے اور کمینہ عادتوں سے دور رہو کیونکہ اس سے عزت خاک میں مل جاتی ہے اور ناموری کا قصر منہدم ہو جاتا ہے۔''

حضرت ہاشم کی عمر ابھی پچیس سال کی تھی کہ اپنے تجارتی کارواں کے ساتھ شام گئے وہیں بیمار ہو کر فوت ہو گئے آپ کا مزار غزہ میں ہے۔

عبدالمطلب

حضرت ہاشم کے چار بیٹے تھے جن میں سے ایک عبدالمطلب حضور علیہ السلام کے دادا تھے۔آپ کے چہرے سے شعائیں نکلتی تھیں اور آپ کے خدوخال سے خیر و برکت کے آثار نمایاں ہوتے تھے۔وہ اپنی اولاد کو سرکشی اور ظلم سے منع فرماتے تھے۔

بہترین اخلاق کو اپنانے کا مشورہ دیتے۔آپ مستجاب الدعوات تھے۔آپ شراب کو حرام کہتے اس کے نزدیک تک نہ جاتے۔وہ پہلے شخص ہیں جو غار حرا میں جا کر اللہ کی عبادت میں مصروف رہتے۔مسکینوں کو کھانا کھلاتے ان کے دستر خوان سے پرندوں کو بھی رزق ملتا۔آپ کے جسم اطہر سے خالص کستوری کی خوشبو آتی۔

آپ ہی کو خواب میں زمزم کھودنے کا حکم مسلسل تین رات ملتا رہا بالآخر خواب میں دکھائی گئی جگہ پر کھدائی شروع کی یہاں تک کہ زمزم کا چشمہ برآمد ہو گیا جہاں سے پانی ابلنے لگا۔

جب ابرہہ نے بیت اللہ کو ڈھانے کے لیے مکہ پر چڑھائی کی تو قریش کے اجلاس میں کہا کہ یہ اللہ کا گھر ہے اگر اسے اپنے گھر کی حفاظت مقصود ہے تو وہ خود بچا لے گا اور اگر اسے اپنے گھر کا برباد ہونا پسند ہے تو پھر وہ جانے اور اس کا گھر۔یہی بات آپ نے ابرہہ کو اس کے دربار میں کہی اور چلے آئے۔نتیجہ سب نے دیکھا کہ اللہ نے اپنے گھر کی کس طرح حفاظت فرمائی اور ابرہہ اور اس کے لشکر کو کس طرح تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔

حضرت ملا علی قاری علیہ رحمت تحریر کرتے ہیں کہ جب ابرہہ نے حملہ کیا اور قریش حرم سے نکل کر پہاڑ پر چلے گئے تو عبدالمطلب نے کہا: بخدا میں اللہ کے حرم سے ہرگز نہیں نکلوں گا کہ اس کے علاوہ کسی اور کے پاس عزت تلاش کروں میں تو اللہ تعالیٰ کے بدلے میں کسی چیز کا متمنی نہیں۔

عبدالمطلب اپنے عظیم الشان کارناموں، بے مثل جود و عطاء، اولوالعزمی اور بلند ہمتی اور خصائل حمیدہ کے باعث ساری قوم کی آنکھوں کا تارا تھے اور سارے عرب کے لیے وجہ عزت تھے۔ ایک جلیل القدر باپ کے بیٹے تاریخ کا رخ پھیر دینے کی صلاحیتوں سے مالا مال، دس بیٹوں کے باپ تھے۔ ایک روز حطیم میں تشریف فرما تھے آپ کے سب پسر شیروں کی طرح آپ کے گرد حلقہ بنائے بیٹھے تھے کہ ایک اعرابی وہاں سے گزرا یہ منظر دیکھ کر بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا:

''اللہ تعالیٰ جب کوئی مملکت بنانا پسند کرتے ہیں تو اس کے قیام کے لیے
اس قسم کے جوانمرد پیدا فرما دیا کرتے ہیں''۔

حضرت عبداللہؓ

دنیا کا کوئی باپ آپ سے زیادہ خوش بخت اور بلند اقبال نہیں ہے۔ آپ اس ہستی کے والد ماجد ہیں جو باعث تکوین کائنات ہے۔ جو فلک نبوت و رسالت کا آفتاب عالم ہے۔ جس کے طلوع ہونے کے بعد ہدایت کی روشنی اتنی فروزاں ہوئی کہ اس کے بعد کسی دوسرے نور کی تا قیامت ضرورت نہ رہی۔

آپ حضرت عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے اور بہت لاڈلے تھے۔ نور نبوت کی شعائیں جو آپ کے والد کے چہرہ پر نمایاں رہیں وہ حضرت عبداللہ میں منتقل ہو کر نظر آنے لگیں۔

حضرت عبدالمطلب نے دعا مانگ رکھی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں دس بیٹے دیئے جو تندرست جوان ہو کر ان کی تقویت کا باعث بنے تو وہ ایک بیٹا اس کی راہ میں قربان کر دیں گے۔ اللہ نے دعا قبول کی آپ کے دس بیٹے جوان ہو چکے تو مسئلہ پیدا ہو گیا کہ اب کس لخت جگر کی قربانی دیں بچوں سے مشورہ مانگا تو سب بیک زبان بولے پدر بزرگوار آپ جسے بھی نامزد کریں بخوشی تعمیل حکم ہو گی، طے پایا کہ بیت اللہ کے فال نکالنے والے سے فال نکلوائی جائے۔ آپ کے سب بیٹے صورت، سیرت اور کردار کے لحاظ سے چندے آفتاب چندے ماہتاب تھے۔ کسی ایک کے

گلے پر چھری پھرنے والی تھی پھر بھی عبدالمطلب اپنے ارادے میں چٹان کی طرح کھڑے تھے اور یہ رجز پڑھتے تھے۔

''میں نے اپنے رب سے عہد کیا ہے اور میں اپنے عہد کو پورا کروں گا۔
بخدا کسی چیز کی ایسی حمد نہیں کی جاتی جس طرح اللہ تعالیٰ کی حمد کی جاتی ہے۔ جب وہ میرا مولا ہے میں اس کا بندہ ہوں اور اس کے لیے میں نے نذر مانی ہے تو میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اس کی نذر کو مسترد کر دوں۔
پھر مجھے زندہ رہنے کی کوئی خواہش نہیں''۔

فال نکالنے والے نے فال نکالی تو قرعہ حضرت عبداللہ کے نام نکلا۔ عبداللہ بہت حسین وجمیل ہیں باپ کو سب بیٹوں سے زیادہ محبوب ہیں۔ لیکن معاملہ اللہ سے ایفائے عہد کا ہے۔ باپ عزم پر قائم بیٹا تعمیل حکم کے لیے قربانی دینے کیلئے بخوشی تیار۔ چھری لائی جاتی ہے عبدالمطلب آستین چڑھا رہے ہیں۔ اس عمل کی اطلاع بجلی کی سرعت سے مکہ کے ہر گھر میں سنائی دیتی ہے۔ قریش کے روساء دوڑے چلے آ رہے ہیں۔ ہر فرد پر سناٹا طاری ہے مکہ کے سردار مداخلت کرتے ہیں اور عبدالمطلب کو کہتے ہیں کہ وہ چاند سے زیادہ من موہنے اور پھول سے زیادہ نازک بدن والے عبداللہ کو ہرگز ہرگز ذبح نہیں ہونے دیں گے۔ عبدالمطلب پرعزم ہیں اور سرداران قریش کی مداخلت بے سود قرار دیتے ہیں مگر وہ کہتے ہیں کہ اے عبدالمطلب اگر یہ رسم تمہارے گھر سے چل نکلی تو اسے آئندہ روکنا کسی کے بس کی بات نہ ہوگی۔ اپنی قوم کے نونہالوں پر رحم کرو طویل بحث کے بعد اس کے حل کے لیے الحجر کی کاہنہ کے پاس جانا طے پایا۔ سب کاہنہ کے پاس یثرب جاتے ہیں اور اس کے سامنے سارا معاملہ پیش کرتے ہیں۔ کاہنہ نے کچھ مہلت طلب کی ہے۔ جب دوبارہ کاہنہ کے پاس جاتے ہیں تو وہ سوال کرتی ہے کہ تمہارے ہاں مقتول کی دیت کیا ہے سب نے کہا: دس اونٹ۔ کاہنہ نے کہا کہ تم سب اب اپنے وطن لوٹ جاؤ۔ ایک طرف دس اونٹ کھڑے کرو دوسری طرف عبداللہ پھر فال نکالو۔ اگر قرعہ اونٹوں پر نکل آئے تو اونٹوں کو دیت کے طور قربان کر دینا تمہاری نذر پوری ہو جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا دس اونٹوں اور عبداللہ کی فال نکالی تو قرعہ پھر عبداللہ پر نکلا تو اونٹوں کی تعداد بڑھا دی گئی مگر قرعہ عبداللہ ہی پر نکلا یہاں تک اونٹوں کی تعداد ایک سو کر دی گئی تو اس بار قرعہ اونٹوں پر نکل آیا۔ چنانچہ سو اونٹ ذبح کر دیئے گئے۔ اس طرح عبداللہ کی جان بچ گئی تو سب کے چہرے مسرت سے چمکنے لگے۔

آپ کے والد کو اب یہ فکر دامن گیر ہوگئی کہ اپنے اس جواں سال جواں بخت لخت جگر

کی شادی کی خوشی منائیں اور ایسی دلہن بیاہ کر لائیں جو عبداللہ کی طرح خصائل وشمائل میں اپنی نظیر نہ رکھتی ہو۔ آپ کی حقیقت شناس نگاہ نے قریش کے بنو زہرہ خاندان کے سردار وہب بن عبد مناف بن زہرہ کی نور نظر آمنہ کا انتخاب کیا اور وہب کے گھر تشریف لے گئے اور درخواست کی کہ وہ اپنے بیٹے عبداللہ کے لیے آمنہ کا رشتہ منظور کریں۔ وہب نے بنو ہاشم کے سردار کی درخواست کو بسر وچشم قبول کر لیا۔ اس رشتہ ازدواج پر وہب کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی کیونکہ عبداللہ کے رشتہ کے لیے کئی خاندان خواہشمند تھے۔ یہ رشتہ طے پا جانے کے بعد جلد ہی تقریب نکاح انجام پذیر ہوئی اور آمنہ اپنے عظیم القدر سسر کے زیر سایہ اپنے شوہر نامدار عبداللہ کے ساتھ ازدواجی زندگی بسر کرنے لگیں۔

حضرت عبدالمطلب کا کاروبار تجارت تھا۔ آپ ہی کی کوششوں کی بدولت اہل مکہ کے کاروان تجارت شام، فلسطین اور دیگر ممالک جاتے رہتے۔ حضرت عبداللہ اپنے والد محترم کے ساتھ اپنے تجارتی قافلہ میں شام گئے۔ تجارتی مصروفیتوں سے فارغ ہو کر آپ مکہ واپس ہوئے۔ جب آپ مدینہ (یثرب) پہنچے تو آپ بیمار ہو کر مدینہ ننہال کے پاس رک گئے کہ صحت یاب ہو کر مکہ روانہ ہو جائیں گے مگر تقدیر الٰہی اپنا کام کر گئی آپ اس بیماری سے جانبر نہ ہو سکے اور ایک ماہ بیمار رہ کر وفات پا گئے۔ آپ کی اچانک وفات سے سب کو شدید صدمہ ہوا۔ لیکن حضرت آمنہ پر جو قیامت ٹوٹی اس کا وہ ہی اندازہ لگا سکتی تھیں۔ حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم ابھی شکم مادر میں ہی تھے کہ سایہ عاطفت سر سے اٹھا لیا گیا کہ محبوب خدا یتیم پیدا ہونے والے تھے۔

ازہری فرماتے ہیں کہ رسول کریمؐ کی بعثت سے قبل کہانت کا عام رواج تھا مگر جب آپؐ مبعوث فرمائے گئے تو کاہن عاجز ہو گئے اور کہانت کا علم باطل ہو گیا۔ کیونکہ پھر اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کی حفاظت کا اہتمام فرما دیا۔ جزیرۃ العرب میں بسنے والے قبائل کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں اس وقت معاشرہ میں کاہنوں کو بڑا مقام حاصل تھا۔ قبائل کے سردار اور علاقوں کے حکمران اپنے پیچیدہ معاملات میں ان کی طرف رجوع کرتے اور ان کو اپنا فیصلہ کرنے والا تسلیم کرتے۔ علامہ محمد فرید وجدی جن کا شمار عصر حاضر کے اکابر علماء اور محققین میں ہوتا ہے نے بھی دائرۃ المعارف القرآن العشرین میں اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"امور غیبیہ کے جاننے کیلئے جنوں کی خدمات حاصل کرنے کو کہانت کہتے ہیں۔ یہ پیشہ اہل عرب میں بہت مشہور و معروف تھا جب کوئی پیچیدہ مسئلہ پیش آتا تو وہ شخص کسی کاہن کے پاس جاتا۔ ہر کاہن کا ایک جن ماتحت ہوتا۔ جو طلب کرنے پر حاضر ہو جاتا' اس کے استفسار پر جن

اس کو آگاہ کرتا''۔[1]

علامہ ابن خلدون تحریر فرماتے ہیں کہ حضورؐ کی ولادت سے قبل کاہنوں میں سے شق ابن انمار اور سطیح بن ماذن کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ ان کی حکایات میں سے یہ مشہور ہے کہ انہوں نے یمن کے حکمران ربیعہ بن نصر کے خواب اور اس کی تعبیر بتاتے ہوئے نبی کریمؐ کے مبعوث اور آپ کے دین کے غالب آنے کی پیش گوئی کی تھی۔ مستند مورخین نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ مشہور سیرت نگار امام ابن ہشام نے اپنی تصنیف سیرت نبویہ میں تفصیل سے ذکر فرمایا ہے جس کی توثیق علامہ ابوالقاسم سہیلی نے اس کی شرح کرتے ہوئے اپنی شرح الروض الانف میں کی ہے فرماتے ہیں کہ:

''یمن میں خاندان تبع کے بعد ربیعہ بن نصر یمن کا حکمران مقرر ہوا۔ اس نے اپنے عہد فرمانروائی میں ایک خواب دیکھا جس سے وہ بہت پریشان اور خوف زدہ ہو گیا۔ اس نے اپنے خواب کی تعبیر کے لیے اپنی مملکت کے ماہر کاہنوں کو دربار میں بلا کر کہا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے جس نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔ کاہنوں نے خواب سنانے کو کہا تو ربیعہ نے جواب میں کاہنوں کو کہا کہ مجھے تب اطمینان ہوگا کہ آپ مجھے پہلے خود بتائیں کہ میں نے کیسا خواب دیکھا ہے پھر اس کی تعبیر۔ کاہنوں نے کہا: ایسا کرنا ان کی طاقت سے باہر ہے اگر آپ اسی طرح مطمئن ہونا چاہتے ہیں تو اس وقت سارے عرب میں صرف دو شخص ہیں جو اس معیار پر پورا اترتے ہیں ایک شق اور دوسرا سطیح۔ شق بنی انمار کا فرد ہے اور سطیح کا تعلق قبیلہ غسان سے ہے۔ دونوں کو ربیعہ نے طلب کیا مگر سطیح شق سے پہلے پہنچا۔ ربیعہ نے گفتگو شروع کر کے اپنا مدعا بیان کیا۔ سطیح نے کہا کہ میں آپ کی دونوں فرمائشیں پوری کرنے کے لیے تیار ہوں۔ خواب کے بارے میں اس نے کہا۔ اے بادشاہ تو نے خواب میں بھڑکتے شعلے اور انگارے دیکھے ہیں۔ جو تاریکی میں سے نکلے اور سرزمین تہامہ میں آگرے اور وہاں ہر کھوپڑی والی چیز کو ہڑپ کر گئے۔ بادشاہ نے کہا کہ خواب تو ٹھیک ہے۔ اب اس کی تعبیر بتاؤ۔

سطیح نے کہا: اے بادشاہ! سن میں حلفاً کہتا ہوں کہ تمہارے ملک میں اہل حبشہ اتریں گے اور ابین سے جرش تک قابض ہو جائیں گے اور یہ تمہارے عہد کے 70-60 سال بعد ہوگا اور 75-70 سال بعد ان کی حکومت بھی ختم ہو جائے گی اور یہ یمن سے جلاوطن کر دیئے جائیں گے۔ بادشاہ نے پوچھا: ایسا کون کرے گا۔ سطیح نے کہا: ذی یزن کی اولاد میں سے جو عدن سے خروج کریں گے اور حبشہ میں سے کسی فرد کو یمن میں باقی نہیں چھوڑیں گے۔ ربیعہ نے پوچھا: اس کی بادشاہی ہمیشہ رہے گی۔ سطیح نے کہا: نہیں۔ وہ بھی ختم ہو جائے گی۔ بادشاہ نے پوچھا: اسے کون ختم

کرے گا۔ سطیح نے جواب دیا: ایک نبی جو پاک نہاد ہوگا اور جس کی طرف خداوند بزرگ کی طرف سے وحی نازل ہوگی۔ ربیعہ نے دریافت کیا کہ وہ کس قبیلہ سے ہوگا۔ سطیح بولا وہ غالب بن فہر بن مالک کی اولاد میں سے ہوگا اور اس کی قوم کی حکومت زمانے کے اختتام تک رہے گی۔ بادشاہ نے پوچھا: کیا زمانے کی انتہا بھی ہے' جواب دیا: بے شک وہ دن جب اولین اور آخرین کو جمع کیا جائے گا نیکوکار اس میں سعادت مند ہوں گے اور بدکار شقی اور بدبخت ہوں گے" اس کے بعد شق بھی آ گیا۔ جو سوال اس سے ہوا اس کے جوابات میں اور سطیح کے جوابات میں یکسانیت پائی گئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کو تعمیر کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا مانگی تھی وہ قبول تو اسی وقت ہوگئی مگر اب عملی در آمد کا وقت آ گیا۔ دعائے خلیل اللہ یہ تھی:

اے ہمارے رب۔ بھیج ان میں ایک برگزیدہ رسول انہیں میں سے تاکہ پڑھ کر سنائے انہیں تیری آئتیں اور سکھائے انہیں یہ کتاب اور دانائی کی باتیں اور پاک صاف کر دے انہیں۔ بے شک تو ہی بہت زبردست اور حکمت والا ہے (البقرہ)

ظہورِ رحمتِ دو عالمؐ

کائنات کے چمنستان میں بارہا روح پرور بہاریں آ چکی ہیں مگر آج بزم عالم اس سروسامان سے سجائی ہے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں دہر کہن سال نے کروڑوں برس صرف کر دیئے۔ سیارگان فلک اسی دن کے شوق میں ازل سے چشم براہ تھے۔ اسی صبح کے انتظار میں لیل و نہار کروٹیں بدلتے رہے۔ کارکنان قضاو قدر کی بزم آرائیاں' ماہ و خورشید کی فروغ انگیزیاں عالم انفاس پاک توحید ابراہیمؑ، جمال یوسفؑ، معجز طرازی موسیٰ علیہ السلام سب اسی لیے تھے کہ شہنشاہ کونینؐ کے دربار میں کام آئیں گے۔

آج ۱۲ ربیع الاول عام الفیل کی صبح ہے کہ توحید کا غلغلہ اٹھا چمنستان سعادت میں بہار آ گئی۔ آفتاب ہدایت کی شعائیں ہر طرف پھیل گئیں۔ عالم قدس' عالم مکان میں تشریف فرمائے عزت و جلال ہوا۔ حضور علیہ السلام کی ولادت پاک ہوئی۔ بقول حضرت حفیظ جالندھری سننے والوں نے افلاک سے آنے والی آواز سنی:

صدا آئی دریچے کھول دو ایوان قدرت کے
نظارے خود کرے گی قدرت آج شان قدرت کے

شب میلاد اور عجائب قدرت کا ظہور

علمائے سیرت نے اپنی کتب میں ان محیر العقول واقعات کا تذکرہ کیا ہے جو اس مبارک رات میں وقوع پذیر ہوئے۔ان میں سے چند ایک کا ذکر درج ذیل ہے:

(۱) اس رات بیت اللہ میں رکھے ہوئے بت سجدے میں گر گئے۔

(۲) حضور کی ولادت کے وقت ایک ایسا نور ظاہر ہوا جس کی روشنی سے حضرت آمنہ کو شام کے محلات دکھائی دینے لگے۔

(۳) اس رات کسریٰ کا ایوان لرز گیا اور اس کے چودہ کنگرے گر گئے۔

(۴) ایران کا مرکزی آتش کدہ جو ہزار سال سے جل رہا تھا وہ اچانک بجھ گیا۔

(۵) امام ابن اسحاق مشہور سیرت نگار نے اپنی سیرت میں حضرت عائشہؓ کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک یہودی تجارت کے سلسلہ میں مکہ میں تھا۔میلاد کی رات آئی تو وہ قریش کی ایک محفل میں گیا اور پوچھا اے گروہ قریش کیا آج رات تم میں سے کسی کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے۔جواب ملا: خبر نہیں۔یہودی نے تعجب سے کہا اپنے گھروں میں اس بارے ضرور دریافت کرنا میری اس بات کو فراموش نہ کرنا کہ آج کی رات اس امت کا نبی پیدا ہونے والا ہے۔اس کی نشانی یہ ہے کہ اس کے دونوں کندھوں کے درمیان بالوں کا ایک گچھا ہوگا۔مجلس برخاست کر کے لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ہر ایک نے دریافت کیا۔انہیں بتایا گیا کہ عبداللہ ابن عبدالمطلب کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا ہے' جس کا نام محمد رکھا گیا ہے چنانچہ یہودی کو یہ اطلاع دے دی گئی۔وہ قریش کے ساتھ حضرت آمنہ کے گھر آیا اور کہا ہمیں اپنا بچہ دکھایئے۔بچے کو دیکھ کر یہودی نے کندھوں سے کپڑا ہٹایا تو بالوں کا ایک گچھا دیکھا۔یہ دیکھتے ہی یہودی غش کھا کر گر پڑا۔جب اسے ہوش آئی تو قریش نے کہا: تیرا خانہ خراب تجھے کیا ہوگیا۔اس نے بصد حسرت کہا: آج سے بنی اسرائیل کے گھرانہ سے نبوت رخصت ہوگئی۔

مقام بعثت کا انتخاب

دنیا کا جغرافیہ اٹھا کر دیکھو تو ایک ہی نظر میں معلوم ہو جائے گا کہ تمام جہانوں کی نبوت

ورسالت کے لیے روئے زمین میں عرب سے زیادہ موزوں مقام کوئی نہیں۔ یہ ایشیاء اور افریقہ کے وسط میں واقع ہے اور یورپ بھی دور نہیں خاص کر اس زمانہ میں یورپ کا جنوبی حصہ جہاں متمدن قومیں آباد تھیں اور تاریخ امم سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ اس وقت عالمی نبوت و رسالت کے لیے عربی قوم سب سے زیادہ موزوں اور تازہ دم تھی۔ عرب اس زمانے کی متمدن قوموں کے برے اثرات سے پاک تھے وہ بہادر اور بے خوف تھے، فیاض تھے اور عہد کے پابند۔ آزاد خیال اور آزادی کو پسند کرنے والے۔ کسی قوم کے غلام نہ تھے عزت کیلئے جان دے دینا ان کے لیے آسان تھا۔ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے اور عیش وعشرت سے بیگانہ تھے۔ اس میں بھی شک نہیں کہ ان میں بھی بہت سی برائیاں تھیں کیونکہ قریباً اڑھائی ہزار سال کے عرصہ میں ان کے پاس کوئی پیغمبر نہ آیا جو ان کے اخلاق سنوارنے کا سبب بنتا صدیوں تک ریگستانی زندگی بسر کر کے ان میں بھی جہالت پھیل گئی تھی مگر ان میں یہ صلاحیت موجود تھی کہ اگر کوئی زبردست انسان ان کی اصلاح کر دے تو یہ دنیا کو زیر وزبر کر دیں۔ پیغمبر عالم کی تعلیم کو پھیلانے کے لیے ایسی سرزمین اور ایسی ہی جوان اور طاقتور قوم کی ضرورت تھی۔

علم وادب کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوگا کہ عربی زبان دیگر تمام زبانوں سے بلند خیالات کو ادا کرنے والی ہے، خدائی علوم کی نازک اور باریک باتیں بیان کرنے اور دلوں میں اتر جانے کے لیے اس سے بہتر کوئی زبان نہیں۔ اسی زبان میں یہ خاصیت ہے کہ مختصر جملوں میں بڑے بڑے مضامین بیان ہو جاتے ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ کی یہ بہت بڑی حکمت تھی کہ اس نے تمام جہانوں میں مرکز ہدایت کے لیے اس مقام کو اور زبان کو چنا۔

رضاعت سے بعثت تک

قریش اور روسائے عرب کے ہاں رواج تھا کہ وہ اپنے بچوں کو دودھ پلانے والیوں کے حوالے کرتے تھے۔ کیونکہ وہ اپنے بچوں کو ماؤں کی نرم وگداز آغوش میں پلتے ہوئے دیکھنے کی بجائے اس کو پسند کرتے تھے کہ وہ صحراء نشین قبیلوں کے پاس اپنے بچپن گزاریں تاکہ ان کی ریت اور کھردری پتھریلی زمین کی رگڑوں سے ان کے جسم میں مضبوطی پیدا ہو اور ان سے فصیح اور بلیغ زبان سیکھ کر یہ بہترین خطیب اور قائد بن سکیں۔

مختلف قبائل کی خواتین خاص موسموں میں مکہ آتیں اور رضاعت کے لیے رؤسائے مکہ کے نونہال لے جاتیں اور معیادِ رضاعت کے ختم ہونے پر واپس آتیں۔ حضرت عبدالمطلب ایسی عورت کی تلاش میں تھے تا کہ وہ اپنے جلیل القدر پوتے کو اس کے حوالے کر سکیں۔ اسی اثناء میں بنی سعد کی چند خواتین بچے لینے کی غرض سے مکہ آئیں جن میں حلیمہ سعدیہ بھی تھیں۔ اس قبیلہ کے مرد و زن عربیت اور فصاحت و بلاغت میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔

حضور علیہ السلام نے اسی نسبت سے ایک سوال کا جواب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یوں دیا:

''ایسا کیوں نہ ہو میں قبیلہ قریش کا فرزند ہوں اور میں نے اپنی رضاعت کا زمانہ بنی سعد قبیلہ میں گزارا ہے''۔

حلیمہ سعدیہ بتاتی ہیں یہ سال قحط اور خشک سالی کا سال تھا ہمارے پاس کچھ باقی نہ رہا تھا۔ جس پر گزر بسر کر سکیں ایک لاغر گدھی اور کمزور اونٹنی تھی جس میں دودھ نام کو بھی نہ تھا اپنے بچے کے لیے مجھ میں اتنا دودھ نہ تھا کہ اس کی ضرورت پوری ہو سکے۔ یہ امید اللہ سے لگائے تھے کہ بارش ہو جائے تو خوشحالی کا زمانہ پھر لوٹ آئے۔ حلیمہ فرماتی ہیں میں بھی اپنے قبیلے کی خواتین کے ساتھ مکہ گئی۔ میری سواری چلنے میں بہت سست تھی اس لیے مکہ پہنچنے میں دوسری خواتین سبقت لے گئیں اور امراء کے بچے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئیں۔ میری ملاقات حضرت عبدالمطلب سے ہوئی انہوں نے مجھے کہا: تم کون ہو۔ میں نے کہا: میں بنی سعد سے ہوں اور حلیمہ میرا نام ہے۔ یہ سن کر عبدالمطلب مسکرائے اور کہا:

''واہ واہ سعد اور حلم کیا کہنا یہ دو وہ خوبیاں ہیں جن میں زمانہ بھر کی بھلائی اور ابدی عزت ہے''۔

پھر فرمایا: ہمارے ہاں ایک یتیم بچہ ہے۔ یتیم ہونے کی وجہ سے دوسری خواتین نے اسے رضاعت کے لیے قبول نہیں کیا۔ یہ بچہ تم لینے کے لیے تیار ہو۔ میں خاوند سے مشورہ کر کے حضرت آمنہ کے گھر گئی۔ سیدہ نے مجھے خوش آمدید کہا۔ آپ کے معصوم حسن و جمال کو دیکھ کر میں تو فریفتہ ہو گئی۔ سرمگیں آنکھوں سے انوار نکل رہے تھے میں نے بے اختیار پیشانی مبارک کا بوسہ لیا اٹھا کر سینہ سے لگایا اور اجازت لے کر اپنے خیمہ میں خاوند کے پاس آئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو

دائیں طرف سے دودھ پلایا مگر بائیں طرف سے نہیں۔ آپ کے دودھ پینے سے میرے پستان دودھ سے بھر گئے۔ ہم اسی لاغر کمزور اونٹنی پر سوار ہو کر واپس چلے تو دیکھا کہ وہ بھی دودھ سے بھری ہوئی ہے جسے میرے خاوند نے دوہا خود بھی پیا اور مجھے بھی پلایا۔ یہ سب اس بچے کی برکت تھی۔ ہماری اونٹنی قافلے کی سب سواریوں سے آگے آگے بھاگ رہی تھی جو سب کے لیے حیرت انگیز بات تھی۔

آخر ہم اپنی قیام گاہوں میں پہنچ گئے۔ اردگرد کے علاقوں میں ہمارا علاقہ زیادہ قحط زدہ تھا۔ لیکن میری بکریاں چر کر واپس آتیں تو ان کے پیٹ بھرے ہوتے اور وہ دودھ سے لبریز ہوتیں۔ دن بدن انعامات اور برکات میں اضافہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ہم خوشحال زندگی بسر کرنے لگے۔ اب دو سال کا عرصہ ختم ہو گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دودھ چھڑا دیا گیا۔ اس عرصہ میں آپ کی نشوونما کی کیفیت نرالی تھی آپ قوی اور توانا بچوں کی طرح ہو گئے۔

مدت رضاعت پوری ہونے کے بعد ہم آپ کو والدہ ماجدہ کے پاس لے آئے۔ چونکہ جدائی برداشت نہ تھی۔ ہماری درخواست پر مزید کچھ عرصہ کے لیے اپنے پاس رکھنے کی بخوشی اجازت مل گئی۔ حلیمہ بتاتی ہیں کہ حضورؐ کی واپسی کو ابھی دو تین ماہ گزرے تھے کہ ایک روز حضورؐ اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ گئے جو اپنی بکریاں چراتا تھا۔ آپ کا رضاعی بھائی بھاگتا ہوا آیا اور کہا کہ محمدؐ کو دو سفید لباس میں آدمیوں نے زمین پر لٹایا ہے اور فوراً اس کے شکم کو چاک کر دیا ہے۔ میں اور میرا خاوند آپ کی طرف دوڑے تو دیکھا کہ آپ کھڑے ہیں اور چہرہ مبارک زردی مائل ہو رہا ہے۔ پوچھا کیا ہوا تو آپ نے کہا کہ دو آدمی میرے پاس آئے مجھے پکڑ کر فوراً زمین پر لٹا کر میرا پیٹ چاک کر دیا اور کوئی چیز نکال دی اور پھر اسی طرح کر دیا۔ ہم حضورؐ کو گھر لے آئے اور مشورہ کر کے آپ کو آپ کی والدہ ماجدہ کے پاس لے آئے اور سارا ماجرہ سنایا اور کہا ہم چاہتے ہیں کہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائیں۔ حضرت سیدہ آمنہ نے حلیمہ کو کہا: کیا تمہیں خوف ہے کہ میرے نور نظر کو شیطان کوئی اذیت پہنچائے گا۔ بخدا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا وہ تو اس کے نزدیک بھی نہیں پھٹک سکتا۔

سیدہ آمنہ کا سفر یثرب

حضور کی عمر ابھی چھ سال کی تھی کہ سیدہ آمنہ نے اپنے سسر عبدالمطلب سے اپنی اس

دیرینہ خواہش کا ذکر کیا اور اجازت چاہی کہ وہ یثرب جا کر اپنے جلیل القدر خاوند کی قبر کی زیارت کریں اور کچھ دن میکے رہ آئیں۔ حضرت عبدالمطلب نے اجازت دے دی۔ سیدہ آمنہ اپنے فرزند دلبند کو ساتھ لے کر یثرب روانہ ہو گئیں ان کے ساتھ حبشہ کی رہنے والی کنیز ام ایمن تھی جس کا اصل نام برکت تھا۔ یہ مختصر سا قافلہ حضورؐ کے جد امجد حضرت عبدالمطلب کے ننہال بنو عدی بن نجار کے ہاں قیام پذیر ہوا۔ مہینہ بھر کے قیام کے بعد ایک یہودی نے حضورؐ کو دیکھ کر نام پوچھا۔ آپ نے بتایا احمد۔ یہودی نے آپ کے کندھوں کے درمیان بالوں کا گچھا دیکھ کر کہا۔ یہ تو اس امت کا نبی ہے۔ اس کے بعد اور یہودی بھی آپ کو دیکھنے آتے رہے تو سیدہ آمنہ کو خوف محسوس ہوا اور واپسی کی تیاری کی۔ روایت میں آیا ہے کہ اسماء کی ماں بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ یثرب روانہ ہو کر ابوا کے مقام پر پہنچیں تو سیدہ کی طبع ناساز ہو گئی۔ کارکنان قضاء و قدر نے وجہ تخلیق کائنات کو جو پہلے ہی باپ کے سایہ عاطفت سے محروم کر دیئے گئے تھے۔ آج ابوا کے مقام پر ماں کی آغوش محبت سے بھی جدا کر دیا۔ ام ایمن ابوا کے مقام پر سید و سرور محمدؐ کی والدہ کو سپرد خاک کر کے عبد مناف کے اس یتیم بچے کو حضرت عبدالمطلب کے پاس واپس لائیں اور تمام حالات سے آگاہ کیا۔ اب آپ دادا کی کفالت میں آ گئے۔ حضورؐ نے اپنے عظیم دادا کی بے پایاں شفقتوں اور محبتوں میں دو سال ہی بسر کیے تھے کہ قدرت کی حکمتوں نے حضرت عبدالمطلب کو بھی اس دنیا سے اٹھا لیا مگر اپنی وفات سے قبل آپ نے اپنے بیٹے ابوطالب کو بلا کر حضورؐ کی نگہداشت ان کے سپرد کر دی۔ ام ایمن نے ابوا کے مقام پر ماں کی جدائی میں حضورؐ کی آنکھوں سے اشکوں کی بارش دیکھی تھی۔ آج دادا کا جنازہ اٹھاتے لوگوں نے پھر ان یتیم آنکھوں میں آنسو رواں دیکھے کہ رحمت عالمیان کس قدر جلد اپنے مشفق سرپرستوں کی شفقتوں سے محروم ہو رہے ہیں۔

ابوطالب حضورؐ کے سگے چچا تھے آپ کا نام عبد مناف تھا اور ابوطالب کنیت اسی نام سے پکارے اور جانے پہچانے جاتے۔ گو آپ کی مالی حالت اتنی مضبوط نہ تھی تاہم حضورؐ کی نشو و نماء اور دیکھ بھال میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ آپ جب تک دسترخوان پر تشریف نہ لاتے کھانا نہ چنا جاتا۔ ابوطالب آپ کو اکثر فرماتے اے میرے بیٹے تو بڑا بابرکت ہے ہم سب سیر ہو کر کھانا بھی کھا لیتے ہیں اور کھانا بچ بھی جاتا ہے۔ آپ کا تذکرہ دوستوں میں کرتے تو کہتے: میرے بھتیجے کا حال عظیم الشان مستقبل کی غمازی کرتا ہے۔

عہد شباب کا دور

حضور دس سال کے ہوئے تو اجرت پر لوگوں کی بکریاں چرانی شروع کر دیں۔ حضرت امام بخاری علیہ رحمت نے ابو ہریرہؓ سے ایک روایت بیان کی ہے

''حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں فرمایا مگر اس نے بکریوں کو چرایا ہے۔ اصحاب نے پوچھا: یارسول اللہؐ آپ نے بھی۔ آپ نے فرمایا: میں نے بھی۔ میں قیراط کے عوض مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا'' م

سفر شام

قریش کا آبائی پیشہ تجارت تھا۔ حضورؐ کی عمر بارہ سال ہوئی تو آپ کے چچا ابو طالب نے شام کے تجارتی سفر کی تیاریاں شروع کیں۔ جب روانگی کا وقت آیا تو آپ نے چچا کے اونٹ کی نکیل پکڑ کر کہا:

''میرے چچا آپ مجھے کس کے سپرد کر کے جا رہے ہیں میرا نہ باپ ہے نہ ماں۔''

یہ سن کر ابو طالب نے آپ کو قافلہ میں ساتھ لے لیا اور اپنے ساتھ سوار کر لیا۔ کئی دنوں کی مسافت کے بعد قافلہ بصرہ پہنچا تو وہاں عیسائی راہبوں کی خانقاہ کے گردونواح میں شب بسری کے لیے قیام کیا۔ اس خانقاہ میں ایک عیسائی راہب عرصہ دراز سے سکونت پذیر تھا۔ جس کا نام جرجیس تھا لیکن بحیرا کے نام مشہور تھا۔ کہتے ہیں: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کو جو خصوصی علوم عطاء کیے گئے تھے وہ نسلاً بعد نسل چلے آ رہے تھے اور ان علوم کا اس زمانہ میں یہی راہب امین تھا۔ قریش کے تجارتی قافلے اکثر اسی راستہ سے ہو کر جاتے تھے لیکن اس راہب نے کبھی پرواہ نہ کی تھی۔ لیکن اس دفعہ یہ قافلہ اس وادی میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ ایک نوخیز بچے پر بادل کا ایک ٹکڑا سایہ فگن ہے۔ بادل کا ٹکڑا بچے کے ساتھ حرکت کرتا۔ قافلہ کے لوگ ایک درخت کے سایہ میں اترے اور وہ بچہ دھوپ میں مجمع سے باہر ہی بیٹھ گیا تو درخت نے فوراً جھک کر اس پر سایہ کر دیا۔ بحیرا نے جب یہ نظارہ دیکھا تو اسے خیال آیا کہ جس نبی صادق و امین کے ہم منتظر ہیں یہ جوان وہ ہی تو نہیں۔ لہٰذا اسے قریب سے دیکھنا چاہیے تا کہ اپنی کتب میں بتائی گئی نشانیوں کے مطابق پرکھ ہو جائے۔ اس لیے اس نے اس قافلہ کے لوگوں کی ضیافت کا فیصلہ کیا۔ وقت مقررہ پر

قافلہ والے خانقاہ پہنچے۔ چونکہ بحیرہ راہب کو بچہ نظر نہ آیا تو پوچھا آیا کوئی پیچھے تو نہیں رہ گیا۔ اسے بتایا کہ ایک بچے کے سوا سب آ گئے ہیں۔ راہب کے اصرار پر بچے کو بھی بلا لیا گیا اس پیکر نور و سعادت کے آنے پر بحیرہ نے اس کی طرف ٹکٹکی باندھ کر غور سے دیکھنا شروع کر دیا۔ کھانے کے بعد لوگ جانے لگے تو بحیرہ نے حضورؐ کے قریب آ کر کہا: میں تم سے لات وعزیٰ کے واسطہ سے ایک سوال کرتا ہوں۔ آپ جواب دیں۔ حضورؐ نے بحیرہ کو کہا لات وعزیٰ کے واسطہ سے مجھ سے کوئی سوال نہ کرو بخدا مجھے جتنی ان سے نفرت ہے اور کسی سے نہیں۔ بحیرہ نے آزمانے کے لیے لات وعزیٰ کی قسم کھائی تھی۔ اب اس نے اللہ کے واسطہ سے گفتگو شروع کی اور آپ سے آپ کی نیند اور بیداری کی کیفیت دریافت کی۔ حضورؐ جواب دیتے رہے۔ آخر میں بحیرہ نے آپ کی پشت مبارک سے کپڑا اٹھایا تو وہاں مہر نبوت اسی طرح دیکھی جس شکل میں ان کے پاس تھی۔ اس نے جھک کر مہر نبوت کو چوم لیا۔ یہ نظارہ قافلہ والوں نے بھی دیکھا۔

بحیرہ نے ابو طالب سے پوچھا: آپ کا اس بچے سے کیا رشتہ ہے۔ انہوں نے کہا: میرا بیٹا ہے۔ بحیرہ بولا: یہ غلط ہے اس کا باپ زندہ نہیں ہو سکتا۔ تب ابو طالب بولے: یہ میرا بھتیجا ہے اس کے ماں باپ فوت ہو چکے ہیں۔ بحیرہ نے کہا: اب آپ نے ٹھیک کہا۔ پھر بحیرہ نے مشورہ دیا کہ آپ اس بچے کو یہاں سے ہی واپس لے جائیں اور یہودیوں سے ہوشیار رہیں ایسا نہ ہو وہ اس بچے کو ضرر پہنچائیں۔ آپ کے بھتیجے کی بڑی شان ہو گی۔ ہر چیز ہماری کتابوں میں مذکور ہے۔ ابو طالب سامان تجارت سے فارغ ہو کر عازم مکہ ہو گئے۔

آسمانی تربیت

حضور علیہ السلام کی نشو و نما خاص' محفوظ و معصوم طریقہ پر ہوئی اور جاہلیت کی نجاستوں اور بری عادتوں سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہمیشہ دور اور پاک رکھا۔ آپ اپنی قوم میں شروع سے ہی سب سے زیادہ حمیدہ صفات، عالی ہمت، حسن اخلاق سے آراستہ تھے اور حیادار، راست گفتار اور امانت دار تھے۔ بدکلامی اور فحش گوئی سے دور رہے۔ یہاں تک کہ آپ کی قوم کے لوگ آپ کو صادق اور امین کے نام سے پکارتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر قسم کی بری عادتوں سے محفوظ رکھا تھا۔ حالانکہ معاشرہ میں ان کے اندر کوئی حرج نہ تھا۔ آپ رشتوں کا خیال کرتے' لوگوں کا بوجھ ہلکا کرتے' ان کی ضرورتیں پوری کرتے' محنت کر کے روزی کماتے اور خود معمولی اور ضرورت بھر غذا پر اکتفا فرماتے۔

حرب فجار

حضور علیہ السلام کی عمر مبارک اب پندرھویں سال میں پہنچ گئی۔ حرب فجار کے نام سے ایک جنگ بہت مشہور ہے۔ جس میں ایک فریق قریش اور بنو کنانہ تھے تو دوسری طرف بنو ہوازن تھا۔ حضورؐ اپنے چچاؤں کے ساتھ اس جنگ میں گئے مگر قتال میں بالکل کوئی حصہ نہ لیا۔ یہ جنگ بعد میں صلح پر ختم ہوئی۔

حلف الفضول

مکہ مرکز تجارت تھا' باہر سے تاجر اپنا مال یہاں لاتے اور اس کے بدلے پسندیدہ اجناس خرید کر واپس چلے جاتے اس دور میں کسی قبیلہ کی منظم حکومت نہ تھی نہ ظلم و ستم سے کوئی روکنے والا۔ ہوا یوں کہ زید نامی ایک تاجر مکہ میں اپنا مال لایا مکہ کے ایک رئیس عاص بن وائل نے وہ مال خرید لیا مگر مال کی رقم یا بدل دینے سے انکار کر گیا۔ تاجر نے دیگر کئی رؤساء سے اپنی داستان بیان کی مگر کوئی مدد کو تیار نہ ہوا بالآخر زبیر بن عبدالمطلب نے تاجر کی فریاد سنی اور اعلان کیا کہ وہ اس فریاد کو نظر انداز نہیں کرے گا۔ چنانچہ اس نے عبداللہ بن جدمان کے گھر بنی ہاشم، بنی زہرہ بنی تیم وغیرہ قبائل جمع کیے اور تاجر کی داستان بیان کی اور مظلوم کی دادرسی کے لیے اجتماعی کوشش کرنے کی دعوت دی جو سب نے قبول کر کے اس بارے میں ایک معاہدہ پر دستخط کیے اسی معاہدے کو حلف الفضول کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ چنانچہ سب مل کر عاص کے پاس گئے اور اسے مال یا اس کی قیمت تاجر کو دینے کے لیے کہا:

عاص نے صورت حالات کے پیش نظر تاجر کا مال اسے واپس کر دیا۔ معاہدے کا متن یہ تھا:

> ''سب متحد ہو کر ظالم کے خلاف مظلوم کی مدد کریں گے یہاں تک کہ ظالم مظلوم کو اس کا حق ادا کر دے اور ہم اس عہد پر پابند رہیں گے جب تک سمندر اون کو تر کرتا ہے اور جب تک حرا اور شبیر کے پہاڑ اپنی جگہ پر قائم ہیں اور معاش میں ہم ایک دوسرے کی مدد کریں گے''۔

حضور علیہ السلام نے بھی اس معاہدہ میں شرکت فرمائی اور فرمایا کرتے:

> ''میں عبداللہ بن جدمان کے گھر میں حاضر تھا جب حلف الفضول طے

پایا۔اس کے بدلے میں اگر کوئی مجھے سرخ اونٹ دے تب بھی میں لینے کو تیار نہیں اور اس قسم کے معاہدہ کی دعوت اسلام میں بھی اگر کوئی مجھے دے تو میں اسے قبول کروں گا"۔

یہ معاہدہ مدتوں نافذ العمل رہا جب کبھی کسی مظلوم نے اس معاہدہ کا واسطہ دے کر فریاد کی تو لوگ بے تامل تلواریں بے نیام کیے اس فریادی کی امداد کے لیے دوڑے آئے۔

شام کا دوسرا سفر

خدیجہؓ بنت خویلد ایک کامیاب متمول تاجرہ ہونے کے ساتھ ساتھ مکارم اخلاق کا پیکر جمیل تھیں۔عفت و پاکدامنی کے باعث اس عہد جاہلیت میں "طاہرہ" کے لقب سے پکاری جاتی تھیں۔رحم دلی، غریب پروری اور سخاوت آپ کی امتیازی خصوصیات تھیں۔اہل مکہ کے تجارتی وفد میں آپ کا مال تجارت آپ کے نمائندوں اور ملازمین کی سپردگی میں بیرون ملک جاتا رہتا۔اس بار شام کے لیے آپ کے قافلہ تجارت کی تیاری شروع ہوئی۔ابو طالب کو خدیجہؓ کے قافلے کا حال معلوم ہوا تو آپ نے حضور علیہ السلام کو بلایا اور کہا: اے بھتیجے آپ سے میری مالی حالت پوشیدہ نہیں۔کسی تجارت میں سرمایہ لگانا میرے بس میں نہیں۔مکہ میں خدیجہؓ بنت خویلد کا قافلہ تجارت شام جانے والا ہے۔وہ بہت نیک خاتون ہے وہ ملازموں کے ذریعہ یہ کاروبار تجارت کرتی ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ اگر آپ اس کے پاس جا کر اپنی خدمات پیش کریں تو وہ خوش ہو کر قبول کرے گی کیونکہ وہ آپ کے متعلق بڑی اچھی رائے رکھتی ہے۔مگر حضورؐ کی غیرت نے کسی کے پاس سائل بن کر جانا پسند نہ کیا اور چچا سے کہا: شاید وہ خود ہی ضرورت محسوس کر کے بلا لے۔ابو طالب نے اصرار کیا کہ ایسا نہ ہو وہ کسی دوسرے کو مقرر کر دے مگر حضورؐ نے خاموشی اختیار کی۔

حضرت خدیجہؓ کو حضورؐ کے محاسن اخلاق، امانت، دیانت اور پاکبازی کی شہرت کا علم تھا۔جب اسے چچا بھتیجا کی گفتگو کا پتہ لگا تو حضورؐ کو فوراً پیغام بھیج کر بلایا اور کہا کہ میں اس تجارتی قافلہ کی ذمہ داری آپ کے سپرد کرنا چاہتی ہوں جو معاوضہ میں دوسروں کو دیتی ہوں اس سے دوگنا آپ کو دوں گی۔چنانچہ آپ نے چچا سے مشورہ کے بعد حضرت خدیجہؓ کی پیشکش قبول کر لی۔

حضرت خدیجہؓ نے اپنا غلام میسرہ حضور کے ساتھ کر دیا اور اسے حضورؐ کی فرمانبرداری کی تاکید کی۔قافلہ میں سامان تجارت سب سے زیادہ حضرت خدیجہؓ کا تھا۔چند روز کی مسافت کے

بعد قافلہ بصرہ پہنچ گیا اور اسی خانقاہ کے نزدیک ٹھہرا' جہاں تیرہ سال قبل ابو طالب کے ساتھ حضورؐ ٹھہرے تھے ایک راہب نے باہر آ کر حضورؐ سے ملاقات کی۔ میسرہ نے حضورؐ کے حسب نسب سے آگاہ کر دیا۔ راہب نے قریب آ کر حضورؐ کا سر مبارک چوما اور کہا: میں آپ پر ایمان لاتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی ہیں جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے تورات میں کیا ہے۔ پھر اس نے مہر نبوت کو دیکھا تو کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ میسرہ نے یہ باتیں سنیں تو حیران رہ گیا اس نے دوران سفر دیکھا تھا کہ دھوپ تیز ہوتی تو آپ پر سایہ آ جاتا۔

حضور علیہ السلام نے شام میں حضرت خدیجہؓ کا سامان تجارت فروخت کر دیا۔ اس کے عوض شام اور دیگر ممالک کی ضرورت والی اشیاء خریدیں اور مکہ روانگی کی تیاری کی۔ سامان تجارت اونٹوں پر لادا اور روانہ ہو گئے۔ جب مکہ کے نزدیک آ گئے تو آپ نے حضرت خدیجہؓ کو قافلہ کی سلامتی کے ساتھ آنے کی پیشگی اطلاع کے لیے ایک قاصد آگے روانہ کر دیا۔ حضرت خدیجہؓ ہر روز مکان کی چھت پر قافلہ دیکھنے کے لیے آتی رہیں ایک روز قافلہ آ گیا تو حضرت خدیجہؓ نے اونٹ پر ایک سوار پر ابر کو سایہ کئے دیکھا اور یہ سوار حضور علیہ السلام ہی تھے۔

میسرہ نے حضرت خدیجہؓ کو آتے جاتے سفر کے دوران جو واقعات دیکھے' بیان کیے۔ بصرہ کے راہب کی گفتگو سے آگاہ کیا مال تجارت کے فروخت کرنے اور خریدنے کے متعلق آپ کی صلاحیتوں کا تذکرہ کیا۔ امانت اور دیانت سے خرید و فروخت اور تجارتی سوجھ بوجھ کا بتایا۔ یہ سن کر حضرت خدیجہؓ نے طے کر لیا کہ اگر آپ کی رفیقہ حیات بننے کا شرف انہیں نصیب ہو جائے تو ان کی خوش قسمتی ہو گی۔

ازدواجی زندگی کا آغاز

حضرت خدیجہؓ کی دو مرتبہ شادی ہو چکی تھی۔ آپ کے دونوں شوہر فوت ہو چکے تھے۔ ان سے آپ کے اولاد بھی تھی۔ اس کے بعد بڑے بڑے رؤسائے مکہ نے حضرت خدیجہؓ سے شادی کرنی چاہی مگر آپ راضی نہ ہوئیں اور ان کی طرف التفات نہ کیا۔

حضور سرور عالمؐ کے ظاہری اور باطنی کمالات کو دیکھ کر انہوں نے ایک زیرک اور دور اندیش کی طرح فیصلہ کیا کہ وہ حضورؐ سے عقد کریں گی۔ اس غرض کے لیے اور حضورؐ کی مرضی دریافت کرنے کے لیے اپنی ہم راز سہیلی نفیسہ کو کہا کہ وہ کسی طرح اس بارے حضورؐ کی رائے معلوم کرے۔ نفیسہ کہتی ہیں کہ میں آپ کے پاس گئی اور پوچھا: آپ شادی کیوں نہیں کرتے۔

آپ نے فرمایا: میرے پاس سرمایہ نہیں جس سے شادی کا فریضہ ادا کروں۔ نفیسہ کہتی ہیں: میں نے عرض کی آپ اس کی پرواہ نہ کریں اس کی میں ذمہ دار ہوں۔ اگر آپ کو جمال، شرف اور خوش حالی کی طرف دعوت دی جائے تو کیا آپ قبول نہیں فرمائیں گے۔ آپ نے دریافت کیا: کون۔ نفیسہ نے کہا: حضرت خدیجہؓ۔ حضورؐ نے فرمایا: یہ میرے لیے کیونکر ممکن ہے۔

نفیسہ خوشی خوشی حضرت خدیجہؓ کے پاس گئی اور ساری روئداد کہہ سنائی۔ انہوں نے حضورؐ کو اپنے ہاں دعوت دی آپ تشریف لے گئے تو حضرت خدیجہؓ نے کہا: اے میرے چچا زاد میں اس لیے آپ سے رغبت رکھتی ہوں کہ آپ رشتہ میں میرے قریبی ہیں۔ اپنی قوم میں بلند شان رکھتے ہیں امانت، حسن خلق اور صداقت آپ کی خصوصی صفات ہیں۔ ابو طالب نے حضرت خدیجہؓ کے چچا کے پاس جا کر حضرت خدیجہؓ کے رشتے کی بات کی جو قبول کر لی گئی یہ آپ کی منگنی تھی نکاح کے لیے وقت اور تاریخ کا تعین کر لیا گیا۔

تاریخ مقررہ پر قبیلہ کے رؤسا اور مکہ کے شرفاء اکٹھے ہوئے حضرت خدیجہؓ کی طرف سے ان کے چچا عمرو بن اسد وکیل بنے اور حضورؐ کے وکیل ابو طالب ٹھہرے۔ آپ نے حمد باری تعالیٰ اور حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام کے ذکر سے خطبہ نکاح ارشاد فرمایا۔ اس کے بعد ورقہ بن نوفل نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ حمد خدا کے بعد دونوں خاندانوں کی توصیف بیان کی۔ حضرت ابو طالب کی درخواست پر حضرت خدیجہؓ کے چچا عمرو بن اسد نے خطبہ پڑھا اور لوگوں کو گواہ بنا کر کہا کہ ہم نے حضرت خدیجہؓ بنت خویلد کا نکاح محمدؐ بن عبداللہ سے کر دیا ہے۔ اس موقعہ پر حضورؐ کی عمر 25 سال اور حضرت خدیجہؓ 40 سال کی تھیں۔

ایک بڑے فتنہ کا سدباب

حضور علیہ السلام پینتیس سال کے تھے کہ سرداران قریش و دیگر قبائل نے باہم مشورہ کیا کہ بیت اللہ کی پرانی عمارت کو منہدم کر کے اسے از سر نو تعمیر کیا جائے۔ چنانچہ بوسیدہ دیواریں گرا کر عمارت کی تعمیر شروع ہو گئی۔ حضور علیہ السلام خود بھی تعمیر کے کام میں حصہ لیتے۔ جب دیواریں حجر اسود نصب کرنے کے مقام پر پہنچیں تو حجر اسود کون نصب کرے؟ اس پر اختلاف رائے ہو گیا تعمیر رک گئی اور اس قدر اختلاف ہو گیا کہ نوبت جنگ تک پہنچ گئی اور تیاریاں شروع ہونے لگیں گروہ بندی ہو کر آخری دم تک لڑنے اور ساتھ دینے کے معاہدے اور حلف اٹھائے گئے۔ جنگ شروع ہونے والی تھی کہ فریقین میں طے پایا کہ صبح حرم میں جو آدمی پہلے داخل ہوگا وہ حجر اسود کے

نصب کرنے کا جو بھی فیصلہ کرے سب کو منظور ہوگا۔ سب صبح کے انتظار میں تھے۔ صبح کو دیکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم حرم میں داخل ہو رہے ہیں۔ سب خوش ہو گئے اور آپ کو فیصلہ کرنے کا اختیار دے دیا۔ حضور علیہ السلام نے فوراً ایک بڑی چادر منگوائی اور حجر اسود کو اٹھا کر چادر کے وسط میں رکھ دیا۔ پھر سب کو چادر اٹھانے کا حکم دیا اس طرح سب نے باہم مل کر حجر اسود کو چادر میں اٹھا کر جہاں اسے نصب ہونا تھا وہاں فرش پر رکھ دیا۔ اس کے بعد حضور علیہ السلام نے اپنے دست مبارک سے پتھر دیوار میں نصب کر دیا۔ سب سردار اس طرح راضی ہو گئے اور حضور علیہ السلام نے سب کو کشت وخون سے بچالیا۔

بعثت کے بعد

حضور علیہ السلام چالیس سال اپنی عمر مبارک کے گزار چکے تو اس وقت تنہائی اور خلوت پسندی آپؐ کا شیوہ اور معمول بن گئی۔ آپ کو الگ تھلک بیٹھنے سے سکون ملتا۔ آپؐ مکہ سے باہر دور نکل جاتے یہاں تک شہر کے مکانات نظروں سے اوجھل ہو جاتے۔ آپؐ مکہ کی گھاٹیوں اور پہاڑوں کی وادیوں سے گزرتے تو شجر وحجر سے آواز سنائی دیتی: السلام علیک یا رسول اللہ۔ آپؐ ہر طرف گھوم کر دیکھتے تو درختوں اور پتھروں کے سوا کچھ نہ ہوتا۔

آپؐ زیادہ وقت غار حرا میں گزارتے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے۔ یہ رمضان کا مہینہ تھا۔ آپؐ غار حراء میں تھے کہ فرشتہ آیا اور آپ کو کہا: پڑھیے۔ آپؐ نے جواب دیا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ آپؐ فرماتے ہیں پھر مجھے فرشتہ نے پکڑ لیا یہاں تک کہ میں نے تکلیف محسوس کی پھر اس نے چھوڑ دیا اور پھر کہا: پڑھیے۔ میں نے وہی جواب دیا۔ فرشتہ نے پھر پکڑ کر بھینچا جس سے مجھے سخت دباؤ ہوا اس نے پھر چھوڑ دیا اور کہا: ”اپنے پروردگار کے نام سے پڑھو جس نے عالم کو پیدا کیا۔ جس نے انسان خون کی پھٹکی سے بنایا۔ پڑھو تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جس کا اسے علم نہ تھا۔“

اس واقعہ کے بعد حضورؐ گھر آئے حضرت خدیجہؓ سے فرمایا مجھے کچھ اوڑھا دو۔ مجھے خطرہ محسوس ہو رہا ہے اور واقعہ کی تفصیل سے حضرت خدیجہؓ کو آگاہ کیا۔ حضرت خدیجہؓ آپؐ کو ساتھ لے کر ورقہ بن نوفل اپنے چچازاد عالم فاضل بھائی کے پاس گئیں کہ ایسے واقعات کے رونما ہونے پر ان سے شاید کچھ معلومات حاصل ہو جائیں۔ علماء کے اقوال کے مطابق رسول اللہؐ نے ورقہ بن نوفل کو پورا واقعہ سنایا۔ حضور علیہ السلام سے تفصیلاً سننے کے بعد انہوں نے کہا کہ وہ قسم سے کہتا ہے کہ آپ اس امت کے نبی ہیں۔ آپ کے پاس وہی ناموس اکبر آیا ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تھا۔ ورقہ بن نوفل نے مزید کہا کہ ایک وقت آئے گا کہ قوم آپ کو جھٹلائے

گی۔ایذاء پہنچائے گی۔مکہ سے نکالے گی اور جنگ کرے گی۔ورقہ بن نوفل کے پاس حضور علیہ السلام کو لے جانے کے علاوہ متعدد ایسی روایات ہیں جن میں مذکور ہے کہ فرشتہ کی پہلی وحی کے بعد حضورؐ نے پہاڑ پر چڑھ کر دو دفعہ اپنے آپ کو گرا دینے کی کوشش کی مگر دونوں دفعہ حضرت جبرائیلؑ نے روکا اور تسلی دی کہ آپ اللہ کے پیغمبر ہیں۔سیرت پاک کی کتب میں یہ روایات بڑے واضح انداز میں بیان ہوئی ہیں جن پر اکثر مفسرین کرام نے اعتراض نوٹ کیے ہیں۔یعنی ان کا خیال ہے کہ کسی نبی کو پہلی وحی آنے پر شک نہیں گزرا۔جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درخت سے آواز سنی کہ میں خدا ہوں تو ان کو کوئی شبہ پیدا ہوا؟ حضور علیہ السلام کو بچپن سے ہی ایسے واقعات سامنے آئے یعنی شق صدر' شام کے پہلے سفر میں راہب بحیرہ کا حضورؐ کو اس امت کا نبی کہنا اور دوسرے سفر میں بصرہ کے دوسرے راہب کا حضورؐ کو دیکھ کر تصدیق کرنا کہ آپ نبی آخرالزماںؐ ہیں جن کا ذکر ان کی کتب میں ہے۔حضور علیہ السلام کا خود فرمانا کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ حضرت آدم ابھی آب و گل میں تھے اور یہ کہ میں ان شجر و حجر کو جانتا ہوں جو بعثت سے قبل یارسول اللہ کہہ کر سلام کرتے تھے۔غار حراء میں حضرت جبرائیل کے پہلی وحی لانے، حضورؐ کے خوفزدہ ہو جانے' گھبراہٹ کے عالم میں گھر جانے' حضرت خدیجہؓ کے تسکین کے الفاظ کہنے اور پھر آپؐ کو ایک عیسائی عالم ورقہ بن نوفل کے پاس لے جا کر واقعات وحی سنانے اور ورقہ کا تصدیق کرنا کہ یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام پر آیا۔مورخین نے کچھ ایسے انداز سے یہ واقعات تحریر کیے ہیں جس سے شبہ ہوتا ہے کہ حضورؐ کو اپنے مبعوث نبوت ہونے پر شبہ تھا۔ایسے تاثرات قطعاً بے بنیاد اور حقائق سے مطابقت نہیں رکھتے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی کائنات میں اور تمام انبیاء میں آپ کی نبوت آخر زمان کا اعلان کر دیا ہوا تھا۔

عالم شہادت میں تشریف لا کر بعثت کے بعد حضور علیہ السلام نے جب فرض نبوت ادا کرنا چاہا تو بہت سخت مشکلیں پیش نظر تھیں۔اگر آپؐ کا فرض اسی قدر ہوتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح فقط تبلیغ و دعوت پر ہی اکتفاء فرمائیں یا حضرت کلیم اللہ کی طرح اپنی قوم کو لے کر مصر سے نکل جانا ہوتا تو کوئی مشکل نہ ہوتی لیکن سابقہ انبیاء و رسل کے برعکس حضور علیہ السلام خاتم الانبیاء کو نہ صرف عرب بلکہ تمام عالم کو فروغ اسلام سے منور کر دینا تھا۔اس لیے نہایت تدبیر اور ترتیب سے کام لینا پڑا۔حضور علیہ السلام کے لیے پہلا مرحلہ یہ درپیش تھا کہ بعثت نبوت کا راز سب سے پہلے کس کے سامنے ظاہر کیا جائے۔اس کے لیے حضورؐ نے وہ لوگ منتخب کیے جو آپ کی صحبت سے فیض یاب تھے اور جن کو آپ کے اخلاق و عادات کا عملی تجربہ ہو چکا تھا اور وہ سابقہ مشاہدات کی روشنی میں آپ کے صدق دعویٰ کی تصدیق کا قطعی فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں تھے۔ایسے

لوگوں میں سرفہرست آپ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ تھیں۔ حضرت علیؓ تھے جو آپ کی آغوش میں پلے تھے۔ حضرت زیدؓ تھے جو آپ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ حضرت ابوبکرؓ تھے جو برسوں سے صحبت سے فیض یاب ہو رہے تھے۔ حضور علیہ السلام نے سب سے قبل بالترتیب سب کو پیغام سنایا سب نے لبیک کہا۔ اسلام کی ننھی سی جماعت تیار ہو گئی حضرت ابوبکرؓ مالدار، صاحب الرائے اور بہت فیاض اور اچھے لوگوں میں اثر و رسوخ رکھتے تھے۔ حضور علیہ السلام کی دعوت اسلام پر ایمان لانے کے بعد مکہ کے اکابرین میں سے حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سعد بن وقاصؓ (فاتح ایران) حضرت طلحہؓ، حضرت ابوبکرؓ کی ترغیب اور تبلیغ سے اسلام لائے اور ساتھ ہی عمار، خباب بن حارث، ارقم، سعید بن زید، عبداللہ بن مسعود، عثمان بن مظعون، حضرت عبیدہ اور صہیب رومی ان اکابرین کی سعی سے اسلام کی اس ننھی منی جماعت میں شامل ہوئے۔

حضور علیہ السلام تمام عالم کیلئے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجے گئے تھے۔ آپ کے سامنے صرف دنیائے عرب ہی نہ تھی بلکہ عرب کے علاوہ دنیا کے ہر ملک کا ایک ایک فرد تھا جسے دعوت اسلام پہنچائی جانی تھی۔ سابقہ انبیاء مخصوص علاقے اور اپنی اپنی قوم کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوتے رہے مگر حضور علیہ السلام اللہ کے آخری پیغام بر تھے اس لیے تمام جہانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے مبعوث فرمائے گئے آپ کا مشن کتنا مشکل اور کٹھن تھا۔ اس کا اندازہ اس وقت کے مختلف ملکوں، قبائل کے سربراہوں اور حکمرانوں اور ان کی رعایا کے مختصر حالات سے لگایا جا سکتا ہے۔

ایران

چھٹی صدی عیسوی میں مملکت ایران کا حدود اربعہ وہ نہیں تھا جو آج کے ایران کا ہے۔ موجودہ دور کے بہت سے آزاد ملک اس وقت ایران کا حصہ تھے۔ ایران ایک بڑی وسیع اور متمدن سلطنت تھی۔ چونکہ نفس مضمون کا تقاضا یہ نہیں کہ ہم ایران اور دیگر مملکتوں کے تاریخی حالات بھی تحریر کریں اس لیے اس وقت آنے والے واقعات کے حوالے سے عوام کے اخلاقی و مذہبی عقائد کی نشان دہی مقصود ہے۔

ایران کے جس تاریخی دور سے ہمارے موضوع کا تعلق ہے وہ ساسانی خاندان کی حکمرانی کا عہد ہے۔ قومی لحاظ سے یہ آریہ کہلاتے تھے اور قوم آریہ زبردست مظاہر پرست تھی آگ، ہوا، بارش، شفاف آسمان، روشنی سب کی مقدس معبودوں کی طرح پرستش کی جاتی۔ ان کے

مشرکانہ نظام میں آسمانوں کی بڑی اہمیت تھی۔ سورج اور چاند کو بڑے دیوتا کی طرح پوجا جاتا تھا۔

مملکت ایران میں اخلاق نام کی کوئی چیز نہ رہی تھی یہ شرف اسی سرزمین کو حاصل رہا کہ یہاں مزدک نامی ایک ایسی ہستی ظاہر ہوئی جس نے زر، زن اور زمین میں مساوات اور اشتراک کی کھلی دعوت دی اور یہ چیزیں تمام انسانوں کے لیے بلاقید ولحاظ جائز قرار دے دیں اور حالت یہ پیدا ہوگئی کہ لوگ جس گھر میں چاہتے داخل ہو جاتے اور اس کے مال واسباب اور عورتوں پر قبضہ کر لیتے۔

یورپ

یورپین قومیں جو شمال مغرب کے اندر دور تک آباد تھیں جہالت و ناخواندگی کے مہیب سایہ میں تھیں۔ خونریز جنگوں میں مشغول، تمدن انسانی سے بہت پیچھے، علوم وفنون کی دنیا سے ناآشناء، جسم گندے اور دماغ اوہام وخرافات سے بھرے ہوئے۔

ہندوستان

ہندوستان جو عہد قدیم میں ریاضیات، فلکیات اور طب وفلسفہ میں بڑا نام پیدا کر چکا تھا اس کے متعلق مورخین کی عام رائے یہ ہے کہ اس کا مذہبی، اخلاقی اور اجتماعی طور پر سب سے تاریک اور بدترین دور چھٹی صدی عیسوی کے آغاز سے شروع ہو جاتا ہے۔ بے حیائی اور عیاشی سے ان کے عبادت خانے بھی پاک نہ تھے۔ عورت کی کوئی قیمت اور عصمت باقی نہ رہی۔ شوہر اپنی بیوی جوئے میں ہار کر چھوڑ جاتا۔ عورت کے ستی ہونے کا رواج تھا۔ طبقاتی درجات اور امتیاز میں دوسرے ملکوں سے بہت آگے تھا۔

یونان

اسلام سے قبل یونانی اس دور میں دیوتاؤں کے وسیع خاندان سے مذہبی عقیدت رکھتے زندگی کے شعبہ جات مختلف دیوتاؤں کے سپرد تھے۔ عقل ودانش بخشنے والی دیوی اور تھی جبکہ جنگ کرنے کی اجازت دینے والا دیوتا اور تھا۔ ہر بڑے کام کی طرف قدم اٹھانے سے قبل دیوتاؤں سے شگون لیتے اور مندروں میں بڑے قیمتی نذرانے پیش کرتے۔

روم

سلطنت روما پر بھی سیاسی لحاظ سے عروج کا ایک لمبا زمانہ گزرا لیکن آہستہ آہستہ اہل روم بھی دیوتاؤں کی پرستش کرنے لگے۔ ان کے سارے دیوتا کوہ اولمپس پر رکھے ہوئے ہیں۔ تمام مذہبی رسومات مختلف دیوتاؤں کے نام سے پروہتوں کی ایک جماعت کی معرفت سرانجام پاتیں۔

معبودان باطل کی پرستش صدیوں جاری رہی۔ ملک کا بادشاہ ہی سب کا پیشوا مانا جاتا۔ عوام اور رعایا پر بادشاہ اور دیگر حکمرانوں کے ظلم وستم کے بے شمار واقعات کتب تاریخ میں ملتے ہیں۔ انسانوں کو درندوں اور کتوں کے آگے ڈال کران کی موت کا نظارہ کرنا حکمرانوں کا عام مشغلہ تھا۔

امیروں اور غریبوں، جاگیرداروں اور کاشتکاروں کے درمیان وسیع خلیج حائل تھی۔

اخلاقی حالات یہ تھے کہ قحبہ خانے عام تھے اور عصمت فروشی کا دھندا برسرعام کیا جاتا تھا۔

مصر

مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ تمام تہذیبوں سے قدیم ترین تہذیب اہل مصر کی ہے جہاں تمدن وثقافت کی پہلی شمع روشن ہوئی۔ قدیم مصر میں بادشاہ رعایا کا الہ یعنی بڑا دیوتا ہوتا اور بادشاہ کو خدائی خاندان کا فرد قرار دیا جاتا۔ بادشاہ کے دیگر خصوصی اہل کار بھی ہوتے جن کو بادشاہ کے کان اور آنکھ کہا جاتا قبائل میں ہر قبیلہ کا اپنا الگ دیوتا ہوتا اور وہ کسی دوسرے دیوتا کی پرستش کا روادار نہ ہوتا جبکہ سورج کی پرستش عام تھی۔ معبودان باطل کے علاوہ جو محض انسان تھے اور بااثر و اقتدار تھے بھی خود کو الہ یعنی دیوتا کہلاتے۔ البتہ جب بیرونی حملہ آور آتے تو عوام کے مشرکانہ عقائد مزید خراب ہو جاتے خصوصاً عیسائیت کے کئی قسم کے عقائد کو ماننا پڑتا۔ رومی اور ایرانی حملہ آور جو بھی یہ ملک فتح کرتا کئی روز قتل عام کی زد میں ہوتا اور بھاری ٹیکس ادا کرتا جو مصری حکمران بھی جاری رکھتے۔

مصری معاشرہ اور عمرانی نظام میں یہ اصول مسلم تھا کہ ہر شخص حکومت کے ہر حکم کو ماننے اور اس پر عمل کرنے کا پابند ہے چاہے وہ حکم سیاسی نوعیت کا ہو یا مذہبی۔

چین

رقبہ کی وسعت اور آبادی کی کثرت کے باعث چین دنیا کے تمام ممالک پر فوقیت رکھتا تھا۔ یہ ملک جتنا وسیع تھا اتنی ہی اس کی ثقافت وتہذیب قدیم تھی۔ اہل چین کی سائنسی ایجادات و انکشافات عہد قدیم سے ہی حیرت انگیز ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جب دنیا کے بیشتر ممالک ناخواندگی کے اندھیروں میں بس رہے تھے چین میں اس وقت بھی علم کی شمعیں فروزاں تھیں۔ کوئلے کا بطور ایندھن استعمال، لوہے کو پگھلانا، فلکیات میں مظاہر قدرت کی ریسرچ اور بارود کے استعمال کے فنون چین میں دریافت ہوئے۔ چینیوں نے بدھ مت کی اشاعت کے بعد ذہنی اور فنی ترقی کی۔ ایک روایت کے مطابق یہ کہا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ علم سیکھو چاہے تم کو چین جانا پڑے۔

چین میں تاج وتخت موروثی تھا۔ تمام ملک میں اسی کا حکم چلتا۔ مذہبی رسوم اور دیگر

تقریبات بھی بادشاہ انجام دیتا۔ ایک تعلیم یافتہ جماعت اس کی مددگار ہوتی۔ چاند کے مہینوں کا کیلنڈر بھی جماعت تیار کرتی۔

عورت کا مقام باوقار تھا۔ عام لوگ صرف ایک شادی کرتے جبکہ بادشاہ پر کوئی پابندی نہ تھی۔ غلامی کا رواج تھا اور عوام متعدد طبقات میں منقسم تھے۔

چین میں لوگ مظاہر فطرت کی پرستش کرتے۔ زمین، ہوا، پانی، دریا اور سمتیں یعنی مشرق و مغرب ان کے معبود تھے۔ دیوتاؤں کے آستانوں پر انسانی قربانی دی جاتی جس کے لیے قیدی اور غلام بھینٹ چڑھائے جاتے۔ اہل چین مظاہر فطرت کے علاوہ اپنے فوت شدہ اسلاف کی پوجا کرتے۔

جزیرہ نمائے عرب

علمائے جغرافیہ عرب قبل الاسلام حسب ذیل صورت بیان کرتے ہوئے اس کو پانچ حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

۱۔ التہامہ

یہ وہ نشیبی علاقہ ہے جو بحر احمر کے ساحل کے ساتھ ساتھ ینبوع سے نجران (یمن) تک چلا گیا ہے۔ اس علاقہ میں سخت گرمی پڑتی ہے ہوا رک کر گرمی کی شدت میں اضافہ کرتی ہے اس لیے اس علاقہ کو تہامہ کہتے ہیں۔

۲۔ الحجاز

یہ علاقہ یمن کے شمال اور تہامہ کے مشرق میں واقع ہے یہ متعدد وادیوں کا مجموعہ ہے۔ ان کے درمیان سے سلسلہ کوہ ہے جو شام سے شروع ہو کر یمن میں نجران تک چلا گیا ہے اس علاقہ میں دو مقدس شہر آباد ہیں مکہ (معظمہ) اور یثرب (مدینہ منورہ)۔

۳۔ نجد

یمن کے جنوب میں اور صحرائے "سمارہ" کے شمال میں پھیلا ہوا ہے۔ ایک جانب عراق ہے نجد اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی سطح نیچی ہے۔

۴۔ یمن

اس کی حدود نجد کے علاقہ سے بحر ہند کے جنوب اور بحر احمر کے غرب سے گزرتی ہیں۔ مشرقی جانب سے حضر موت۔ الشجر اور عمان سے ملا ہوا ہے اس زمانے میں اس کے مقام مآرب پر ایک ڈیم بھی بنا ہوا تھا۔

۵۔ العروض

یہ علاقہ یمامہ، عمان اور بحرین پر مشتمل ہے۔اس علاقہ کی ایک سمت جنگل، صحرا اور خشک ریگستان تھے۔

قبائل

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ فرزند تھے۔جن کی نسل میں اللہ تعالیٰ نے برکت دی اور وہ بے شمار قبائل میں تقسیم ہو کر مختلف علاقوں میں رہائش پذیر ہو گئے۔باشندوں کی اکثریت بادیہ نشین تھی اور اپنے زیر تسلط علاقوں میں منظم حکومتیں قائم تھیں اور سردار کو ملک (بادشاہ) کہا جاتا تھا۔

اہل عرب کے معبودان باطل ان گنت تھے۔ہر شخص کسی نہ کسی بت یا مظاہر فطرت کی پوجا اور پرستش کرتا تھا ان کے خداؤں کی فہرست میں سورج، چاند، فرشتے، جنات، آگ، ستاریا ور ان کے اپنے ہاتھوں بنائے ہوئے بے شمار بت شامل تھے۔مظاہر فطرت اور بتوں کی بندگی کرنے والوں کے علاوہ ایسے لوگ بھی کثرت سے تھے جو کائنات کے خالق کا انکار کرتے تھے ان کا عقیدہ تھا کہ یہ عالم قدیم ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

دین حنیف جس کی تبلیغ واشاعت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک آنے والے انبیاء ورسل نے بنی اسرائیل میں فرمائی وہ بھی بگڑتے نصرانیت اور یہودیت کی صورت میں کئی فرقوں میں مشرکانہ عقائد میں تقسیم ہو گیا تھا۔

عہد جاہلیت میں اہل عرب نے جس قسم کے عقائد باطلہ کو اپنا رکھا تھا ان کا سرسری جائزہ پیش کیا گیا تاہم اس دور میں جب کہ ہر طرف کفر وشرک اور فسق وفجور کا اندھیرا چھایا تھا۔ بعض ایسے نفوس قدسیہ بھی موجود تھے۔جو اگرچہ تعداد میں قابل ذکر نہ تھے مگر خدا تعالیٰ کی توحید پر ان کا یقین محکم اور پختہ تھا اور اس دور کے معبودان باطل سے قطعاً بیزار تھے۔ان میں چند برگزیدہ اہل ایمان مفسرین کرام نے یوں رقم کیے ہیں جن کے کچھ حالات کتب تاریخ میں موجود ہیں:۔

قس بن ساعدہ الایادی۔حضرت جارود بن عبداللہ۔زید بن عمرو بن نفیل۔امیہ بن ابی صلت۔اسد ابو بکر اطہری۔سیف بن ذی یزن۔ورقہ بن نوفل القرشی۔خالد بن سنان اور غیث العبسی وغیرہ۔ویسے بھی جزیرۃ العرب کے باشندوں کی اکثریت اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرتی اور اس نسب پر فخر کرتی لیکن ہزارہا سال گزر جانے کے بعد بھی دین حنیف کی بہت سی عبادات باقی تو رہیں لیکن ان کو ایسا رنگ دے دیا گیا کہ دین کی روح فناء ہو کر رہ

گئی۔ جس طرح [redacted] حج اور عمرہ ادا تو کرتے رہے مگر شکل مسخ ہو کر رہ گئی۔ اسی طرح کئی خود ساختہ پابندیاں بھی عائد کر رکھی تھیں۔ مرد وزن کعبہ میں آتے تو کپڑے اتار کر طواف کرتے۔ عالمگیر فساد اور جاہلانہ رسومات میں عرب بہت آگے تھے۔ بچیوں کو زندہ در گور کر دیتے۔ عورتوں سے شادی بیاہ کے شریفانہ مروج طریقوں کے علاوہ دیگر کئی فحش طریقے رائج تھے۔ حضور علیہ السلام کی بعثت کے زمانہ میں پوری انسانیت خودکشی کے راستہ پر تیزی سے گامزن تھی۔ مخلوق کا رشتہ اپنے خالق سے منقطع ہو چکا تھا ایسے تاریک و ہولناک دور اور حالات کی سنگینی سے کوئی دل نہ بے چین تھا نہ بے قرار۔ ۱

نبوت کے خطاب کا پہلا شہر مکہ

بہت سے لوگ جو دور بعثت کے حالات سے اچھی طرح واقف نہیں اور مکہ میں خاص طور پر عربوں کی تاریخ پر گہری نظر نہیں رکھتے ان کے نزدیک بعثت نبوی کے وقت مکہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہو گا۔ جہاں زندگی عقلی، اجتماعی اور تمدنی بلکہ ہر لحاظ سے دور طفولیت میں تھی جو قبائل کی چند آبادیوں کا نام تھا اور جو خیموں میں وادیوں اور پہاڑوں کے دامن میں پھیلے ہوئے تھے جن کی گزر بسر صرف بھیڑ بکریوں اور اونٹ کے گوشت پوست پر تھی۔

ان کے کھانے پینے میں کوئی تنوع تھا نہ لباس میں کوئی خوش نمائی نہ زندگی میں کوئی حرارت نہ احساس نزاکت و لطافت اور نہ ہی خیالات کی بلند پروازی۔

مکہ کی یہ تاریک اور حقیر تصویر صرف عجمی کتب تاریخ میں ملتی ہے جو اس تاریخی حقیقت کے خلاف ہے جو تاریخ و ادب کی مستند کتابوں میں ملتی ہے۔ یہ شہر مکہ ہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ زمانہ بعثت میں تعارف کراتے ہوئے اس شہر کو ام القریٰ کہا تھا۔ یہ امر تاریخی طور پر ثابت ہے کہ پانچویں صدی عیسوی کے وسط ہی میں یہ شہر دور تہذیب میں داخل ہو چکا تھا اگرچہ یہ محدود دائرہ میں تھا۔ مکہ ایک ایسے نظام کے تحت تھا جو باہمی تعاون واتحاد اجتماعی و عمومی مفاہمت اور تقسیم کار کی بنیاد پر قائم تھا جس کا آغاز قصی بن کلاب نے کیا تھا جن کی پانچویں پشت میں حضور علیہ السلام تھے۔

مکہ ایک بہت بڑا تجارتی مرکز بن چکا تھا' ان کے تجارتی قافلے دور و نزدیک اکثر ممالک میں جاتے رہتے اور ہر ملک کے نوادرات مشہور و مخصوص اشیاء جن کی ان کے ملک میں ضرورت ہوتی خرید کر لاتے۔ افریقہ اور ایشیاء کے ممالک کا سفر اکثر کرتے رہتے۔ بوجوہ اہل مکہ

تجارت میں بہت آگے تھے اور اکثر افراد خوشحال زندگی گزار رہے تھے۔ ناپ تول کے پیمانے رائج تھے۔ بعض صنعتیں جن کی ضرورت تھی کے علاوہ تجارت پر زیادہ انحصار تھا۔ عام ناخواندگی کے باوجود لکھنے پڑھنے والے لوگ موجود تھے۔ اہل مکہ پورے جزیرۃ العرب میں حسن ذوق اور لطافت طبع میں ممتاز تھے۔ جہاں تک ان کی زبان کا تعلق ہے اس کو سند کا درجہ حاصل تھا ان سب اچھی باتوں کے ساتھ ساتھ ان کا مذہبی پہلو بہت کمزور تھا اکثر بت پرست تھے بلکہ ہر گھر میں بت موجود تھا۔

یہ چھٹی صدی کے وسط کا مکہ ہے جو حضور علیہ السلام کی بعثت کے وقت تاریخ کا تاریک ترین دور تھا اور انسانیت کے مستقبل اور بقاء و ترقی کے لحاظ سے مایوس کن۔ ادھر رب ذوالجلال والاکرام کی حکمت و مشیت کا فیصلہ تھا کہ انسانیت کی ہدایت کا یہ آفتاب جس سے ساری کائنات میں روشنی پھیلے وہ جزیرۃ العرب کے اسی شہر مکہ سے طلوع ہو۔

نبوت کے کھلم کھلا اظہار سے قبل حضورؐ نے کاروان اسلام کا ایک چھوٹا سا قافلہ تیار کر لیا تھا جن میں قریش کے قابل ذکر حضرات تھے اور وہ شروع سے ہی تقویت اسلام کا سبب بنے۔ مگر اب وقت آ گیا اور حکم نازل ہوا کہ اب دعوت اسلام کا اظہار اعلانیہ کیا جائے ارشاد باری تعالیٰ یہ ہوا:

1۔ پس جو حکم تم کو خدا کی طرف سے ملا ہے وہ لوگوں کو سنا دو اور مشرکوں کی پرواہ نہ کرو (سورہ حجر)

2۔ اور اپنے قریب کے رشتہ داروں کو ڈر سنا دو اور جو مومن تمہارے پیرو ہو گئے ہیں ان سے تواضع سے پیش آؤ۔ (سورہ شعرا)

3۔ اور کہہ دو میں اعلانیہ ڈر سنانے والا ہوں (حجر)

دعوت اسلام کا حکیمانہ انداز

ان احکام کے بعد حضور علیہ السلام کوہ صفاء کی چوٹی پر چڑھے اور بلند آواز سے یا صباحاہ پکارا۔ اس نعرہ کے معنی جانے پہچانے تھے عربوں کو معلوم تھا کہ یہ نعرہ خطرے کی صورت میں لگایا جاتا ہے۔ اس لیے جس نے سنا وہ بھی اور جسے بتایا گیا وہ بھی وہاں پہنچ گیا۔ قبیلہ قریش اور دیگر افراد مکہ اکٹھے ہو گئے تو حضور علیہ السلام نے خطاب فرمایا: اے بنی عبدالمطلب، اے بنی فہر، اے بنی کعب! اگر میں تم کو یہ اطلاع دوں کہ اس پہاڑ کے دامن میں ایک لشکر کھڑا ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتا

ہے۔تو کیا تم اس بات پر یقین کر لو گے۔

قوم نے حضور علیہ السلام کی سچائی، امانت، دیانت اور خیر خواہی کا بارہا تجربہ کیا تھا۔ آپ کو ایک صادق خبر دینے والا یقین کرتے ہوئے سب نے بیک زبان کہا! ہاں یقین کریں گے۔کفر وشرک کے خوگر معاشرہ میں ایسے لوگوں کو توحید کی دعوت دینا جو صدہا سال سے پتھر کے بنے ہوئے بے جان بتوں کی پوجا کے متوالے تھے اور ان کی ناموس پر جان تک قربان کر دینا سرمایہ سعادت سمجھتے تھے' بڑا کٹھن کام تھا۔لیکن حضور علیہ السلام نے پیغام حق پہنچانے کے لیے یہ حکیمانہ انداز اختیار کیا اور عزیزوں کو پکار پکار کر خطاب کیا کہ اے کعب بن لوی کے بیٹو۔اے بنی ہاشم۔اے بنی عبدالمطلب! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ۔اے بنی عبد مناف۔اے بنی زہرہ آگ سے بچو میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں مگر یہ کہ تم کہو لا الہ الا اللہ۔

یہ سن کر ابولہب نے بڑی گستاخانہ گفتگو کی لیکن حضور علیہ السلام نے بے پایاں حلم اور عالی ظرفی کے باعث سکوت اختیار کیا اور فرمایا! اے فرزندان عبدالمطلب بخدا کوئی جوان اپنی قوم کے پاس اس سے بہتر اور افضل چیز نہیں لایا جیسی میں تمہارے لیے لایا ہوں۔میں تمہارے پاس دنیا و آخرت کی فوز وفلاح لے کر آیا ہوں۔

اپنے قبیلہ قریش اور بنی ہاشم کے اجتماع میں توحید باری تعالیٰ اور دعوت اسلام کے لیے حضور علیہ السلام کا یہ پہلا خطاب عام تھا اس کے ساتھ ساتھ صالح طبع کے مالک افراد سے رابطے جاری رہے۔جس کے نتیجہ میں صاحب رائے اور اثر ورسوخ کے مالک دعوت حق پر لبیک کہتے ہوئے جماعت اسلام کی رونق کا باعث بنے ان میں خاص کر حسب ذیل کا ذکر باعث برکت ہے ایسے ہی سب اہل ایمان سابقون کہلائے۔

حضرت خالد بن سعید بن العاص

آپ خود بیان فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں اپنے آپ کو آگ کے گڑھے کے کنارے کھڑا دیکھا اور یہ کہ کوئی مجھے آگ میں گرانا چاہتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے کمر سے پکڑ کر آگ میں گرنے سے بچالیا۔صبح میں ابوبکرؓ کے پاس اس خواب کی تعبیر کے لیے گیا کیونکہ وہ اس کے ماہر تھے۔میں نے انہیں خواب سنایا۔آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا ہے تجھے آگ سے بچانے والے اللہ کے رسولؐ ہیں۔تمہیں دولت ایمان نصیب ہو گی تم حضورؐ کا دامن پکڑلو۔اس وقت حضور محلہ جیاد میں رونق افروز تھے ہم حاضر ہو گئے۔میں نے عرض کی: آپ کس

چیز کی دعوت دیتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا: میں تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ تم اللہ کو واحدہ لاشریک مانو۔ مجھے اس کا بندہ اور رسول یقین کرو جن پتھروں کی تم پوجا کرتے ہو جو نہ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں نہ ضرر پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع پہنچا سکتے ہیں ان سب کی عبادت کا طوق گلے سے اتار پھینکو۔ حضرت خالد دولت ایمان سے مشرف ہوئے حضور علیہ السلام کو ان کے ایمان لانے پر بڑی مسرت ہوئی۔

حضرت ابوذر غفاریؓ

آپ دعوت اسلام کو ابتدا ہی سے قبول کرنے والوں سے ہیں۔ آپ ایمان لانے کا واقعہ سناتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں طبعی طور پر کفر اور شرک سے بیزار تھا۔ مفسرین تحریر کرتے ہیں کہ آپ کا تعلق قبیلہ غفار سے تھا۔ آپ کا نام جندب بن جنادہ تھا بعثت سے قبل نماز پڑھا کرتے۔ اپنی عقل کے مطابق معبود حقیقی کی تسبیح وتحمید کر کے دل کو تسلی دے لیتے۔ آپ کو اطلاع ملی کہ مکہ میں ایک آدمی دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ نے اسے نبی مبعوث فرمایا ہے اس اطلاع کی تصدیق کے لیے آپ نے اپنے بھائی انیس کو مکہ روانہ کیا۔ انیس چند روز مکہ رہ کر واپس آئے اور بھائی کو بتایا کہ اس نے مکہ میں ایک شخص کی زیارت کی ہے جو نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے منع کرتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ لوگوں کی ہدایت کے لیے اسے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے اور مکارم اخلاق کو اپنانے کی تلقین کرتا ہے۔ لوگ اسے شاعر، کاہن اور ساحر کہتے ہیں لیکن بخدا وہ سچا ہے۔

ابوذرؓ کہتے ہیں میرے دل میں اشتیاق پیدا ہوا اور خود مکہ جانے کا فیصلہ کیا اور مکہ چلا گیا چونکہ میرا وہاں کوئی جاننے والا نہ تھا' نہ میں رسول خدا کو پہچانتا تھا اس لیے حرم شریف جا کر ایک جگہ بیٹھ گیا۔ کسی سے حضورؐ کے بارے پوچھا بھی نہ کہ کہیں غلط آدمی کے ہتھے نہ چڑھ جاؤں۔ ایک آدمی نے مجھے دیکھا وہ سمجھ گیا کہ میں مسافر ہوں۔ اس نے مجھے اشارے سے اپنے پیچھے آنے کو کہا۔ میں نے ویسا ہی کیا راستہ میں کوئی بات نہ ہو سکی۔ رات ان کے ہاں بسر کی صبح پھر حرم آ کر بیٹھ گیا۔ دوسرے دن بھی حضورؐ کی زیارت کا کوئی راستہ نہ ملا شام ہونے کو آئی تو وہ ہی آدمی پھر مجھے ملا اور گھر لے گیا مگر آپس میں کوئی بات نہ ہوئی تو صبح میں پھر اسی جگہ حرم میں براجمان ہو گیا تیسرا دن بھی گزر گیا اور مدعا حاصل ہونے کی کوئی سبیل نہ بنی۔ رات ہو چکی کہ اسی شخص نے پھر مجھے بلایا میں بھی ان کے پیچھے ہو لیا۔ آج مہر سکوت ٹوٹی۔ ان کے پوچھنے پر میں نے کہا: میری گفتگو کو خفیہ رکھنے کے وعدہ پر کچھ کہوں گا۔ آپ نے وعدہ کر لیا تو میں نے مکہ آنے کا مقصد بیان کیا۔ میری بات سن کر

انہوں نے کہا کہ بے شک وہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔صبح ان کی خدمت میں لے جانے کا مژدہ سنایا یہ حضرت علیؓ تھے جو صبح مجھے حضورؐ کے پاس لے گئے میں نے عرض کی کہ حضورؐ میرے سامنے اسلام پیش فرمائیں۔حضورؐ نے بڑے دلنشیں انداز میں دعوت اسلام پیش فرمائی۔آپ کی ہر بات میرے دل میں اترتی چلی گئی اور اسی وقت میں نے قبول اسلام کا اعلان کر دیا۔حضرت ابو بکرؓ کی درخواست پر میں نے دیگر جانثاروں کے ساتھ حضور علیہ السلام کے ساتھ کاشانہ صدیق میں کھانا کھایا ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے مجھے واپس اپنے ہی قبیلہ میں چلے جانے کو کہا مگر میں نے حرم میں جا کر قریش کی مجلس کے روبرو زور سے کلمہ شریف پڑھا۔بس قریش بھڑک اٹھے اور مجھے اتنا زدوکوب کیا کہ میں بے ہوش ہو گیا۔دوسرے دن میں نے قریش کے سامنے پورے زور سے کلمہ پڑھا اور پھر اسی طرح سخت مار پیٹ ہوئی کہ جگہ جگہ سے خون بہنے لگا۔اس دفعہ حضرت عباس نے مجھے ان سے چھڑوایا۔ پھر حضورؐ سے اجازت لے کر اپنے قبیلہ میں واپس آ گئے۔

حضرت صہیبؓ

آپ کا والد کسریٰ کی حکومت میں اعلیٰ افسر تھا۔رومی لشکر کے حملہ کے دوران آپ کو رومیوں نے پکڑ لیا۔آپ اس وقت بچے تھے رومی غلامی میں پلے بڑھے ہوئے کہ عرب کا ایک تجارتی قافلہ روم گیا اس قافلہ کے مالک نے آپ کو خرید لیا اور مکہ لے آیا۔جب یہ مکہ آئے تو حضورؐ اعلانِ نبوت فرما چکے تھے اور نئے دین کا چرچا عام تھا ایک روز صہیب حضورؐ کے کاشانہ نبوت کے نزدیک گھوم رہا تھا وہاں اتفاق سے عمار بن یاسر سے ملاقات ہو گئی۔دونوں نے گفتگو میں حضورؐ کے پاس حاضر ہونے کی خواہش کا اظہار کیا۔چنانچہ دونوں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضورؐ نے خوش آمدید کہا پھر اسلام پیش کیا اور قرآن کی آیات پڑھ کر سنائیں۔دونوں کے دل ایمان سے روشن ہو گئے۔

حضرت حمزہؓ

اسلام کا نور تاباں سلیم الفطرت لوگوں کو آہستہ آہستہ اپنے حسن جمال سے اپنا گرویدہ بنا رہا تھا۔ہر روز کوئی نہ کوئی اہم شخصیت اسلام قبول کر کے اس کی قوت میں اضافہ کا باعث بن رہی تھی مگر ساتھ ہی ساتھ اہل ایمان کے ساتھ ایذا رسانی کا سلسلہ بھی بلا روک ٹوک جاری تھا حتیٰ کہ ابو ذر غفاریؓ اور حضرت ابو بکرؓ کو انتہائی حد تک مارا پیٹا گیا۔مگر دشمن اسلام اور حضور علیہ السلام سے محبت کا جذبہ کم نہ کر سکے۔عاشقان نبیؐ پر بھی ہاتھ ڈالنا شروع ہو گیا۔

ایک روز رحمت عالمؐ صفاء کی پہاڑی پر تشریف فرماتے کہ ابوجہل کا ادھر گزر ہوگیا۔ حضور علیہ السلام کو دیکھا تو سینے میں بغض وعناد جو سلگ رہا تھا پھٹ گیا اور سب وستم کے تیر برسانے لگا لیکن حضور علیہ السلام حلم اور وقار کے ساتھ خاموش رہے۔ ابوجہل حضورؐ کے صبر پر اور برآفروختہ ہوگیا اور ایک ڈنڈا جو اس کے ہاتھ میں تھا سے آپ کو زدوکوب کرنا شروع کر دیا جس سے جسم اطہر زخمی ہوگیا اور کئی جگہوں سے خون رسنے لگا مگر حضورؐ نے صبر اور تسلیم ورضا کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور اف تک نہ کی۔ ابوجہل دل کا غبار نکال کر اتراتا ہوا اپنے مداحوں کی محفل میں جا بیٹھا۔ حضور علیہ السلام گھر چلے گئے۔ حضرت حمزہ اس روز جنگل میں شکار کے لیے گئے ہوئے تھے۔ وہ حضور کے چچا تھے۔ اچھا شکار ملنے پر اپنی عادت کے مطابق پہلے حرم شریف آئے اور طواف کیا اور رؤساء مکہ کی محافل میں ان کو ملتے ملاتے صفاء سے گزرنے لگے تو عبداللہ بن جدعان کی لونڈی نے ابوجہل کی حضورؐ پر زیادتی کا جو نظارہ دیکھا حمزہ کو سنایا اور کہا اے ابوعمارہ آج تیرے بھتیجے کے ساتھ ابوجہل نے یہ وحشیانہ سلوک کیا ہے۔ پہلے گالیاں دیں پھر حضورؐ کی خاموشی پر ڈنڈے سے مار مار کر لہولہان کر دیا۔

یہ روئداد سن کر حمزہ کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی غصہ سے آگ بگولا ہو کر ابوجہل کی تلاش میں چل پڑے۔ ڈھونڈتے ہوئے آخرکار ایک محفل میں بیٹھے پالیا۔ مجلس میں گھس کر اس کے سر پر اپنی کمان سے سخت ضربیں لگائیں کہ اس کے سر سے خون کا فوارہ پھوٹ نکلا اور غصہ سے کہا اے ابوجہل تیری یہ مجال کہ تو میرے بھتیجے کے ساتھ یہ سلوک کرے۔ میں نے اس کا دین قبول کر لیا ہے اگر تجھ میں ہمت ہے تو آ مجھے روک کر دکھا۔ بنو مخزوم قبیلہ کے لوگ سردار کی رسوائی پر اٹھے کہ حمزہ سے اس کا بدلہ لیں ابوجہل جانتا تھا کہ یہ لوگ حمزہ شیر دل کا مقابلہ نہ کر سکیں گے تو ان کو روک دیا اور انہیں کہا کہ بخدا میری غلطی ہے کہ میں نے اس کے بھتیجے سے بدکلامی کی۔

حمزہ اپنے گھر آئے طبیعت میں ٹھہراؤ آیا تو سوچنے لگے کہ رشتہ داری اور جوش میں آ کر نیا دین تسلیم کرنے کا اعلان کر آیا ہوں جبکہ ابھی مجھے معلوم نہیں کہ یہ ہدایت ہے یا گمراہی۔ رات بھر اسی پریشانی میں گزری۔ صبح اٹھتے ہی بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر کہا:

"اے میرے بھتیجے میں ایک ایسی مشکل میں گرفتار ہو گیا ہوں جس سے نکلنے کا راستہ نہیں جانتا اور ایسی بات پر قائم رہنا بڑا مشکل ہے جس کے بارے میں مجھے یہ علم نہیں کہ یہ ہدایت ہے یا گمراہی۔ اس لیے اس کے متعلق کچھ ارشاد فرمائیے۔ میرے بھتیجے میری خواہش ہے کہ آپ اس سلسلہ میں گفتگو کریں"۔

حضور علیہ السلام نے حمزہ کی بے تابی پر توجہ فرمائی اور بڑے دلنشیں انداز میں اسلام کی صداقت وحقانیت کے بارے ارشادات فرمائے یہ تبسم کی شان والے کی نگاہ التفات کی دیر تھی کہ سارے حجابات اٹھ گئے۔ ساری کلفتیں کافور ہو گئیں۔ شک وشبہ کا غبار پھٹ گیا۔ دل کی دنیا نور ایمان سے جگمگا اٹھی اور عرض کیا میں دل کی گہرائیوں سے گواہی دیتا ہوں کہ آپ سچے ہیں۔

آپ کے ایمان لانے سے عالم کفر پر رعب طاری ہو گیا۔ بے آسرا مسلمانوں پر ستم رانیوں میں کچھ کمی آ گئی۔ حضرت حمزہؓ کے ایمان لانے کی یہ روایت باکثرت بلکہ تمام مورخین نے بیان کی ہے مگر مشہور سیرت نگار قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے اپنی تصنیف رحمت اللعالمینؐ میں حضرت حمزہؓ کے ایمان لانے کا واقعہ اور طرح بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں۔

قرابت کے جوش میں حمزہؓ ابو جہل کے پاس پہنچے اور اپنی کمان سے اس کا سر زخمی کر دیا پھر نبی علیہ السلام کے پاس گئے اور کہا اے میرے بھتیجے تم یہ سن کر خوش ہو گے کہ میں نے ابو جہل سے تمہارا بدلہ لے لیا۔ حضور علیہ السلام نے جواب دیا میں ایسی باتوں سے خوش نہیں ہوا کرتا۔ ہاں تم مسلمان ہو جاؤ تو مجھے بڑی خوشی ہو گی۔ حمزہؓ اسی وقت مسلمان ہو گئے۔

حضرت سیدنا عمرؓ بن خطاب

حضرت حمزہ جیسے شیر دل اور بہادر سردار کے اسلام لانے سے مکہ کی طاغوتی طاقتوں پر سکتہ طاری ہو گیا مگر انہیں کیا معلوم کہ اسلام کی قلوب واذہان کو مسخر کرنے والی قوتیں اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز معجزوں کو بروئے کار لانے والی تھیں اور چند روز میں عالم کفر کی عدیم المثال ہستی حضور علیہ السلام کے ستاروں میں آنے والی تھی۔

حضرت حمزہؓ کے ایمان لانے کے چند روز بعد خطاب کا جوشیلا لخت جگر عمر۔ جو ایک قوی ہیکل۔ بلند قامت۔ بے باک مزاج والا 24 سالہ نوجوان تھا تنہائی میں بیٹھا ہوا اپنے اردگرد وقوع پذیر ہونے والے واقعات پر غور وفکر کر رہا تھا۔ اسے اس بات پر سخت حیرت تھی کہ تنہا ایک آدمی کی دعوت نے سارے ماحول کو پراگندہ کر کے رکھ دیا ہے اور پرامن فضاء میں عداوت کی چنگاریاں سلگنے لگی ہیں۔ قبائل میں باہمی ہم آہنگی تہ وبالا ہو رہی ہے۔ خاندانوں کی ایک دوسرے سے محبت نفرت کا رنگ اختیار کر چکی ہے باپ بیٹوں سے بھائی بھائی سے اور پڑوسی پڑوسی سے بدگمان ہے۔ جن بتوں کی صدیوں سے پوجا کی جا رہی تھی اب ان کی بے کسی اور بے بسی کے افسانے ہر کس و ناکس کی زبان پر ہیں۔ ہمارے آباؤ اجداد کی دانش مندی کی قسمیں کھائی جاتی تھیں اب انہیں

گمراہ اور احمق کہا جا رہا ہے۔ اس لیے اگر حالات پر قابو نہ پایا گیا تو یہ عظیم اور مقدس معاشرہ زمین بوس ہو جائے گا۔ جو لوگ کوئی موثر کردار ادا کرنے والے ہیں انہیں چاہئے کہ کوئی فیصلہ کن اقدام کریں۔ یہ نوجوان اس پر بھی حیران تھا کہ جو لوگ اس شخص کی دعوت کو قبول کر لیتے ہیں۔ ان پر جتنی بھی سختیاں کی جائیں اور جتنے بھی سنگین نوعیت کے عذاب پہنچائے جائیں پھر بھی وہ کسی قیمت پر اس کے دین سے رابطہ نہیں توڑتے۔ وہ سسک سسک کر جان تو دے دیتے ہیں مگر اس کا ساتھ چھوڑنے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔

طویل غور و فکر کے بعد نوجوان اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس پر قابو کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ اس شخص کی زندگی کا چراغ گل کر دیا جائے لیکن یہ کام کون کرے۔ اس کی نگاہ انتخاب گھوم پھر کر اپنی ذات پر مذکور ہو کر رہ جاتی ہے۔ اسے اپنی مستقل مزاجی، سخت جانی اور شجاعت پر بھروسہ تھا اور اپنے بتوں اور عقائد سے دلبستگی بھی تھی۔ ان خیالات نے اسے ہر قربانی دینے پر آمادہ کر لیا۔

آخر کار کافی غور و فکر کے بعد وہ اس خطرناک کام سرانجام دینے کے لیے اٹھتا ہے۔ گلے میں ڈھال ڈالے۔ شمشیر ہاتھ میں لیے اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے منزل کی طرف چل دیتا ہے۔ سخت گرمی کا موسم مگر اپنی دھن میں گم چلے جا رہے ہیں کہ راستے میں ایک قریشی نعیم بن عبداللہ النحام سے ملاقات ہوگئی۔ نعیم نے جو مسلمان ہو چکے تھے مگر ظاہر نہ ہوئے تھے عمرؓ کے تیور دیکھے اور پوچھا۔ اے عمرؓ کدھر کا قصد ہے۔ عمرؓ نے بڑی رعونت سے کہا: اس شخص کا سر قلم کرنے جا رہا ہوں جس نے میرے شہر کا سکون برباد کر دیا ہے۔ نعیم بولے۔ ادھر بعد میں جانا پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ تیری بہن فاطمہ اور بہنوئی سعید بن زید اس نبی کا کلمہ پڑھ چکے ہیں۔

یہ خبر سن کر عمرؓ کے اوسان خطاء ہو گئے اور آگے جانے کی بجائے بہنوئی کے گھر کا رخ کیا۔ وہاں پہنچے دروازہ بند تھا کان لگا کر سنا تو اس کلام کے پڑھنے کی آواز تھی۔ دروازے پر دستک دی۔ گھر والوں نے پوچھا: کون؟ کڑک کر بولے: عمرؓ۔ گھر والے سہم گئے۔ قرآنی آیات احتیاط سے سنبھال کر دروازہ کھول دیا۔ بہن کو دروازہ پر پایا اور غضب ناک ہو کر کہا کہ اپنی جان کی دشمن، مجھے پتہ لگ چکا ہے کہ تم مرتد ہو گئی ہو۔ چھڑی سے ہمشیرہ کو مارنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ لہو لہان کر دیا۔ پھر بہنوئی سعید کو مار مار کر زخمی کر دیا۔ جب دست درازی حد سے تجاوز کر گئی تو بہن نے زخمی شیرنی کی طرح گرج کر کہا۔ اے بھائی! جتنا تیرا دل چاہتا ہے مجھے مار لے جسم کے ٹکڑے کر دے لیکن کان کھول کر سن لو میں دین اسلام کسی قیمت پر نہ چھوڑوں گی۔ لہولہان بہن کا یہ جواب سن کر عمرؓ کا دل پسیج گیا اور کہا: اچھا مجھے وہ صحیفہ دکھاؤ جو تم پڑھ رہے تھے۔ بہن نے کہا: اے عمرؓ تم

ناپاک ہو جب تک تم غسل کر کے جسم پاک نہ کرلو صحیفے کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ عمرؓ نے وہاں غسل کیا تو فاطمہ نے صحیفہ بھائی کو دیا۔ سورہ طٰہٰ لکھی تھی جو عمرؓ نے پڑھنی شروع کر دی۔ چند آیات مبارک کی تلاوت نے دل پانی پانی کر دیا۔ آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ بے چین ہو کر دریافت کیا: حضورؐ کہاں ملیں گے۔ حاضر ہو کر اپنی بگڑی سنوارنا چاہتا ہوں۔ یہ سارا انقلاب خود بخود رونما نہیں ہو رہا تھا اس کے پس پردہ حضور علیہ السلام کی دعا کارفرما تھی جو آپؐ نے ایک روز قبل بارگاہ الٰہی میں یوں فرمائی:

''اے اللہ ان دو آدمیوں عمر بن خطاب اور عمر بن ہشام (ابوجہل) میں سے جو تجھے پسند ہے اس سے دین کو عزت عطاء فرما۔'' حضرت عبداللہ بن مسعود سے یہ دعا بھی مروی ہے:

''اے اللہ عمر کو مشرف بہ اسلام کر کے اسلام کی مدد فرما''۔

حضور علیہ السلام اس وقت دار ارقم میں تشریف فرما تھے جاں نثار خدمت اقدس میں حاضر تھے کہ دروازہ پر دستک ہوئی۔ کسی نے سوراخ سے دیکھا۔ باہر عمرؓ کھڑا ہے۔ ننگی تلوار گلے میں لٹکی ہے۔ صحابہ جھجکے دروازہ کھولیں یا نہ۔ حضرت حمزہؓ موجود تھے کہنے لگے مت ڈرو عمرؓ کو اندر آنے دو آداب بارگاہ نبیؐ ملحوظ رکھے گا تو احترام کریں گے ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر اڑا دیں گے۔ رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: ''دروازہ کھول دو اللہ تعالیٰ نے اگر اس کی بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے تو اس کو ہدایت دے دے گا'' چنانچہ عمرؓ اندر آئے۔ دو اصحاب نے بازوؤں سے پکڑ کر حضور علیہ السلام کے قریب کر دیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: عمرؓ کو چھوڑ دو آپؐ اٹھے اور عمرؓ کی چادر پکڑ کر جھٹکا دیا اور فرمایا:

''اے عمرؓ اسلام قبول کر لے۔ اے اللہ اس کے دل کو ہدایت کے نور سے روشن کر دے۔ اے اللہ عمرؓ بن خطاب کو ہدایت عطا فرما۔ اے اللہ عمرؓ بن خطاب کے ذریعے دین کو عزت بخش۔ اے اللہ عمرؓ کے سینہ میں اسلام کی جو عداوت ہے اس کو نکال دے اور اس کو ایمان سے تبدیل کر دے''۔

عمرؓ کہتے ہیں: اس کے بعد میں نے عرض کی۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہیں اور آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ حضورؐ نے جب یہ سنا تو مسرت سے نعرہ تکبیر بلند کیا جس کے بعد تمام صحابہ نے زور سے نعرہ تکبیر لگایا اس سے فضاء گونج اٹھی۔

مروی ہے کہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب میں مشرف بہ اسلام ہوا تو میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کی:

''اے اللہ کے پیارے رسول کیا ہم حق پر نہیں خواہ ہم زندہ رہیں یا مریں۔ اور پھر عرض کی اے اللہ کے رسولؐ پھر ہم کیوں چھپتے ہیں۔ ہم اپنے دین کو کیوں چھپاتے ہیں۔ حالانکہ ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر''۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا عمرؓ ہماری تعداد کم ہے اور تم دیکھتے ہو کہ کفار ہمارے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے عرض کی:۔

''اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا ہے۔ تمام وہ مجلس جس میں کفر کی حالت میں بیٹھا کرتا تھا۔ اب مسلمان ہونے کے بعد میں ان سب میں بیٹھوں گا''۔

پھر دارارقم سے قطار میں نکلے ایک قطار کے آگے میں تھا۔ دوسری قطار کے آگے حضرت حمزہؓ تھے ہم حرم شریف میں داخل ہوئے۔ جب قریش نے ہمیں اس طرح دیکھا تو ان پر کوہِ الم ٹوٹ پڑا۔ ہم نے اپنے ایمان کی خبر کو یوں مشتہر کیا۔

حضرت عمر فاروقؓ کے ایمان لانے کا واقعہ تاریخ اسلام کا ایک عظیم ترین واقعہ ہے مروی ہے:۔

''یعنی جب حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے تو جبرائیل امین بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ عمرؓ کے مسلمان ہونے سے آسمان کے سارے رہنے والوں نے بڑی مسرت کا اظہار کیا ہے''۔

دعوت اسلام کا دوسرا دور

دعوت اسلام کو خاموشی سے پہنچاتے اور تبلیغ حق ادا کرتے ہوئے عرصہ تین سال کا ہو چکا تو حضرت جبرائیلؑ حکم خداوندی لے کر حاضر ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچایا کہ اب قریبی رشتہ داروں کو پیغام حق سنائیے۔ اب اس حکم الٰہی سے انفرادی، اجتماعی اور علی الاعلان دعوت اسلام کو عام کرنا ضروری تھا' یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ چند روز حضورؐ خاموش رہے اور سوچتے رہے کہ اس حکم الٰہی کی تکمیل کس طرح شروع کی جائے۔ چنانچہ آپؐ نے فیصلہ کیا کہ عبدالمطلب کی ساری اولاد کو بلا کر پیغام حق سنایا جائے۔ اس تدبیر کے مطابق آپؐ نے بنو عبدالمطلب کو بلا بھیجا۔ وہ بھی آئے اور عبد مناف کے چند لوگ بھی حاضر ہوئے۔ سب کی تعداد پینتالیس بتائی گئی ہے۔ قبل اس کے کہ حضورؐ گفتگو شروع کریں۔ ابولہب نے کہا: یہ لوگ آپ کے بھتیجے ہیں اور چچازاد بھائی ہیں جو کہنا

چاہتے ہیں کہئے لیکن یہ بات نہ بھولیے کہ آپ کی قوم میں اتنی قوت نہیں کہ اہل عرب کا مقابلہ کر سکے۔ مناسب تو یہ ہے کہ جو کام آپ نے شروع کیا ہے آپ کے قبیلہ والے، قریبی رشتہ دار آپ کو اس سے روک دیں۔ اے میرے بھتیجے کوئی آدمی ایسا فتنہ وفساد کا پیغام لے کر اپنی قوم کے پاس نہیں آیا جس فتنہ وفساد کا پیغام آپ لے کر آئے ہیں۔

ابولہب کی اس گفتگو کے بعد حضور علیہ السلام نے خاموشی اختیار کی اور چند روز کے بعد ان لوگوں کو پھر بلایا اور حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:۔

''سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ میں اس کی حمد بیان کرتا ہوں اور اس سے مدد طلب کرتا ہوں اور اسی پر توکل کرتا ہوں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی عبادت کے لائق نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے جو یکتا ہے جس کا کوئی شریک نہیں''۔ پھر مزید فرمایا:

''قافلہ کا پیشرو اپنے قافلہ والوں سے جھوٹ نہیں بولتا۔ بفرض محال اگر میں دوسرے لوگوں سے جھوٹ بولوں تو بخدا میں تم سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ بفرض محال میں ساری دنیا کے ساتھ دھوکہ کروں۔ تو تم سے میں دھوکہ نہیں کر سکتا۔ اس ذات کی قسم جس کے بغیر اور کوئی معبود نہیں میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف بالخصوص اور ساری انسانیت کی طرف بالعموم۔ بخدا تمہیں موت اس طرح آئے گی جس طرح تمہیں نیند آتی ہے اور قبروں سے زندہ یوں اٹھائے جاؤ گے جیسے تم خواب سے بیدار ہوئے ہو اور جو عمل تم کرتے ہو اس کا تم سے محاسبہ ہوگا۔ تمہارے اچھے اعمال کی اچھی جزا اور برے اعمال کی بری جزا تمہیں دی جائے گی ٹھکانہ ابدی جنت ہے یا ابدی جہنم۔ بخدا اے فرزندان عبدالمطلب میں کسی ایسے نوجوان کو نہیں جانتا جو اس چیز سے بہتر کوئی چیز اپنی قوم کے پاس لے کر آیا ہو۔ میں تمہارے پاس دنیا اور آخرت کی فوز وفلاح لے کر آیا ہوں''۔

کچھ لوگوں نے ارشادات رسول سن کر بڑے مناسب الفاظ سے سوال کیے۔ مگر ابولہب حسب سابق غیر موزوں اور رذالت سے بولا: اے فرزندان عبدالمطلب! تم آگے بڑھ کر ان کو روکو قبل اس کے کہ دوسرے لوگ ان کو پکڑ لیں کیا تم اس وقت ان کے حوالے کر دو گے یہ تو بڑی رسوائی کی بات ہوگی اور تم اس کا دفاع نہ کر سکو گے۔ بلکہ تم بھی تہ تیغ کر دیئے جاؤ گے۔ حضرت صفیہ جو حضور علیہ السلام کی پھوپھی تھیں ابولہب کی گفتگو برداشت نہ کر سکیں اور ابولہب کو کہا کہ تو خود حضورؐ کے راستہ سے ہٹ جا۔ بخدا علم والے بتاتے ہیں کہ عبدالمطلب کی نسل سے ایک نبی ظاہر ہو گا یہ وہ ہی نبیؐ ہے۔ ابولہب ابھی بیہودہ گفتگو میں مصروف تھا کہ ابوطالب اٹھے اور فرمایا:

''بخدا جب تک ہمارے جسم میں جان ہے ہم ان کی حفاظت اور دفاع کریں گے''۔

پہلے دونوں اجلاسوں میں عبدالمطلب کے دو خاندانوں نے شرکت فرمائی اب تیسرے بڑے اجتماع کا حضور علیہ السلام نے اہتمام فرمایا۔ جس میں دیگر قبیلوں کے لوگ بھی شامل ہوئے اور دعوت اسلام اور پیغام حق سنایا۔

دعوت اسلام کا تیسرا دور

یہ دعوت اسلام کا اگلا مرحلہ تھا اس میں عزیز و اقارب کے علاوہ مکہ کے عام لوگوں میں تبلیغ کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ کفار نے دیکھا کہ اب نبی اکرمؐ نے مختلف قبائل کی اہم شخصیتوں کو مل کر برملا نئے دین کی تبلیغ شروع کر دی ہے جس سے وہ کافی حد تک متاثر بھی ہو رہے ہیں اور اسے قبول بھی کر رہے ہیں اس لیے اگر کوئی راست اقدام نہ کیا گیا تو ان کے بتوں کی پوجا بھی ختم ہو جائے گی اور نذرانے آنے بھی بند ہو جائیں گے اور ان کی چودھراہٹ کا بھی جنازہ نکل جائے گا۔ تاہم کوئی قدم اٹھانے سے قبل کفار نے ابو طالب سے ملاقات کر کے انہوں سے حضورؐ کو نئے دین کی تبلیغ و اشاعت بند کرنے پر زور دیا' دوسری صورت میں خطرناک اقدامات کی دھمکی دی۔

ابو طالب نے خوبصورتی سے انہیں ٹال دیا مگر ان کے طرز تکلم سے دکھ ہوا کیونکہ پیرانہ سالی میں قوم کا مقابلہ مشکل تھا۔ حالات کی سنگینی کے پیش نظر آپ نے حضور علیہ السلام کو رؤسائے مکہ اور سرداروں سے گفتگو اور ان کے دھمکی آمیز عزائم سے آگاہ کیا اور اپنے بڑھاپے اور کمزور مالی حالات سے مطلع کر کے حضور علیہ السلام کو کوئی درمیانی راستہ اختیار کرنے کا مشورہ دیا کیونکہ وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ آپؐ سے الگ ہو جائیں۔

حضور علیہ السلام نے ابو طالب کی گفتگو سے خیال فرمایا کہ شاید وہ بھی مدد اور تعاون سے دست کش ہونے والے ہیں تو آپؐ نے ابو طالب سے کہا:۔

> "اے میرے چچا اگر وہ سورج کو میرے دائیں ہاتھ میں رکھ دیں اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ میں اور توقع کریں کہ میں دعوت حق کو ترک کر دوں گا تو یہ ناممکن ہے یا تو اللہ اس دین کو غلبہ دے دے گا یا میں اس کے لیے جان دے دوں گا۔ اس وقت تک میں اس کام کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔

حضور علیہ السلام یہ فرما کر اٹھ کر چلے تو چچا نے آواز دے کر بلایا۔ آپؐ تشریف

سنت اللہ یہ رہی ہے کہ اقوام عالم میں جو راستبداد زمانہ کی وجہ سے پیدا شدہ عام روحانی اضمحلال کو دور کرنے اور قبول حق کے افسردہ رجحانات میں تازگی بخشنے کے لیے ایسے اولوالعزم اور جلیل القدر پیغمبر مبعوث ہوتے رہے اور مذہب کی خوابیدہ دنیا میں حق اور صداقت کا صور پھونک کر ایک انقلاب عظیم برپا کرتے رہے جن کی بعثت سے صدہا برس قبل ایسے مقدس رسول کی آمد کی بشارات وحی الٰہی کے ذریعے قوموں کو ملتی رہیں تا کہ اس کی دعوت حق کے لیے ماحول کو سازگار بنایا جائے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ان اولوالعزم اور جلیل القدر مقدس رسولوں میں سے ایک ہیں۔ انبیائے بنی اسرائیل میں سے متعدد انبیاء علیہم السلام آپ کی آمد سے قبل ان کے حق میں منادی کرتے اور آمد کی بشارت سناتے نظر آتے ہیں اور بنی اسرائیل بھی مدت مدید سے منتظر رہے تھے کہ مسیح موعود کا ظہور ہو تو ایک مرتبہ پھر ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کی طرح اقوام عالم میں معزز اور ممتاز ہو جائیں۔ بائیبل' توراۃ وانجیل نے اپنی لفظی ومعنوی تحریفات کے باوجود آج بھی ان چند بشارات کو اپنے سینہ میں محفوظ رکھا ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کی آمد سے متعلق ہیں۔

توراۃ میں ہے۔

''اور اس موسیٰ نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا اور شعیر (ساعیر) سے ان پر طلوع ہوا اور فاران کے پہاڑوں سے جلوہ گر ہوا''

اس بشارت میں سینا سے خدا کی آمد سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آمد کی طرف اشارہ ہے اور ساعیر سے طلوع ہونا نبوت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہے اور فاران پر جلوہ گر ہونا آفتاب رسالت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی بشارت ہے۔ فاران حجاز کے مشہور پہاڑی سلسلہ کا نام ہے۔ اسی طرح حضرت یسعیا نبی علیہ السلام کے صحیفہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کی بشارت ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مناد تھے ان کی بعثت سے قبل بنی اسرائیل میں ان کی بعثت ورسالت کا مژدہ سناتے تھے۔ ایسی ہی اور کئی بشارات مذکور ہیں جن میں آپ کی آمد سے پہلے قوموں کو مطلع کیا جاتا رہا اور وہ منتظر رہے۔

پس ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی رشد وہدایت کے لیے منتخب کیا تو ان کو ایک جانب حجتہ وبرہان (انجیل) اور حکمت سے نوازا تو دوسری طرف زمانہ کے مخصوص حالات کے مطابق چند ایسے نشان (معجزات) بھی عطاء کئے جو اس وقت

کے ارباب کمال اوران کے پیروؤں پر اس طرح اثر انداز ہوں کہ حق کے متلاشی کو اعتراف کرنے میں کوئی شبہ باقی نہ رہے کہ واقعی یہ اعمال (معجزات) اکتسابی علوم سے جدا محض خدا تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول برحق کی تائید میں رونما ہوئے ہیں۔ ان معجزات میں سے جن کا مظاہرہ قوم کے سامنے کیا گیا قرآن حکیم نے چار کا ذکر بصراحت فرمایا ہے یعنی (۱) خدا کے حکم سے مردہ کو زندہ کرنا (۲) پیدائشی نابینا کو بینا اور کوڑھی وجذامی کو تندرست کر دینا (۳) مٹی سے پرندہ بنانا پھر پھونک مار کر اسے زندہ کر دینا۔ (۴) آپ یہ بھی بتا دیتے کہ کس نے کیا کھایا اور خرچ کیا اور گھر میں کیا چھوڑا۔[۱]

جب قوم کے سامنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دنیوی اسباب وسائل اختیار کیے بغیر ان امور کا مظاہرہ کیا تو بنی اسرائیل پر بھی ہدایت وضلالت کی قدرتی تقسیم کے مطابق یہی اثر پڑا کہ جس کے قلب میں حق کی طلب اور خواہش موجزن تھی اس نے اقرار کیا اور نبی برحق کی تصدیق کی اور جن کے دلوں میں رعونت' حسد اور بغض وعناد تھا ان کے تعصب نے انہیں وہی کہنے پر مجبور کیا جو ان کے پیشرو اپنے دور کے انبیاء و رسل کو کہتے آئے یعنی "یہ تو کھلا جادو ہے" آپ نے فرمایا:

> اے لوگو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اپنا رسول اور پیغمبر بنا کر تمہارے پاس بھیجا ہے اور تمہاری اصلاح کی خدمت میرے سپرد فرمائی ہے میں اس کی جانب سے پیغام ہدایت لے کر آیا ہوں اور تمہارے ہاتھ میں خدا کا جو قانون (توراۃ) ہے اور جس کو تم نے اپنی جہالت اور کجروی سے پس پشت ڈال رکھا ہے اس کی تصدیق کرتا ہوں اور اس کی مزید تکمیل کے لیے خدا کی کتاب انجیل لے کر آیا ہوں۔ یہ کتاب حق و باطل کا فیصلہ کرے گی اور آج جھوٹ اور سچ کے درمیان فیصلہ ہو کر رہے گا۔ سنو اور سمجھو اور اطاعت کے لیے خدا کے حضور جھک جاؤ کہ یہی دین و دنیا کی فلاح کی راہ ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام مخالفین کی ہرزہ سرائیوں کے باوجود اپنے فرض منصبی میں سرگرم رہتے۔ شب و روز بنی اسرائیل کی آبادیوں اور بستیوں میں اللہ کا پیغام سناتے۔ احکام خدا سے سرکش اور باغی انسانوں کی اس بھیڑ میں ایسی سعید روحیں بھی نکل آئیں جو دین حق کو قبول کر کے کاروان اسلام میں داخل ہوگئیں اور اس کی سربلندی کے لیے جان و مال کی بازی لگانے لگیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری بیشتر غریب اور مزدور طبقہ میں سے تھے۔ سنت اللہ

بھی یہی رہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی صدائے حق پر لبیک کہنے اور جان سپاری کا مظاہرہ کرنے والے اول غریب اور کمزور طبقہ کے ہی لوگ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں آپ کے حواریوں کی منقبت بیان فرمائی ہے یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی پکار پر سب سے پہلے "نحن انصار اللہ" کا نعرہ بلند کیا اور دین حق کی فتح و کامرانی اور انقیاد کے لیے کسی قربانی سے پہلو تہی نہ کی۔ ان ہی مقدس ہستیوں کا ذکر سورۂ مائدہ میں کیا گیا ہے اور جب تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے درمیان رہے۔ دین پر ان کی استقامت میں ذرا برابر فرق نہ آیا۔ آپ کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد بھی آپ کے ان یاروں اور حواریوں نے بڑی محنتیں کیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نہ شادی کی اور نہ بود و باش کیلئے گھر بنایا۔ وہ شہر شہر گاؤں گاؤں خدا کا پیغام سناتے۔ جہاں بھی رات آ پہنچتی وہیں کسی سر و سامان کے بغیر شب بسر کر لیتے۔ چونکہ آپ کی ذات اقدس سے مخلوق خدا جسمانی و روحانی دونوں طرح کی شفاء اور تسکین پاتی تھی اس لیے آپ کا جس جانب گزر ہوتا خلقت کا انبوۂ کثیر عقیدت کے ساتھ جمع ہو جاتا۔ بنی اسرائیل کے یہود جو دعوت حق کے ساتھ بغض و عناد رکھتے تھے اور انہیں آپ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے انتہائی صدمہ اور خطرہ محسوس ہوا تو ان کے سرداروں اور فقیہوں نے آپ کے خلاف سازش شروع کی اور بادشاہ وقت کو مشتعل کر کے آپ کو دار پر چڑھانے کا منصوبہ بنایا۔

یہود اگرچہ بت پرست بادشاہ پلاطیس کے اقتدار کو اپنی بدبختی سمجھتے تھے تاہم صدیوں کی غلامی اور پست ذہنیت سے اندھے ہو چکے تھے وہ دربار میں پلاطیس کے پاس پہنچے اور شکایت کی کہ اے بادشاہ یہ شخص (عیسیٰ علیہ السلام) نہ صرف ہمارے لیے بلکہ حکومت کے لیے بھی خطرہ بنتا جا رہا ہے۔ اگر اس کا سد باب فوراً نہ کیا گیا تو ہمارا دین صحیح حالت میں باقی نہ رہ سکے گا اور اندیشہ ہے کہ آپ کا حکومت پر اقتدار بھی نہ رہے۔ اس شخص نے شعبدہ بازی سے خلقت کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے اور گھات میں لگا ہے کہ عوام کی اس طاقت سے قیصر اور آپ کو شکست دے کر بنی اسرائیل کا خود بادشاہ بن جائے۔ پس اس فتنہ کا انسداد فوراً از بس ضروری ہے اور اسے ابتدائی منزل ہی میں کچل ڈالا جائے۔

چنانچہ کافی گفت و شنید کے بعد پلاطیس نے اجازت دی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کر کے شاہی دربار میں ایک مجرم کی حیثیت سے پیش کریں۔ بنی اسرائیل کے سردار یہ فرمان لے کر بے حد مسرور ہوئے اور مزید مشورہ کرنے لگے کہ ضرورت اس امر کی ہے کہ آپ کو کسی

خلوت اور تنہائی کے موقع پر اس طرح گرفتار کیا جائے کہ عوام کو پتہ نہ لگے۔ انجیل یوحنا میں اس منصوبے کا تذکرہ موجود ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب یہود کے کفر اور معاندانہ ریشہ دوانیوں کو محسوس کیا تو ایک محفوظ جگہ اپنے حواریوں کو جمع کیا اور انہیں آگاہ کیا کہ بنی اسرائیل کے سرداروں اور کاہنوں کی مخالفانہ سرگرمیاں بہت تیز ہو گئی ہیں آزمائش اور امتحان کی اس گھڑی کا تقاضا ہے کہ میں تم سے سوال کروں کہ تم میں وہ کون افراد ہیں جو مخالفت کے اس سیلاب کے سامنے سینہ سپر ہو کر خدا کے دین کے ناصر و مددگار بنے رہیں گے۔ یہ سن کر حواریوں نے بڑے جوش و خروش اور ایمان کی صداقت کے ساتھ اعلان کیا کہ ہم ہیں اللہ کے دین کے مددگار اور صدق دل سے وفا شعار۔

یہود کے سردار اور گورنر پلاطیس کے اہل کاروں کو اطلاع ملی کہ اس وقت عیسیٰ علیہ السلام معہ چند حواریوں کے ایک مکان میں بیٹھے ہیں تو انہوں نے موقعہ کو غنیمت جانا اور فوراً وہاں پہنچ کر مکان کا محاصرہ کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کر لیا اور پلاطیس کے دربار میں پیش کر دیا اور یہود و نصاریٰ کی روایات کے مطابق آپ کو سولی چڑھا دیا گیا۔ لیکن حقیقت حال چونکہ ان روایات کے برعکس ہے! ایک عرصہ دراز کے بعد عقیدہ کفار بدعت اور حضرت مریم و عیسیٰ علیہما السلام سے متعلق اس افسانوی گوشہ جہالت سے تاریکی کا پردہ ہٹا کر قرآن حکیم نے حقیقت حال کے رخ روشن کو جلوہ آراء کرنا ضروری سمجھا اور اس نے اپنا وہ فرض انجام دیا جس کو مذاہب عالم کی تاریخ میں کلام اللہ کی دعوت تجدید و اصلاح کہا جاتا ہے۔

جس زمانہ میں بنی اسرائیل پیغمبر حق اور رسول خدا حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کے خلاف خفیہ تدبیروں اور سازشوں میں مصروف اور اپنی کوششوں پر نازاں تھے اسی زمانہ میں خدائے برتر کے قانون قضاء و قدر نے فیصلہ نافذ کر دیا کہ کوئی طاغوتی طاقت اور مخالف قوت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام پر قابو نہیں پا سکتی اور یہ کہ اللہ کی محکم تدبیر اس کو دشمنوں کے ہر فریب اور مکاری سے محفوظ رکھے گی اور اللہ تعالیٰ نے اس فیصلہ سے اپنے رسول کو بذریعہ وحی مطلع کر دیا۔ سورہ مائدہ میں مذکور ہے۔

> "اے عیسیٰ بے شبہ میں تیری مدت پوری کروں گا اور تجھ کو اپنی جانب اٹھانے والا ہوں اور تجھ کو کافروں (بنی اسرائیل) سے پاک رکھنے والا ہوں" (سورہ مائدہ) [1]

اب جب عیسیٰ علیہ السلام کو یہ اطمینان دلا دیا گیا کہ اس سخت محاصرہ کے باوجود دشمن تم

لائے تو ابو طالب بولے:

''اے میرے بھتیجے آپؐ کا جو جی چاہے کہیے میں آپؐ کو کسی قیمت پر کفار کے حوالے نہیں کروں گا''۔

اہل مکہ کو پتہ چل گیا کہ اس بار بھی ابو طالب سے مذاکرات ناکام ہو گئے ہیں تو انہوں نے ایک اور چال چلی کہ ولید بن مغیرہ کے جواں سال بیٹے عمارہ کے بدلے حضور علیہ السلام کو ان کے حوالے کرنے کی پیشکش کی جو نہایت حقارت کے ساتھ رد کر دی گئی۔ اس کے بعد مکہ کے حالات دن بدن کشیدہ تر ہونے لگے اور کفار نے باہم مل کر اسلام کی مخالفت کے پروگرام بنانے شروع کر دیئے۔ صورت حال کا مقابلہ کرنے اور نپٹنے کے لیے ابو طالب نے بھی بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کو حضور علیہ السلام کے دفاع کے لیے آمادہ کر لیا۔

حضور علیہ السلام اور عتبہ

اہل مکہ اور ابو طالب کے مذاکرات ناکام ہو چکے اور معاملات پیچیدہ ہوتے گئے۔ عتبہ بن ربیعہ رؤسائے مکہ میں قدآور اور مالدار شخص تھا ایک روز حرم میں مجلس قریش میں بیٹھا تھا کہنے لگا: اگر تم مجھے اجازت دو تو میں اکیلا حضورؐ کے پاس چند تجاویز لے کر جاؤں شاید کسی پر تصفیہ ہو جائے۔ اس وقت حضور علیہ السلام بھی حرم میں بیٹھے عبادت الٰہی میں مشغول تھے کہ عتبہ آ کر پاس بیٹھ گیا اور گفتگو کرنے کی اجازت مانگی۔ آپ نے فرمایا: ہاں اے عتبہ کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔

عتبہ کہنے لگا: اے بھتیجے۔ حسب نسب کے لحاظ سے جو تیرا مقام ہے وہ ہم سب کو معلوم ہے۔ لیکن تم نے قوم کو ایک بڑی مصیبت میں ڈال دیا ہے۔ اتحاد پارہ پارہ کر کے ان کے خداؤں کو اور ان کے عقائد پر تنقید کرتا ہے اور ان کے باپ دادوں کو کافر کہتا ہے۔ اب میری بات سنو۔ میں چند تجاویز پیش کرتا ہوں۔ ان میں سے جو پسند ہو قبول کر لو۔ حضور علیہ السلام نے تجاویز پیش کرنے کو کہا:۔

عتبہ نے پہلی تجویز پیش کی کہ اگر آپ یہ سب کچھ مال جمع کرنے کے لیے کر رہے ہیں تو ہم مال کا ڈھیر لگا دیتے ہیں اور اگر اس کا مقصد عرب کی سرداری ہے تو ہم سب آپ کو اپنا سردار بنا دیتے ہیں اور آپ کے حکم کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے اور آپ کو بادشاہ مان لیں گے۔ اگر جنات کے اثر سے کر رہے ہو تو ہم علاج کرانے کو تیار ہیں۔ عتبہ بولتا رہا' آخر خاموش ہوا تو حضورؐ نے فرمایا: اے عتبہ تم نے اپنی بات پوری کر لی۔ اس نے کہا: ہاں۔ آپؐ نے فرمایا: اب میرا

جواب سن۔ حضور علیہ السلام نے سورہ السجدہ کی چند آیات تلاوت فرمائیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر فرمایا:

''حٰم اتارا گیا ہے یہ قرآن۔ رحمٰن و رحیم خدا کی طرف سے۔ یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں تفصیل سے بیان کر دی گئی ہیں۔ یہ قرآن عربی میں ہے یہ ان لوگوں کے لیے جو علم (فہم) رکھتے ہیں۔ یہ مژدہ سنانے والا اور بروقت خبردار کرنے والا ہے۔ بایں ہمہ منہ پھیر لیا ان میں سے اکثر نے پس وہ اسے قبول نہیں کرتے اور کہا: ہمارے دل غلاف میں ہیں۔ اس بات سے جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے اور ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان ایک حجاب ہے۔ تم اپنا کام کرو ہم اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔

عتبہ دم بخود حضور علیہ السلام کی زبان ترجمان سے آیات قرآن سنتا رہا سورہ السجدہ یہاں تک تلاوت کرنے کے بعد حضور علیہ السلام نے عتبہ سے فرمایا:

''جو تجھے سننا چاہیے تھا وہ تم نے سن لیا اب تم جانو اور تمہارا کام''

عتبہ اٹھ کر ساتھیوں کی طرف گیا اور انہیں کہا کہ میں نے وہاں ایسا کلام سنا ہے۔ بخدا اس سے پہلے کبھی نہیں سنا۔ بخدا نہ وہ شعر ہے نہ جادو اور نہ ہی کہانت ہے۔ عتبہ نے کہا: اے قوم قریش ان کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ بخدا جو کلام میں سن کر آیا ہوں اس کا بڑا نتیجہ نکلنے والا ہے۔ اگر عرب کے دوسرے قبائل اس کا خاتمہ کر دیں تو تمہارا مقصد حل ہو جائے گا اور اگر اس نے عرب پر غلبہ پالیا تو عرب کی بادشاہی تمہاری ہی ہوگی۔ یہ سن کر دیگر رؤسائے مجلس چیخ اٹھے اور عتبہ پر طعن زنی کرنے لگے۔ حضور علیہ السلام کے ساتھ عتبہ بن ربیعہ کے مکالمے کے متعلق اور روایات بھی منقول ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ راوی ہیں

کفار مکہ نے جماعت اسلام کی روز افزوں ترقی اور اپنے دگرگوں حالات سے بہت پریشان ہو کر قبائل کے سرداروں کو جمع کیا جن میں سے چند سر برآوردہ یہ تھے۔ عتبہ بن ربیعہ۔ شیبہ بن ربیعہ۔ ابوسفیان بن حرب۔ نضر بن حرث۔ ابوالبختری بن ہشام۔ اسود بن مطلب۔ زمعہ بن اسود۔ ولید بن مغیرہ۔ ابوجہل بن ہشام۔ عبداللہ بن ابی امیہ۔ عاص بن وائل اور امیہ بن خلف وغیرہ۔ یہ سب سردار غروب آفتاب کے بعد کعبہ میں بیٹھے اور اپنے فیصلہ کے مطابق حضور علیہ السلام کو بلا بھیجا۔ حضور علیہ السلام تشریف لائے تو انہوں نے گفتگو کا آغاز کیا:

اے محمدؐ ہم نے آج اس لیے بلایا ہے کہ آپ سے فیصلہ کن بات کی جائے یہ کہ آپ نے ساری قوم کو عظیم مصیبت میں ڈال دیا ہے۔ آپ ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہتے ہیں۔ ہمارے آباؤ اجداد کو گالیاں دیتے ہیں اور ہمیں بے وقوف کہتے ہیں۔ ایسی کوئی بری بات باقی نہیں جس سے آپ نے قوم کو دو چار نہ کر دیا ہو۔ ایسی تمام کارروائیوں کو ختم کرنے کے عوض سب سرداروں نے آپؐ کو اپنا بادشاہ بنانے کی تجویز پیش کرنے کے ساتھ ڈھیروں دولت کی پیشکش بھی کی ہے۔

جب سردار بول چکے اور جو کچھ کہنا چاہتے تھے وہ کہہ لیا تو حضور علیہ السلام یوں گوہر افشاں ہوئے:۔

''ان چیزوں میں سے کسی چیز کا طلب گار نہیں۔ نہ مجھے مال و دولت کی خواہش ہے نہ ہی عزت و سیادت کی آرزو۔ نہ میری نگاہوں میں تخت و تاج سلطانی کی کوئی قدر و قیمت ہے مجھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف رسول بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ مجھ پر کتاب نازل کی ہے۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہیں اس کی رحمت کا مژدہ سناؤں اور اس کے عذاب سے بروقت خبردار کروں۔ میں نے اپنے رب کے پیغامات تمہیں پہنچا دیئے ہیں اور اپنی طرف سے تمہاری خیر خواہی کا حق ادا کر دیا ہے۔ جو دعوت حق میں لے کر آیا ہوں اگر تم اسے قبول کر لو گے تو دنیا و آخرت میں تم سعادت مند ہو گے۔ اگر تم اس کو مسترد کر دو گے تو میں پھر بھی صبر کروں گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرما دے۔''

حضور علیہ السلام کے فیصلہ کن خطاب نے سب کو بے بس کر دیا اور حجت بازیاں کرنے لگے۔ ان کی یہ باتیں سن کر رحمت عالمؐ اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے کاشانہ اقدس کی طرف مراجعت فرمائی۔ لیکن قوم کی ہٹ دھرمی اور محرومی پر از حد کبیدہ خاطر ہوئے۔

سرداران قریش حضور علیہ السلام سے مذاکرات میں ناکام ہو گئے۔ آپس میں صلاح مشورہ کرتے رہے کہ ابو جہل نے اہل مجلس کو کہا کہ کل جب محمدؐ نماز پڑھنے آئیں گے تو سجدے کی حالت میں ایک بھاری پتھر ان کو مار کر ختم کر دوں گا۔ دیگر افراد نے ابو جہل کے اس اقدام کی حمایت کی اور دفاع کا وعدہ کیا۔ دوسرے روز جب کہ حضور علیہ السلام سجدہ میں گئے تو ابو جہل پتھر اٹھا کر آپؐ کی طرف گیا۔ جب ذرا قریب آیا تو فوراً پلٹا اور پتھر پھینک کر بھاگ گیا۔ لوگوں نے

کہا: اے ابوالحکم تیرا کیا حال ہوا۔ ابوجہل بولا: جب میں نزدیک گیا تو ایک بھاری بھرکم اونٹ جبڑا کھولے مجھے کھانے کے لیے لپکا میں بمشکل بچ نکلا۔ تاہم حضور علیہ السلام اور کمزور اہل ایمان پر مختلف طریقوں سے ایذا رسانیوں کا سلسلہ تیز ہو گیا۔ اس کے باوجود حضور علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے:

"اے میرے پروردگار تیرے اس بندے کی مرضی یہ ہے کہ تو ان کے لیے رحمت کا دروازہ کھلا رکھے"

عرب کے ہر حصے میں ذکر حبیبؐ

مسلسل ناکامیوں کے باعث سرداران قریش اب زیادہ پریشان ہو گئے کیونکہ حج پر آنے والوں کے قافلے آنے والے تھے۔ کفار کو مشکل یہ درپیش تھی کہ حضور علیہ السلام کی دعوت اور پیغام حق سننے سے لوگوں کو کیسے روکا جائے اور وہ کلام الٰہی نہ سننے پائیں۔ بہت بحث کے بعد طے پایا کہ ہر آدمی مکہ آنے والے تمام راستوں پر بیٹھ جائے اور جو بھی حضور علیہ السلام کے بارے معلومات دریافت کرے، ہر آدمی ایک ہی بات کہے یعنی کہ یہ بڑا جادوگر ہے۔

کفار مکہ نے اپنے پروگرام کے مطابق باہر سے آنے والے حاجیوں کو حضورؐ کے متعلق بتایا کہ آپ ساحر ہیں۔ کفار کے اس پروگرام پر عمل درآمد کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ قافلے واپس جاتے ہوئے جس بستی سے گزرے اور جہاں جہاں تک پہنچے وہ حضور علیہ السلام کے متعلق سب کو بتاتے گئے۔ اس طرح عرب کی سرزمین کے ہر حصے میں حضور علیہ السلام کا ذکر ہونے لگا۔ کفار مکہ باہر سے مکہ آنے والے کو کوشش کر کے روکتے کہ حضور علیہ السلام سے اس کی ملاقات نہ ہو اور نہ ہی وہ آپ کی تلاوت قرآن سن سکے جبکہ ابوسفیان، ابوجہل اور اخنس بن شریق ایک دوسرے سے چھپ کر رات کے اندھیرے میں آپؐ جب تلاوت کرتے تو آپؐ کی زبان ترجمان سے تلاوت قرآن سن کر مدہوش ہو جاتے۔

کفار مکہ کا وفد یثرب میں

اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت اور عداوت کی آگ نے مکہ کے سردار کفار کو جھلسا کر رکھ دیا تھا۔ وہ بے بسی کے ساتھ مشورہ کرتے رہتے ایک روز نضر بن حارث کہنے لگا: میری تجویز ہے کہ ہمارا ایک وفد یثرب جائے وہاں اہل کتاب کے علماء احبار سے ملاقات کر کے انہیں مکہ کے حالات سے مطلع کرے اور محمدؐ کے دعوے نبوت کا ذکر کرے چونکہ وہ بھی اہل

کتاب ہیں ممکن ہے اس بارے کچھ بتائیں اوران کی رہنمائی سے ہم کسی نتیجہ پر پہنچ جائیں چنانچہ نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط پر مشتمل وفد یثرب روانہ کر دیا گیا۔

دونوں ممبران وفدلق ودق صحراؤں' بنجر میدانوں اور خشک پہاڑوں کو عبور کرتے ہوئے کئی دنوں کے بعد یثرب پہنچے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے جید علمائے یہود سے ملاقات کی۔ اپنے آنے کا مقصد بیان کیا کہ مکہ کے اس مدعی نبوت کے متعلق ہمیں آگاہ کریں کہ آیا وہ سچا ہے یا نہیں۔ علماء یثرب نے ان سے حضور علیہ السلام کے حالات تفصیل سے سن کر کہا کہ ہم تمہیں تین سوالات بتاتے ہیں۔ تم واپس جا کر ان کے جواب ان سے پوچھو اگر وہ ان کے جوابات دے دیں تو وہ سچے نبی ہیں ورنہ وہ دھوکہ باز اور طمع ساز شخص ہے۔

(۱) پہلا سوال یہ تھا کہ وہ نوجوان کون تھے جنہوں نے گزشتہ زمانہ میں ایک ظالم بادشاہ کے خوف سے اپنا وطن چھوڑا تھا تا کہ وہ انہیں کافر ہونے پر مجبور نہ کرے۔

(۲) دوسرا سوال یہ تھا کہ وہ سیاحت کرنے والا شخص کون تھا جو زمین کے مشارق و مغارب تک پہنچا۔

(۳) اور تیسرا سوال یہ تھا کہ روحُ کی حقیقت کیا ہے؟

ان سوالات کو اچھی طرح سمجھ کر وفد مکہ واپس روانہ ہوا۔ مکہ پہنچے تو وہ بہت خوش تھے۔ اہل مکہ کو انہوں نے بتایا کہ وہ ایک فیصلہ کن بات لائے ہیں اور سب کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ سچے نبی ہیں یا نہیں۔ سب خوش وخرم مل کر حضور علیہ السلام کے پاس پہنچے اور کہا: اگر آپ سچے نبی ہیں تو ان تین سوالات کا جواب دیں۔ حضورؐ نے نزول وحی کے بعد جواب دینے کا وعدہ فرمایا۔ چند دن بعد جبرائیل امین سورہ کہف لے کر حاضر ہوئے اس سورہ میں تینوں سوالوں کے بڑی تفصیل سے جواب تھے۔ آپؐ نے پوری سورہ تلاوت فرمائی اس میں واضح طور پر بتایا گیا کہ وہ نوجوان اصحاب کہف تھے۔ وہ سیاح ذوالقرنین تھا اور روح امر ربی ہے۔ روح کے متعلق اس سے زیادہ جاننا انسان کی عقل وفہم سے ماوراء ہے۔ا

اگر چہ اہل مکہ کے تسلیم کردہ معیار کے مطابق حضور علیہ السلام کی سچائی ثابت ہوگئی۔ لیکن ہدایت انہیں ہی نصیب ہوتی ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فیصلہ صادر کرتا ہے۔ چنانچہ کفار مکہ اپنے کفر پر ہی جمے رہے۔

کفار کا ہولناک ظلم وتشدد

ایسے پر آشوب حالات میں بغض وعناد کی ان تیز وتند آندھیوں میں بھی اللہ کا محبوب اپنے رب کریم کی توحید کا پیغام عام کرنے کے لیے سرگرم عمل ہے۔ ہر گھر میں ہر خاندان میں پیغام حق پہنچا رہے ہیں۔ ہر مجمع میں اعلان فرما رہے ہیں۔ مکہ کے ہر کوچہ و بازار میں اللہ تعالیٰ کا چرچا کر رہے ہیں۔ ہر شخص جس سے ملاقات ہوتی ہے۔ آزاد ہو یا غلام۔ کمزور ہو یا توانا۔ غریب ہو یا امیر۔ مرد ہو یا عورت۔ سب کو یہی درس دے رہے ہیں۔ لا الہ الا اللہ ادھر کفار و مشرکین اذیت رسانی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھ رہے۔ اذیت رسانی میں پیش پیش حضور علیہ السلام کا چچا ابو لہب اور اس کی زوجہ ام جمیل ہیں۔ وہ ہر جگہ آپؐ کے پیچھے لگے ہوئے ہیں ہر جگہ اعلان کرتے جاتے ہیں کہ یہ شخص بے دین ہے' کاذب ہے۔ ابولہب' ام جمیل اور ابو جہل نے کئی مرتبہ حضور علیہ السلام سے ذلت آمیز سلوک کی کئی تدابیر اختیار کیں مگر ہر بار منہ کی کھاتے اور بھاگ جاتے۔ کفار پوچھتے تو کہتے جو ہم دیکھتے ہیں تم نہیں دیکھتے۔ اگر تم دیکھ لو تو تم بھی ایسا ہی کرو گے۔ کفار کی سنگدلانہ سختیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ حضورؐ اپنے رب کا نام بلند کرنے اور اس کی وحدانیت کا عقیدہ عام کرنے کے لیے ان تمام تکلیفوں کو ہنستے مسکراتے برداشت کرتے رہے۔ آپؐ نے فرمایا:

"مجھے اللہ کی راہ میں اتنی اذیت دی گئی کہ اور کسی کو نہیں دی گئی اور اللہ کی راہ میں مجھے اتنا خوفزدہ کیا گیا جتنا اور کسی کو نہیں کیا گیا۔ مجھ پر تیس دن اور راتیں ایسی بھی گزریں کہ میرے لیے اور بلال کے لیے کھانے کے لیے کوئی ایسی چیز موجود نہ تھی جسے کوئی جاندار کھا سکتا ہے مگر قلیل مقدار

(سیرت ابن کثیر)

حضور نبی کریمؐ کی ذات مبارک اپنے اوصاف حمیدہ کے باعث معظم ومحترم تو تھی ہی۔ پھر حضورؐ کے چچا ابو طالب اور سارے خاندان بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کی تائید بھی حاصل تھی۔ اس کے باوجود مشرکین مکہ نے آپؐ کو بہت تکلیفیں پہنچائیں جب حضور علیہ السلام کے ساتھ ان کا برتاؤ ایسا تھا تو جو لوگ آپؐ پر ایمان لائے تھے ان کے ساتھ جور وستم کا کیا عالم ہوگا۔

اصحاب رسولؐ جو صاحب حیثیت تھے زدوکوب ہونے سے وہ بھی اپنے آپ کو نہ بچا سکے۔ حضرت ابو بکرؓ۔ حضرت عثمانؓ۔ حضرت سعد بن وقاصؓ اور حضرت ابوذر غفاریؓ تک پر ذہنی اور جسمانی تشدد کیا گیا۔ غریب اور کمزور' بے سہارا اہل ایمان جن میں حضرت بلالؓ حبشی آپ کی

والدہ ماجدہ عمامہ رضی اللہ عنہا' عامر بن فہیرہ ابو فکیہہ' زنیرہ رضی اللہ عنہا' (یہ ایک مشرک کی کنیزہ ہیں) ام عنیس' النہد یہ اور انؓ کی بیٹی (ولید کی لونڈیاں) لطیفہ (حضرت عمرؓ کی لونڈی تھی) حضرت خبابؓ ابن الدرت۔ عمارؓ بن یاسر وغیرہ شامل تھے یہ وہ مردان وفاکش تھے کہ ان پر تشدد کے تمام طریقے استعمال ہوئے۔ زدوکوب کرنے والے تھک گئے لیکن ان کے دلوں میں سے ایمان کا پودا نہ اکھاڑ سکے' ایمان والے ظلم کی چکی میں پستے رہے۔ ایسے حالات میں اہل ایمان کو کیونکر بچایا جائے؟ جید اصحاب رسولؐ یہ سوال سوچنے پر مجبور ہو گئے۔

ہجرت حبشہ

اسلام کے یہ جاں باز آزمائشوں میں پہاڑوں سے بھی زیادہ مستحکم ثابت ہوئے اور ان کی استقامت کو دیکھ کر ان درندہ صفت انسانوں کے چھکے چھوٹ جاتے۔ حضور نبی کریمؐ کی حفاظت کا وعدہ خود رب العالمین نے فرمایا تھا: ''کہ لوگوں کے شر سے اللہ تمہاری حفاظت فرمائے گا''۔ شمع توحید کے ان پروانوں پر کفر وشرک کے سرغنوں کے مظالم روز بروز بڑھتے دیکھ کر سرور عالمؐ نے اپنے جاں نثاروں کو اجازت دے دی کہ وہ ظلم وستم کی اس بستی سے ہجرت کر کے حبشہ چلے جائیں۔ کیونکہ وہاں کے بادشاہ کے متعلق مشہور تھا کہ وہ بڑا رحم دل اور انصاف پسند ہے۔

چنانچہ حضور علیہ السلام کی بعثت کے پانچویں سال رجب میں مہاجرین کا پہلا قافلہ اپنے وطن کو چھوڑ کر حبشہ روانہ ہو گیا۔ یہ قافلہ بارہ مردوں اور چار عورتوں پر مشتمل تھا۔ قافلہ کی سرداری حضرت عثمان بن عفانؓ کے سپرد ہوئی جو محترمہ حضرت رقیہؓ حضورؐ کی صاحبزادی کے شوہر تھے۔ اس قافلہ میں حضرت زبیرؓ بن عوام' عبدالرحمٰن بن عوفؓ۔ عبداللہ بن مسعودؓ اور مصعب بن عمیرؓ جیسے بزرگ بھی تھے۔ رات کے اندھیرے میں یہ مہاجر کشتی میں سوار ہو کر روانہ ہوئے صبح کفار کو پتہ لگا تعاقب کی کوشش کی مگر مہاجرین دور نکل چکے تھے یہ جدہ کے نزدیک شعیبہ کی گودی سے کشتی میں سوار ہوئے تھے۔

راہ حق کے یہ مسافر جب حبشہ پہنچے تو بڑے احترام سے انہیں خوش آمدید کہا گیا۔ ٹھہرنے کے لیے ایک پرامن جگہ مل گئی۔ اہل مکہ ایک قافلہ کے ہجرت کرنے پر بہت غضبناک ہو گئے۔ اب انہوں نے مظالم کی انتہا کر دی۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ جیسے اثر ورسوخ والے بھی اب وہاں رہنا مشکل خیال کرنے لگے تو ابوبکرؓ نے بھی اجازت سے ہجرت کا ارادہ کر لیا اور مکہ سے

روانہ ہو گئے۔ دوران سفر ایک بستی سے گزرنے لگے تو قبیلہ بنو تارہ جو بنو زہرہ کے حلیف تھے کے سردار ابن الاغنہ سے ملاقات ہوگئی۔ اس کے پوچھنے پر آپ نے مکہ کے حالات بیان کر کے کہا کہ وہ بھی ہجرت کر کے حبشہ جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ابن الاغنہ نے کہا: اے ابو بکرؓ تم جیسے آدمی کو مکہ سے نہیں نکالا جانا چاہئے۔ آپ تو مفلس اور نادار کے لیے مال کماتے ہیں۔ لوگوں کی مصیبت کے وقت مدد کرتے ہیں' میں آپ کو پناہ دیتا ہوں آپ مکہ لوٹ جائیں۔

چنانچہ ابن الاغنہ حضرت ابو بکرؓ کو ساتھ لے کر مکہ واپس آئے اور سرداران مکہ کو کہا کہ اس نے ابو بکرؓ کو پناہ دے دی ہے۔ سرداران مکہ نے ایک شرط لگائی کہ ابو بکرؓ اپنی عبادت اپنے گھر کے اندر کریں گے کھلے عام نہیں۔ لہٰذا آپ نے اپنے گھر میں ایک چھوٹی سی مسجد بنالی آپؓ تلاوت کرتے۔ آپ خوش آواز تھے' تلاوت کے وقت باہر سے لوگ اندر آ کر تلاوت سنتے۔ کفار کو یہی خطرہ تھا۔ انہوں نے ابن الاغنہ سے شکایت کی' وہ حضرت ابو بکرؓ کے پاس آیا اور کفار مکہ کے اعتراضات سنائے۔ حضرت ابو بکرؓ نے بڑی جرأت سے ابن الاغنہ کو کہا کہ میں تیری پناہ لوٹاتا ہوں' میرے لیے میرے اللہ کی پناہ کافی ہے۔ اس طرح آپ مکہ میں ہی رہے۔

حبشہ کی طرف دوسری ہجرت

حبشہ میں پناہ گزیں مسلمان بڑے سکون سے گزر بسر کر رہے تھے کہ انہیں اطلاع ملی کہ اہل مکہ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اس اطلاع پر چند مہاجرین واپس مکہ آ گئے۔ مکہ پہنچنے پر انہیں معلوم ہوا کہ اہل مکہ کے اسلام لانے کی خبر غلط تھی۔ اہل ایمان پر ظلم وستم جاری تھا۔ اس لیے سابقہ مہاجرین اور کچھ اور اصحاب نے پھر مکہ سے حبشہ چلے جانے کا پروگرام بنایا۔ اس قافلہ میں اٹھارہ مہاجرین شامل ہوئے ان میں حضرت جعفرؓ بن ابو طالب بھی تھے۔ ان مہاجرین کے حبشہ میں آنے سے مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا۔ کفار مکہ کو یہ پسند نہ آیا تو انہوں نے اپنے ان ہم وطنوں کی واپسی کے لیے بادشاہ حبشہ کے پاس سفارت بھیجی۔ جس کے قائد عمرو بن العاص تھے۔ سفارتی کام کو موثر بنانے کے لیے قیمتی تحائف بھی شاہ حبشہ کے پاس بھیجے گئے۔ علاوہ ازیں شاہی دربار کے امراء اور ان کے مذہبی پیشواؤں کی تائید حاصل کرنے کے لیے بھی تحفے بھیجے گئے۔

سفیر جب حبشہ آئے تو پہلے انہوں نے امراء اور مذہبی رہنماؤں سے ملاقات کی۔ تحائف پیش کیے اور مہاجرین مکہ کے خلاف ان کے نئے دین کے متعلق گمراہ کن باتیں کیں امراء

دربار نے ان کی مدد کا وعدہ کیا۔ چنانچہ ایک روز سفیر شاہ حبشہ کے دربار میں پیش ہوئے اور اپنے تحائف پیش خدمت کیے اور بادشاہ کی خدمت میں عرض کرنے کی اجازت مانگی۔ بادشاہ نے اجازت مرحمت فرمائی تو سفارت کے قائد عمرو بن العاص نے کہا:

''اے جہاں پناہ۔ ہمارے قریبی رشتہ داروں میں سے چند لوگ ہم سے قطع تعلق کر کے آپ کے ملک میں رہائش پذیر ہیں۔ انہوں نے ہمارے خداؤں کی پرستش ترک کر کے ایک نیا دین کھڑا کر لیا ہے۔ آپ کا دین بھی قبول نہیں کرتے۔ ہم کو سرداران قریش نے آپ کی طرف بھیجا ہے کہ آپ انہیں اپنے ملک سے نکل جانے کا حکم دیں کہ اپنے وطن اپنے اقارب کے پاس چلے جائیں۔''

بادشاہ نے بڑے غور سے فرمائش سنی اور پوچھا: وہ لوگ کہاں ہیں۔ بتایا گیا کہ وہ اس شہر میں رہتے ہیں۔ بادشاہ نے قاصد بھیج کر انہیں دربار میں طلب کیا۔ درباریوں نے مداخلت کر کے کہا: وہ لوگ ان کے عزیز ہیں' ان کے وطن کے ہیں انہیں دربار میں حاضر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

جو سفیروں نے بتایا ہے کافی ہے آپ حکم کر دیں کہ وہ یہاں سے نکل جائیں بادشاہ نے درباریوں کا مشورہ مسترد کر کے کہا: ان سے بھی حالات دریافت کرنے میں انصاف پسندی ہو گی۔ عمرو بن عاص نے کہا: بادشاہ سلامت وہ مغرور ہیں شاید وہ دربار کے آداب بھی بجا نہ لائیں۔ آپ کو سجدہ بھی نہ کریں۔

ام سلمہؓ جن کو بعد میں ام المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا ان کی روایت کے مطابق مہاجرین حبشہ کے دربار میں حاضر ہونے کے حالات یوں معلوم ہوئے۔ آپ فرماتی ہیں:

بادشاہ کا قاصد مہاجرین کو بلانے گیا اور بادشاہ کا پیغام دیا تو وہ مشورہ کرنے لگے۔ ان کے دل نور ایمان سے منور تھے کوئی خوف واندیشہ محسوس نہ کیا اور کہا کہ بادشاہ کو ہم وہ ہی کہیں گے جس کا ہمیں علم ہے اور جس چیز کا ہمارے نبیؐ نے حکم دیا ہے خواہ اس کا نتیجہ کچھ بھی ہو۔ یہ فیصلہ کر کے وہ دربار جانے کے لیے روانہ ہوئے۔ بادشاہ نے پادریوں کو بھی بلا لیا وہ اپنی کتابیں کھولے تیار بیٹھ گئے۔ مہاجرین آ گئے تو بادشاہ نے پوچھا: وہ کیسا دین ہے جس کے لیے تم نے اپنا آبائی مذہب ترک کر دیا ہے اور میرا دین بھی قبول نہیں کیا۔ مسلمانوں نے حضرت جعفرؓ بن ابو طالب کو

اپنا نمائندہ منتخب کیا آپ نے فرمایا:

اے بادشاہ! ہم جاہل قوم تھے۔ بتوں کی پوجا کرتے' مردار کھاتے۔ بدکاریاں کیا کرتے۔ رشتہ داروں اور پڑوسیوں سے بے رحمی سے پیش آتے' طاقتور غریب کو کھا جاتا۔ ہمارا یہ ناگفتہ حال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ہم میں سے ایک ایسا رسول بھیجا جس کے نسب کو بھی ہم جانتے ہیں اور جس کی دیانت، امانت، صداقت اور عفت سے بھی ہم اچھی طرح آگاہ ہیں۔

اس نے ہمیں اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی کہ ہم اس کو وحدہ لاشریک مانیں اور اسی کی عبادت کریں اور وہ پتھر اور بت جن کی پوجا ہم اور ہمارے آباؤ اجداد کیا کرتے تھے ان کی بندگی کا پٹہ اپنے گلے سے اتار پھینکیں۔ اس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم سچ بولیں۔ امانت میں خیانت نہ کریں۔ رشتہ داروں اور ہمسائیوں سے اچھا برتاؤ کریں۔ برے کاموں اور خونریزیوں سے باز رہیں۔ اس نے ہمیں فسق و فجور' جھوٹ بولنے، یتیموں کا مال کھانے، پاک دامن عورتوں پر جھوٹی تہمت لگانے سے منع کیا اور حکم دیا کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں۔ کسی چیز کو اس کا شریک نہ بنائیں۔ نیز حکم دیا کہ ہم نماز پڑھیں۔ زکوٰۃ ادا کریں اور روزے رکھیں۔ چنانچہ ہم نے اس رسول اکرمؐ کی تصدیق کی۔ وہ جو حکم لے کر آئے ہم نے پیروی کی۔ بس یہی ہمارا جرم ہے۔ جس کی وجہ سے ہماری قوم نے ہم پر زیادتیاں کیں۔ ہمیں طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں۔ تاکہ ہم اللہ کی عبادت چھوڑ کر پھر بت پرستی شروع کر دیں اور برے کاموں پر پھر کاربند ہو جائیں۔ جب انہوں نے ہم پر جبر و قہر' ظلم و ستم کی حد کر دی تو اے بادشاہ ہم اپنا ملک چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور آپ کے ملک میں آ گئے۔ دوسرے بادشاہوں کو چھوڑ کر ہم نے آپ کو پسند کیا اور آپ کی پناہ کو ترجیح دی۔ ہم امید کرتے ہیں کہ آپ کے زیر سایہ ہم کو ستایا نہ جائے گا۔

نجاشی شاہ حبشہ نے کہا جو کتاب اللہ تمہارے نبی پر نازل ہوئی ہے کیا اس کا کچھ حصہ تمہیں یاد ہے۔ حضرت جعفرؓ نے کہا: ہاں۔ نجاشی نے کہا: پھر مجھے پڑھ کر سناؤ۔ حضرت جعفرؓ نے سورہ مریم کی ابتدائی آیتوں کی تلاوت کی۔ آپ تلاوت کر رہے ہیں ادھر نجاشی' علماء اور درباریوں پر رقت طاری ہو جاتی ہے۔ آنسوؤں کے قطرے آنکھوں سے ٹپک رہے ہیں۔ جب تلاوت کر چکے تو نجاشی نے اپنے آپ پر قابو پا کر کہا: یہ کلام اور وہ کلام جو عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے یہ ایک شمع کی شعائیں ہیں اور ایک ہی چشمہ کی موجیں۔

نجاشی نے دونوں سفیروں کو مخاطب کر کے کہا: آپ یہاں سے چلے جائیں میں ان لوگوں کو آپ کے حوالے کرنے کو تیار نہیں ہوں۔ جب دونوں دربار سے نکلنے لگے تو عمرو بن العاص نے ساتھی سے کہا کہ کل میں ایسی چال چلوں گا جو ان کی جڑیں اکھیڑ کر رکھ دے۔ دوسرے دن بادشاہ تخت پر بیٹھا تو عمرو بن العاص نے آگے بڑھ کر عرض کی: جہاں پناہ یہ لوگ عیسیٰ بن مریم کے حق میں بڑی نازیبا باتیں کرتے ہیں۔ آپ انہیں بلا کر پوچھئے آپ کو ان کے عقیدہ کا پتہ چل جائے گا۔

بادشاہ نے مسلمانوں کو پھر بلا بھیجا۔ اب انہیں تھوڑا سا فکر لاحق ہوا۔ بہر حال مشورہ کیا کہ اگر اس نے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق سوال کیا۔ تو بخدا ہم وہی جواب دیں جو اللہ کا فرمان ہے اور جو ہمارے نبی کریمؐ نے ہمیں بتایا ہے۔ خواہ کچھ بھی ہو جائے۔ یہ طے کر کے مہاجرین دربار میں پہنچے تو بادشاہ نے انہیں یہ سوال پوچھا:

"عیسیٰؑ ابن مریم کے متعلق تم کیا کہتے ہو"۔

مہاجرین کے خطیب حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کھڑے ہوئے اور بڑی دلیری اور جرأت سے کہا: ہم وہی کہتے ہیں جو ہمارے نبی کریمؐ نے ان کے بارے میں بتایا ہے۔ آپ اللہ کے بندے اللہ کے رسول۔ اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ نے کنواری اور عبادت گزار مریم کے اندر ڈالا۔

نجاشی نے یہ جواب سن کر اپنا ہاتھ زمین پر مارا اور ایک تنکا اٹھا لیا اور کہا:

"کہ بخدا جو تم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا ہے وہ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں"۔

پھر مسلمانوں کو کہا کہ تم جاؤ اور میرے ملک میں آرام سے رہو جس نے تمہارے ساتھ بدکلامی کی میں اس پر تاوان لگاؤں گا۔ بادشاہ نے درباریوں کو کہا۔ ان مکہ والوں کو ان کے تحائف واپس کر دو۔ میرے خدا نے جب یہ ملک مجھ کو دیا تھا تو مجھ سے رشوت نہیں لی تھی۔ اس طرح یہ سفیر ناکام اور نامراد واپس اپنے وطن لوٹ گئے۔

امام بیہقی نے لکھا ہے جس زمانے میں حضور علیہ السلام نے نجاشی کو گرامی نامہ لکھا اس کو

اسلام کی دعوت دی۔ نجاشی کے بخت بیدار ہو گئے اس نے دعوت اسلام قبول کر لی اور مشرف با سلام ہوا اور جب نجاشی نے وفات پائی تو حضور علیہ السلام نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور دعائے مغفرت فرمائی۔

شعب ابی طالب

کفار مکہ کو یک گونہ اطمینان تھا اور اس خوش فہمی میں تھے کہ وہ اپنے وحشیانہ جبر و تشدد سے اسلام کی اس چھوٹی سی تحریک کو موت کی نیند سلا دیں گے اور گنتی کے چند آدمی نئے دین سے دل برداشتہ ہو کر اپنے پرانے معبودوں کی ہی پرستش کرنے لگیں گے لیکن کفار کی تمام مساعی اور کاوش کے باوجود اسلام کے شیدائیوں میں روز افزوں اضافہ ہوتا گیا۔ جس کسی نے حضور علیہ السلام کی غلامی کا پٹہ پہن لیا اس نے مرنا تو قبول کر لیا مگر کفار کے پاس لوٹ کر نہ آیا۔ یہاں تک کہ جو بے آسرا اہل ایمان ان کے مظالم سے تنگ آ کر ہجرت کر گئے انہیں دین اسلام سے مرتد کرنا تو کجا۔ واپس بھی نہ لایا جا سکا۔ کفار مکہ کو صدمہ سب سے زیادہ حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کے ایمان لانے سے تھا۔ جس سے وہ اتنے حواس باختہ ہوئے کہ عقل و دانش کھو بیٹھے اور مصمم ارادہ کر لیا کہ اب حضور علیہ السلام کو ختم کیے بغیر چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ چنانچہ وہ سازشیں تیار کرنے لگے۔

حضرت ابو طالب کو پتہ چلا تو انہوں نے اپنے بھتیجے کے دفاع کے لیے قبیلہ بنو ہاشم کے افراد کو اس عہد پر آمادہ کیا کہ وہ حضورؐ کے دفاع کے لیے ان کا ساتھ دیں پھر بنو عبدالمطلب کے افراد کو تیار کر کے سب سے عہد لیا اور سب کو ہمراہ لے کر شعب ابو طالب میں منتقل ہو گئے اور حضور علیہ السلام کی سونے کی جگہ بدلتے رہتے۔ قریش کا پروگرام تھا کہ کسی غیر قریشی کے ہاتھ سے حضورؐ کو قتل کرا کر بعد میں خوں بہا ادا کرا دیا جائے۔ مگر قریش کی مرضی اس سازش سے کامیاب ہوتی نظر نہ آئی تو سب نے شعب ابو طالب میں رہنے والوں کا سوشل بائیکاٹ کر دیا۔ نہ کسی کو ان سے ملنے دیا جائے نہ خرید و فروخت کی جائے حتیٰ کہ کسی کی موت کے وقت بھی شامل نہ ہوں۔ اس سکیم سے قریش کے خیال میں آخر تنگ آ کر یہ لوگ حضورؐ کو ان کے حوالے کر دیں گے اس سکیم کو ایک تحریری معاہدے کی صورت میں تیار کیا جس پر سب نے اپنے دستخط ثبت کر دیئے۔ اس معاہدہ کی رو سے مکہ کے تمام بازار اور دوکانیں ان کے لیے بند قرار دی گئیں اور سختی سے پابندی کرائی جانے لگی۔ اہل مکہ کا یہ سوشل بائیکاٹ پورے تین سال جاری رہا۔ ان ساری حفاظتوں کے باوجود کئی

نیک خو کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کو ضروری سامان بہم پہنچاتے رہے۔اس طویل محاصرہ سے بے پناہ تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔زندگی کی سانس برقرار رکھنے کے لیے درختوں کے پتے تک کھانے پڑے مگر کسی اہل ایمان نے ذرا سی بھی کمزوری نہ دکھائی۔

یہ محاصرہ نبوت کے ساتویں سال سے شروع ہوا اور دسویں سال اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب پیدا فرمائے کہ محاصرے کی دستاویز کو اہل مکہ نے خود چاک کر دیا اور حضور علیہ السلام اپنے ساتھیوں سمیت شعب ابوطالب سے باہر آ گئے اور محاصرے کے سے حالات ختم ہو گئے۔

اشاعت اسلام کی تازہ جدوجہد

اشاعت اسلام اور اس کی ترقی روکنے کے لیے کفار مکہ کا ہر منصوبہ ناکامی سے ہم کنار ہوتا رہا۔محاصرے کے طویل مدت کے بعد خاتمے سے اسلامی تحریک کی جدوجہد پھر سے پورے عزم کے ساتھ شروع ہو گئی جو محاصرے کے دوران بھی رک نہ سکی کیونکہ حج اور عمرہ پر آنے والے لوگ اور تجارتی قافلہ میں شامل لوگ کفار کے روکنے کے باوجود اسلامی تحریک کے متعلق حالات سے واقفیت حاصل کرتے اور باوجود سخت تکالیف کے اہل ایمان کی استقامت کی داستانیں ان کے لیے حیران کن تھیں۔

کوئی معروف شخصیت باہر سے مکہ آتی تو اہل مکہ کوشش کرتے کہ وہ حضورؐ سے ملنے نہ پائے۔اسی طرح کا واقعہ طفیل بن عمرو دوسی کے ساتھ پیش آیا:۔

طفیل قبیلہ دوس کا سردار تھا اور خوبی طبع کی وجہ سے اپنی قوم میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا۔وہ عقل مند اور معاملہ فہم ہونے کے ساتھ ساتھ قادرالکلام اور شاعر بھی تھا۔قریش کو اس کی مکہ میں آمد کا علم ہوا تو قریش نے پروگرام بنا کر اسے حضورؐ سے دور رکھنے کے لیے بڑی تدابیر اختیار کیں کہ وہ حضورؐ سے مل کر کوئی گفتگو نہ کر سکے۔لیکن طفیل کہتے ہیں کہ بار بار کی تائید سے میں آمادہ ہو گیا کہ حضورؐ سے ملوں۔طفیل دوسی کہتے ہیں:۔

میں حرم شریف گیا تو حضورؐ کو ایک طرف نماز پڑھتے دیکھا۔باوجود خواہش نہ ہونے کے خدا کی مرضی تھی کہ آپ کی قرأت کی آواز میرے کانوں نے سنی۔جو مجھے بہت پسند آئی۔ آپؐ نماز ختم کر کے گھر جانے لگے تو میں بھی آپؐ کے پیچھے چلنے لگا۔

حضورؐ گھر داخل ہونے لگے تو میں بھی پہنچ گیا اور عرض کی: آپ کی قوم نے مجھے باتیں بتائیں اور ڈراتے رہے آج حرم شریف میں آپ کی آواز کانوں میں پڑی۔ میں اب حاضر ہوا ہوں کہ آپ اپنی دعوت کے بارے میں خود بتائیں۔ طفیل کہتے ہیں نبی مکرمؐ نے مجھے اسلام کے متعلق بتایا۔ قرآن پڑھ کر سنایا۔ ایسا دلکش کلام میں نے آج تک سنا نہیں تھا۔ میرے دل نے اس دعوت کی عظمت اور سچائی کے سامنے سر تسلیم ختم کر دیا۔ اسی وقت اسلام کی بیعت کی' کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ میں نے حضورؐ کو بتایا کہ میں قبیلہ دوس کا سردار ہوں جا کر انہیں دعوت اسلام دوں گا میرے لیے دعا فرمائیں آپؐ نے دعا دی۔

چنانچہ میں نعمت ایمان سے مالا مال ہو کر مکہ سے روانہ ہو گیا اور اپنے گھر جا کر پہلے والدین کو بتایا' وہ ایمان لے آئے پھر بیوی مسلمان ہو گئی۔ گھر سے فارغ ہو کر قبیلہ دوس کو دعوت اسلام دینی شروع کی۔ حضور علیہ السلام کی دعا اور اللہ کی مدد سے میرا قبیلہ اسلام لے آیا۔ جو ستر اسی گھرانوں پر مشتمل تھا۔

عام الحزن

نبوت کے دسویں سال آپؐ کے مشفق و مہربان چچا ابو طالب داغ مفارقت دے کر عالم جاوداں کو سدھارے۔ اس صدمہ پر ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے بھی پیغام اجل کو لبیک کہا اور فردوس بریں میں جا کر فروکش ہو گئیں۔ یہ دو اندوہناک صدمے تھے اس لیے اس سال کو عام الحزن (غم واندوہ کا سال) کے نام سے موسوم کیا گیا۔

کفار مکہ کا انسانیت سوز رویہ

کفار ابو طالب کی موجودگی میں سرکار دو عالمؐ کی ذات اقدس پر دست درازی شاذ و نادر ہی کیا کرتے۔ اب ان کی وفات کے بعد وہ بند بھی ٹوٹ گیا اور ان بدنصیبوں نے حضور علیہ السلام کی ذات پر مظالم کی حد کر دی۔ جب کہ آپؐ ان کے دو جہاں سنوارنے کی کوشش فرماتے۔ لیکن یہ بدنصیب حضور علیہ السلام کو ستانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے گویا ان لوگوں نے تہیہ کر رکھا تھا کہ وہ کسی بھی طور حضورؐ کی بات نہ سنیں گے اور نہ مانیں گے۔

سفر طائف

حضور علیہ السلام نے جب ملاحظہ فرمایا کہ مکہ میں فی الحال ایسے حالات میں تبلیغی کام

کرنا محال ہو گیا ہے تو اس لیے مکہ سے باہر نئے محاذ کی تلاش کر دی۔ چنانچہ مکہ سے ایک سو بیس میل دور طائف کا شہر جو اس زمانہ میں بڑا خوشحال اور آباد تھا منتخب کر کے حضور علیہ السلام نے اس کی طرف رخ فرمایا۔ قبیلہ بنو ثقیف جو طائف میں آباد تھا سے حضور علیہ السلام کی کچھ رشتہ داری بھی تھی! حضور تن تنہا طائف پہنچے اور رابطہ مہم شروع فرمائی۔ تمام قابل ذکر افراد کے پاس تشریف لے جاتے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے کی دعوت دیتے۔ دین اسلام کے بنیادی عقائد اور تعلیمات سے آگاہ فرماتے۔ گھر گھر جا کر دعوت اسلام کا یہ سلسلہ ایک ماہ تک جاری رہا مگر کسی فرد کو دعوت اسلام قبول کرنے کی توفیق نہ ہوئی۔

آخر کار طائف کے تین چوٹی کے سرداروں کے پاس گئے جو سگے بھائی بھی تھے ان سے اسلام کی خوبیاں بیان کیں اور بڑی دل سوزی سے ایمان لانے کی ترغیب دی۔ مگر انہوں نے ایسی بد اخلاقی اور سفلہ مزاجی کا مظاہرہ کیا جس سے حضور علیہ السلام کو سخت صدمہ ہوا۔ انہوں نے تحکمانہ لہجہ میں یہ تک کہا کہ فوراً اس شہر سے نکل جائیں۔ ساتھ ہی اوباشوں کے ایک گروہ کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا جو آوازے کستے، مذاق اڑاتے اور دشنام طرازی کرتے اور حضورؐ کے پاؤں کو اپنے پتھروں کا نشانہ بناتے۔ جس سے آپؐ کے قدم مبارک لہولہان ہو گئے۔ آپؐ کے غلام زیدؓ بن حارثہ آپؐ اور پتھروں کے درمیان آتے وہ بھی زخمی ہو گئے۔ ساتھ کے ایک باغ میں بیٹھ گئے اور دو نفل عبادت کے لیے ادا فرمائے اور بارگاہ رب العزت میں یوں عرض کی:۔

> ''اے اللہ میں اپنی طاقت کی ناتوانی، قوت عمل میں کمی، لوگوں کی نگاہوں میں اپنی بے بسی کا شکوہ تیری بارگاہ میں کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین تو کمزوروں کا رب ہے۔ میرا بھی رب ہے۔ تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے۔ ایسے بعید کے حوالے جو ترش روئی سے میرے ساتھ پیش آتا ہے۔ کیا کسی دشمن کو تو نے میری قسمت کا مالک بنا دیا ہے۔ اگر تو مجھ پر ناراض نہ ہو تو مجھے ان تکلیفوں کی ذرا پرواہ نہیں۔ پھر بھی تیری طرف سے عافیت اور سلامتی میرے لیے زیادہ دلکشا ہے۔ میں پناہ مانگتا ہوں تیری ذات کے نور کے ساتھ۔ جس سے تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں اور دنیا و آخرت کے کام سنور جاتے ہیں کہ تو نازل کرے اپنا غضب مجھ پر اور تو اتار

مجھ پر اپنی ناراضی' میں تیری رضا طلب کرتا رہوں گا یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے۔ تیری ذات کے بغیر نہ میرے پاس کوئی طاقت ہے نہ قوت''۔

حضور علیہ السلام جس باغ میں تشریف فرما ہوئے وہ بھی مکہ کے ایک رئیس ربیعہ کا تھا جو حضورؐ کا سخت مخالف تھا۔ اس وقت اس کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ باغ میں موجود تھے۔ اور حضورؐ کے ساتھ اوباشوں کا سلوک دیکھ رہے تھے ان کا دل پسیج گیا اور اپنے غلام عداس کو کہا کہ انگور کے گچھے طشتری میں رکھ کر اس نووارد کے پاس لے جا کر کھانے کو پیش کرو۔ عداس نے ایسے ہی کیا۔ سرکار دو عالمؐ نے کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھی۔ عداس نے آپؐ کو غور سے دیکھا اور کہا: یہ کلام ان بستیوں کے لوگ تو نہیں پڑھتے۔

حضور علیہ السلام نے اسے پوچھا: تم کہاں کے رہنے والے ہو۔ تمہارا دین کیا ہے۔ عداس نے جواب دیا کہ وہ نصرانی ہے اور نینوئی کا رہنے والا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: وہ نینوئی جو مرد صالح یونس بن متی کا شہر ہے۔ عداس حیران ہو کر بولا: آپ یونس بن متی کو کیسے جانتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا: وہ میرے بھائی ہیں وہ نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔

عداس اٹھا اور پہلے آپؐ کے سر مبارک کو بوسہ دیا۔ ہاتھوں کو چوما' پھر پاؤں مبارک چومنے لگا۔ عتبہ اور شیبہ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کو کہنے لگے' ہمارے غلام کو اس نے خراب کر دیا ہے۔ جب عداس واپس آیا تو اسے جھڑکا۔ عداس نے کہا: میرے مالکو ساری روئے زمین پر اس سے بہتر کوئی آدمی نہیں۔ اس نے مجھے ایسی بات بتائی ہے جسے نبی کے بغیر کوئی نہیں بتا سکتا۔

روایت ہے کہ ملائکہ حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ حکم ہو تو اہل طائف کو پہاڑوں کے درمیان پیس کر رکھ دیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا:۔

''میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسی اولاد پیدا کرے گا۔ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گی اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائے گی''۔

طائف سے واپسی

محبوب رب العالمینؐ طائف سے واپس روانہ ہوئے۔ رات نخلہ کے مقام پر بسر کی۔ صبح ہوئی' حضور علیہ السلام اور زید بن حارثہ نے نماز فجر پڑھنی شروع کی۔ حضور علیہ السلام کلام اللہ

بلند آواز سے تلاوت فرمار ہے تھے کہ جنوں کی ایک جماعت کا وہاں سے گزر ہوا آپؐ کی دلنواز تلاوت سنی تو رک گئے اور تلاوت پورے غور سے سنی۔ پھر اپنی قوم میں جا کر کہا: آج ہم نے ایسا کلام سنا ہے جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور صراط مستقیم پر چلنے کی دعوت دیتا ہے۔ اے ہماری قوم ہم تو اس پر ایمان لے آئے تم بھی ایمان لے آؤ اور اس دعوت کو قبول کر لو۔ اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے سورہ الاحقاف میں بیان فرمایا ہے:۔

حضور علیہ السلام مکہ داخل ہوئے تو مطعم بن عدی نے آپ کے دفاع کی ذمہ داری قبول کی اور اس کے سات بیٹوں نے اپنے پہرے میں آپؐ کو طواف کرایا۔ اس پر ابوجہل اور ابو سفیان کو شبہ گزرا کہ مطعم مسلمان ہو گئے ہیں۔ جب معطم نے انہیں بتایا کہ وہ صرف ان کا دفاع کر رہے ہیں تو وہ دونوں مطمئن ہو کر چلے گئے۔!

مکہ کے علاوہ اردگرد کے قبائل میں تبلیغی سرگرمیاں شروع کر دی گئیں حضور علیہ السلام اپنے چند اصحاب کے ساتھ مختلف قبائل میں تشریف لے جاتے اور انہیں دعوت اسلام سے روشناس کراتے۔ کیونکہ حج کے موقع پر اکثر قبائل وہاں آتے تو حضور علیہ السلام تبلیغی سرگرمیاں تیز فرما دیتے۔

بنی شیبان بن تعلبہ

یہ بڑا قبیلہ تھا۔ حضور علیہ السلام حضرت ابوبکرؓ اور علیؓ کو ساتھ لے کر ان کی طرف نکلے۔ حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں۔ ہم اس قبیلہ کی مجلس میں آئے۔ مجلس میں سکون اور ان کے چہروں پر وقار تھا۔ آپ کے استفسار پر انہوں نے بتایا کہ وہ قبیلہ شیبان بن تعلبہ سے تعلق رکھتے ہیں جو ایک ہزار سے زائد نفوس پر مشتمل ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے حضورؐ سے انہیں دعوت اسلام دینے کی درخواست کی۔ اس مجلس میں قبیلہ کے سردار بیٹھے تھے آپؐ نے دعوت اسلام دی۔ مکارم اخلاق کی تبلیغ کی' اچھے کاموں کو کرنے اور برے کاموں سے رکنے کی ترغیب دی۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے اور اسے لاشریک ماننے کیلئے پند و نصائح فرمائے اور کہا کہ دین اللہ کو پھیلانے کیلئے میری مدد کرو۔ مجلس میں دوسرے سرداروں نے بھی مذاکرات میں حصہ لیا اور اقرار کیا کہ آپؐ کی دعوت تو ہم کو پسند آئی ہے اور جو کلام آپ نے پڑھا ہے وہ بھی کسی انسان کا نہیں لگتا۔ مگر انہوں نے وعدہ کیا کہ اپنے قبیلہ میں جا کر یہ دعوت ان کے سامنے رکھیں گے پھر جو

مشورے سے بات طے ہو بہتر ہوگی۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس قبیلے کی ایک ایرانی فوجی کیمپ سے جنگ ہوئی تو ان لوگوں نے حضورؐ کے اسم مبارک کو جنگ کا نعرہ بنایا۔ اللہ نے انہیں فتح دی تو یہ سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

تجارتی منڈیوں میں دعوت اسلام

سارے جزیرۃ العرب میں گنتی کے چند شہر تھے جن میں مکہ اور طائف ہی مشہور تھے باقی ساری آبادی وسیع صحراؤں میں بکھری ہوئی تھی۔ نیز قبائلی عصبیتوں کی وجہ سے رستے پر امن نہ تھے۔ اس لیے تجارتی منڈیاں قبائل کے سب سرداروں کے مشورہ سے لگائی جاتیں تاکہ راستے پر امن رہیں۔ ایسے طے شدہ مقامات پر جب منڈی لگتی تو حضورؐ تبلیغ حق کے لیے پہنچ جاتے سب سے بڑی منڈی عکاظ کے مقام پر لگتی وہاں پہنچ کر حضور کلام اللہ لوگوں کو سناتے اور دعوت اسلام دیتے۔ حضور علیہ السلام دور دراز سے آنے والے افراد اور قبیلوں کے رؤساء سے ملتے اور اسلام کا پیغام پہنچاتے۔

معجزہ شق القمر

صبر آزما جدوجہد اور مصائب و آلام کے طوفانوں میں جس ثابت قدمی سے حضور علیہ السلام نے فرائض نبوت ادا کیے وہ کوئی معمولی حالات نہ تھے۔ کفار مکہ نے تو آنکھوں پر تعصب کی پٹیاں باندھ رکھی تھیں۔ ایک روز مشرک اکٹھے ہو کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے اگر آپ سچے ہیں تو چاند کو دو ٹکڑے کر دکھائیں آپؐ نے کہا: اگر میں ایسا کر دوں تو ایمان لے آؤ گے۔ وہ بولے ضرور۔ اس رات چاند کی چودھویں تاریخ تھی۔ اللہ کے رسولؐ نے اپنے رب سے عرض کی کہ کفار کے مطالبہ کو پورا کرنے کی قوت دی جائے۔ چنانچہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ حضورؐ نے مشرکین کو ناموں سے پکار پکار کر کہا: اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔ تمہاری فرمائش پوری ہو گئی۔

کفار نے ایمان لانے کی بجائے کہا: ''یہ ابی کبشہ کے بیٹے کی نظر بندی کا اثر ہے اس نے تمہاری آنکھوں پر جادو کر دیا ہے۔ جب قافلے باہر سے آئیں گے تو اس جادو کی حقیقت کھل جائے گی۔'' جب قافلے مکہ آئے تو ان سے چاند شق ہونے کی بابت دریافت کیا گیا تو سب نے تصدیق کر دی مگر اہل مکہ کو پھر بھی ایمان لانے کی توفیق نہ ہوئی۔

معراج النبیؐ

حضور علیہ السلام کی اپنے رب سے براہ راست ملاقات کا واقعہ ہجرت مدینہ سے سال ڈیڑھ سال قبل ظہور پذیر ہوا۔ دعوت اسلام کے شروع سے ہی اپنے بیگانے سب یکجاں ہو کر سامنے کھڑے ہو گئے اور قدم قدم پر تبلیغ دین میں رکاوٹ بنے۔ پھر مقاطعہ اور محاصرہ کے تین سال شدید تکلیف میں کٹے یہاں تک کہ کچھ مسلمانوں کو اپنے گھر بار چھوڑ کر ہجرت کرنی پڑی حضور علیہ السلام نے بڑی جواں مردی اور سمجھ سے فرائض نبوت ادا کیے۔ اب کفار ذہنی اور جسمانی اذیتیں پہنچانے پر اتر آئے۔ کفار کے جور و ستم آپؐ کے چچا ابو طالب اور زوجہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد اور زیادہ ہو گئے۔ آپؐ نے تبلیغ حق کا محاذ بدل لیا اور بیرون مکہ شہروں میں نکلے تو طائف کا راستہ لیا' وہاں جن تکالیف کا سامنا ہوا' الامان والحفیظ۔ آنسوؤں کے ساتھ اپنے رب کی مدد اور لوگوں کی ہدایت کے لیے دعائیں کیں۔ ایسے حالات میں طائف سے پھر مکہ تشریف لائے اور قبائل میں گھر گھر جا کر پیغام حق پہنچایا مگر دشمنان اسلام کی مخالفانہ سرگرمیاں ہر دم اور ہر موقعہ پر ساتھ رہیں۔ ایسے حالات میں بڑے بڑے دم توڑ دیتے ہیں مگر حضور علیہ السلام ان پریشان کن حالات میں بھی فرائض ادا کرتے رہے مگر سنگینی حالات سے بہت غمزدہ اور رنجیدہ خاطر رہنے لگے۔

اللہ رب العزت جو ہر چھپی چیز کو بھی جاننے والا ہے۔ کس طرح گوارا کر سکتا تھا کہ اس کا حبیب ایسے سنگین لمحات میں گھر جائے اور دل محبوب رنجیدہ خاطر ہو۔ لہٰذا جبرائیل امین کو حکم دیا کہ میرے محبوب کو میرے پاس لایا جائے۔ اس قرب خاص کے لیے تو کوئی اسلوب بیان نہیں کیا جا سکتا۔ حبیب خدا کے علو مرتبت کے اظہار کے لیے اور ملاقات سے مشرف کرنے کے لیے رات کو سفر معراج کا اہتمام فرمایا اور حضور علیہ السلام رحمت اللعالمین اور خاتم النبیینؐ نے یہ سفر جسم اور روح دونوں کے ساتھ طے کیا۔

اس سفر مبارک کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے پہلا حصہ حرم مکہ سے بیت المقدس تک اور دوسرا حصہ بیت المقدس سے سدرۃ المنتہیٰ اور ماوراء تک۔ اس ماوراء کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے یا اس کا رسولؐ۔ پہلے حصے کے سفر کا ذکر سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت مبارک میں کیا گیا ہے جو 'اسرا' کے نام سے مذکور ہے۔ قرآن حکیم اور احادیث کی روشنی میں ان دونوں حصوں کی روئداد

علیحدہ علیحدہ ناظرین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:

اسراء

معراج

حضور علیہ السلام ایک رات خانہ کعبہ کے پاس حطیم میں آرام فرما رہے تھے کہ جبرائیل تشریف لائے۔ حضور علیہ السلام کو بیدار کیا اور ارادۂ خداوندی سے آگاہ کیا۔ آپؐ کو چاہ زمزم پر لا کر سینہ مبارک چاک کر کے حکم الٰہی سے جو کرنا تھا کیا اور سینہ مبارک پھر درست کر دیا! سفر کی تیاری کا یہ پہلا مرحلہ تھا۔ آپؐ جبرائیل کے ساتھ حرم سے باہر تشریف لائے آپ کو سواری کا ایک جانور پیش کیا گیا۔ آپؐ اس پر سوار ہوئے اس کی رفتار کا یہ عالم تھا کہ اس کا قدم کہاں پڑتا ہے نگاہ کے لیے احاطہ کرنا ممکن نہ تھا۔ اس جانور کو براق کے نام سے پکارا گیا ہے۔ حضورؐ بیت المقدس پہنچے۔ براق کو حلقہ سے باندھا گیا اور خود مسجد اقصیٰ تشریف لائے۔ وہاں جملہ انبیاء سابقین چشم براہ تھے۔ سب نے حضور علیہ السلام کی قیادت میں نماز ادا کی۔ اس طرح ارواح انبیاء سے روز ازل جو عہد لیا گیا تھا (کہ تم میرے محبوب پر ضرور ایمان لانا) پورا ہوا۔

دوسرا سفر سدرۃ المنتہیٰ

رب ذوالجلال سے ملاقات کے لیے مرکب ہمایوں افلاک کی بلندیوں کی طرف پر کشا ہوا۔ مختلف طبقات آسمانی پر مختلف انبیاء سے ملاقاتیں ہوئیں۔ پہلے آسمان پر ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام سے اور ساتویں آسمان پر ابوالانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے ملاقات ہوئی۔ جنت کی سیر کرائی گئی، دوزخ میں مختلف طبقات کو جو سزائیں مل رہی تھیں، ملاحظہ کرائی گئیں۔

پھر مزید چڑھنا شروع ہوئے یہاں تک کہ آپؐ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ گئے۔ جو رب العزت اور عالم خلق کے درمیان حد فاصل ہے۔ اس مقام پر تمام مخلوقات کا علم ختم ہو جاتا ہے۔ سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ عطاء فرما دے۔ جنت اسی مقام کے قریب بتائی گئی ہے جو آپؐ کو دکھائی گئی۔ سدرۃ المنتہیٰ پہنچ کر جبریل رک گئے چونکہ اس مقام سے آگے جانا ان کے بس میں نہ تھا۔ چنانچہ سدرۃ المنتہیٰ سے آگے کا سفر حضور علیہ السلام نے اکیلے طے فرمایا۔ حضور علیہ السلام مزید بلند ہوتے گئے یہاں تک کہ بارگاہ ذوالجلال سامنے تھی ہمکلامی کا شرف بخشا گیا اور قرب خداوندی کا یہ عالم تھا، فرمایا:

"پھر وہ قریب ہوا اور قریب ہوا یہاں تک کہ صرف دو کمانوں کے برابر

بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا''

محبوب اور محب کے درمیان کیا گفتگو ہوئی یہ ہم سب کی عقل کی رسائی سے باہر ہے۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ جیسے میزبان نے خود فرمایا:۔

''پس وحی کی اللہ نے اپنے محبوب بندے پر جو وحی کی''

یعنی شاہد مستور ازلی نے پردہ اٹھا کر خلوت گاہ راز و نیاز کے وہ پیغام عطاء فرمائے جن کی لطافت اور نزاکت الفاظ میں نہیں سمجھی جا سکتی۔ اس گوشہ خلوت میں دیگر انعامات کے علاوہ پچاس نمازیں ادا کرنے کا تحفہ بھی ملا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عرضداشت پر حضور علیہ السلام بار بار بارگاہ رب العزت میں تخفیف کے لیے حاضر ہوتے رہے یہاں تک کہ پانچ نمازیں ادا کرنے کا حکم رہ گیا اور ثواب پچاس نمازوں کا ہی رہا۔ رب کائنات سے ملاقات کے بعد محبوب خدا مراجعت فرمائے ارض ہوئے۔ ابھی یہاں رات کا ہی سماں تھا۔ ہر سو تاریکی پھیلی تھی۔ سپیدہ سحر کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔

واقعہ معراج انتہائی اختصار سے بیان کر دیا گیا حالانکہ یہ مسافت بڑی طویل ہے۔ اس سفر میں پیش آنے والا ہر واقعہ بلاشبہ عجیب و غریب ہے۔ ایمان سے خالی دل والوں نے اس کے خلاف طوفان کھڑا کر دیا۔ کمزور ایمان والے بھی ڈگمگانے لگے جبکہ وہ لوگ جن کے دلوں میں یقین کے چراغ روشن تھے انہیں کوئی تذبذب اور پریشانی نہ ہوئی جب حضرت ابوبکرؓ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے بلا جھجک کہا کہ اگر میرے آقا یہ کہتے ہیں تو اس میں شبہ کی گنجائش نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ قادر و کریم ہے ہر عیب سے پاک ہے جو چاہے کر سکتا ہے پھر اس واقعہ کی خبر دینے والا اتنا سچا ہے جس کی صداقت ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔

نمازوں کی فرضیت

امت مسلمہ کے لیے رات دن میں پانچ نمازیں ادا کرنا اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام سے ملاقات میں فرض طے فرما دیا۔ اب ان کے اوقات اور کیفیت نماز کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم سے دو دن حضرت جبریل تشریف لاتے رہے اور حضور علیہ السلام کی امامت میں پانچوں نمازوں کے اوقات ہر نماز کی رکعتیں اور طریقہ ادائیگی عملی طور پر آگاہی کر دی اس طرح مومنین کو پانچ وقت صاف ستھرا ہو کر رب کائنات کے دربار میں حاضری کا موقع عطاء کیا گیا اور بے بہا نعمتوں

سے نوازا گیا۔

اسلام اور انصار

حضور علیہ السلام کے معراج کے واقعہ سے درد وغم اور رنج والم کی تاریک رات اب سحر آشناء ہونے والی ہے۔ اسلام کے ماننے والے بیکس کمزور اہل ایمان کی بے بسی کی عظمت کا پرچم اب اس شان لہرایا جائے کہ کوئی آندھی اور کوئی طوفان اس کو سرنگوں نہ کر سکے۔

نبوت کا گیارہواں سال ہے۔ موسم حج قریب آ گیا ہے لوگ جزیرۂ عرب کے دور و نزدیک کے علاقوں سے فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے مکہ پہنچ رہے ہیں۔ دین فطرت' دین اسلام اور ساری کائنات کے اللہ رب العالمین کی وحدانیت کی تبلیغ اور دعوت کا پیغام لے کر ہر قبیلہ کی قیام گاہ پر تشریف لے جانا شروع فرما دیتے ہیں۔ لیکن وہی سرد مہری اور بے رخی ہے جس کا مظاہرہ یہ لوگ کئی سالوں سے کرتے چلے آ رہے ہیں۔ لیکن اس دفعہ ایک دن ایسا ہوا کہ حضور علیہ السلام عقبہ کے پاس پہنچے تو وہاں بنی خزرج کے ایک گروہ سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ حضور علیہ السلام نے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو۔ انہوں نے جواب دیا: ہم قبیلہ خزرج کے چند فرد ہیں۔ آپؐ نے پھر فرمایا: کیا تم وہ لوگ ہو جن کی یہود سے دوستی ہے۔ جواب ملا: ہاں۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: ذرا بیٹھ نہیں جاتے ہو تا کہ کچھ گفتگو کر لیں۔ انہوں نے کہا: بسر و چشم۔

پس وہ لوگ حضورؐ کے ساتھ بیٹھ گئے تو آپؐ نے انہیں اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے کی دعوت دی اور اسلام کی بنیادی تعلیمات سے آگاہ کیا اور چند آیات قرآنی کی تلاوت فرمائی۔ یہ لوگ بت پرست تھے اور علمائے یہود سے اکثر ان کے مذاکرات ہوتے تھے' آخر علمائے یہود انہیں یہ کہہ کر ڈراتے تھے کہ عنقریب ایک نبی آنے والے ہیں اور وہ اُن پر ایمان لا کر تم کو قتل کریں گے۔ اس لیے خزرج کے لوگ آنے والے نبی سے پہلے ہی متعارف تھے۔ جب حضورؐ نے انہیں دعوت دی تو یہ لوگ آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ یہ وہی نبی معلوم ہوتا ہے جس کی آمد کی دھمکیاں یہود آئے روز انہیں دیتے رہتے ہیں۔ اس لیے مناسب ہے ہم یہود سے قبل ان پر ایمان لے آئیں۔ چنانچہ مشورہ کرنے کے بعد سب حضور علیہ السلام کی دعوت قبول کر کے آپؐ پر ایمان لے آئے۔

قبیلہ خزرج کے لوگوں نے عرض کی: یا رسول اللہؐ ہماری قوم میں عداوت کے شعلے

بھڑک رہے ہیں جس نے ہمیں پارہ پارہ کر دیا ہے ہم ان کو حضورؐ کا پیغام پہنچائیں گے۔ اگر وہ سب ایمان لے آئے تو ہمارے ہاں آپ سے زیادہ محترم و معزز کوئی نہ ہوگا۔ انہوں نے آئندہ سال پھر باریابی کا شرف حاصل کرنے کا وعدہ کیا اور دلوں کو نور ایمان سے روشن کر کے واپس لوٹ گئے۔

یثرب کے اوس و خزرج

حضور علیہ السلام کی یثرب (مدینہ طیبہ) ہجرت سے قبل زمانہ قدیم سے یہود کے قبائلی اور بنو اوس و خزرج کے قبیلے آباد تھے مگر یثرب کے معاشی وسائل پر یہود کا قبضہ تھا بلکہ اوس و خزرج نے بھی وادی میں مختلف مقامات پر اپنی بستیاں آباد کر لیں۔ یہود بھی اپنے تاریخی ورثہ کی شہادت پر یثرب میں آ کر اس لیے آباد ہوئے کہ یہ جگہ اللہ کے آخری نبی کا دار الہجرت ہے۔

اوس و خزرج جن کے نام پر یہ قبیلے جانے پہچانے جاتے تھے وہ دو سگے بھائیوں اوس و خزرج بن حارثہ کے ناموں سے ہی ملقب ہوئے۔ خزرج کے پانچ بیٹوں سے یہ قبیلہ پھلا پھولا جبکہ اوس کے ایک بیٹے مالک سے اس قبیلہ نے بہت ترقی کی۔ اوس نے اپنے بیٹے مالک کو جو پند و نصائح کیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قبیلہ کے اولین اللہ پر ایمان رکھتے تھے اور آخری نبیؐ کے آنے کے منتظر تھے۔ اس کے ایک دو شعروں کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

۱۔ اے بیٹے موت قبول کر لینا لیکن دنائیت اور کمینگی قبول نہ کرنا۔

۲۔ ہمارا ایک پروردگار ہے جو اپنے عرش پر متمکن ہے۔
خیر و شر جو بھی ظاہر ہوتی ہے وہ اسے جانتا ہے۔

۳۔ کیا میری قوم کو اس کا علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ایک دعوت ہے جس کو قبول کر کے سعادت مند اور صالح لوگ کامیابی اور کامرانی حاصل کریں گے۔

۴۔ جب غالب کے خاندان سے ایک نبی مبعوث کیا جائے گا جو مکہ میں زمزم اور حطیم کے درمیان ظاہر ہوگا۔ اس وقت اپنے شہروں میں تم اس کی نصرت کی کوشش کرنا اور اے عامر کی اولاد اس کی نصرت میں ہی ساری سعادتوں کا راز مضمر ہے''۔

اوس و خزرج کی اولاد کی اکثریت تو یثرب میں اقامت گزیں ہوگئی۔ تاہم اس کی کچھ شاخیں دوسرے علاقوں میں جا کر خیمہ زن ہوگئیں۔ ان میں سے صرف یہی دونوں قبیلے انصار کے

معزز لقب سے ملقب ہوئے جو مدینہ طیبہ کے مکین بنے۔ مگر سال ہجرت سے پانچ سال قبل ان دونوں قبیلوں میں ایسی خونریز جنگ ہوئی جس میں طرفین کے سینکڑوں بہادر اور اہم شخصیات قتل ہو گئیں۔ بیعت اولیٰ عقبہ کے وقت خزرج کے لوگوں نے حضور علیہ السلام کی توجہ اس طرف دلائی تھی۔

زمانہ جاہلیت میں اہل عرب فریضہ حج کے لیے ماہ ذی الحجہ میں اور عمرہ ادا کرنے کے لیے ماہ رجب میں آتے۔ بیعت صخفیہ کرنے والے چھ افراد ماہ رجب میں عمرہ ادا کرنے آئے اور حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یثرب میں دین حنیف کی تبلیغی سرگرمیوں سے آپؐ کو مطلع کیا اور یہ بھی بتایا کہ دعوت اسلام کا چرچا گھر گھر پہنچ چکا ہے اور اب ان کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے۔

نبوت کے بارہویں سال حج کے دنوں انصار کے بارہ آدمی عازم مکہ ہوئے اور عقبہ کے مقام پر ہی حضورؐ سے شرف باریابی حاصل کیا اور حضور علیہ السلام سے بیعت کی۔ اسی روز جو بیعت ہوئی۔ اسے بیعت عقبہ الاولیٰ کہا جاتا ہے لیکن امام یوسف بن محمد صالحی نے اس بیعت کو بیعتہ العقبہ الثانیہ کہا ہے اور گذشتہ سال چھ افراد کی بیعت کو عقبہ اولیٰ لکھا ہے اور آئندہ سال ہونے والی بیعت کو بیعتہ العقبہ الثالثہ کہا ہے۔

ابن اسحاق فرماتے ہیں' جب یہ لوگ وطن واپس جانے لگے تو ہادی اسلامؐ نے مصعبؓ بن عمیر کو جو بنی ہاشم کے بڑے عظیم سپوت تھے ان لوگوں کے ہمراہ بھیجا اور حکم دیا کہ وہاں جا کر مسلمانوں کو قرآن پڑھائیں۔ دین اسلام کی تعلیم دیں اور دین کی سمجھ سے انہیں بہرہ مند کریں۔

یثرب پہنچ کر حضرت مصعبؓ بن عمیر نے سعد بن زرارہ کے ہاں رہائش اختیار کی اور یثرب میں مسلمانوں کی جماعت کے امام مقرر ہوئے آپ ہر نماز کی امامت کے فرائض ادا کرتے رہے آپ نے نہایت لگن اور تدبیر سے یثرب میں دعوت اسلام کو پہنچایا کہ ہر خاص و عام میں حضور علیہ السلام کا ذکر ہونے لگا۔ ایک آدھ واقعہ قارئین کی نظر کرنا از بس ضروری ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے تائید ایزدی سے یثرب میں اسلام کی بنیادیں کس طرح مضبوط کیں۔

ایک روز اسعد بن زرارہ حضرت مصعبؓ بن عمیر کو بستی ظفر کے باغیچہ لے آئے جو سعد بن معاذ کا تھا۔ اسے معلوم ہوا تو اس نے اسید بن حضیر کو بھیجا کہ وہ جا کر انہیں باہر نکال دے۔ خود

اس لیے نہ گیا کہ اسد بن زرارہ اس کا خالہ زاد تھا۔ اسید جب نزدیک آیا تو سعد نے مصعبؓ سے کہا: یہ آدمی جو آ رہا ہے۔ یہ اپنی قوم کا سردار ہے۔ اس کو بڑے احسن طریقہ سے تبلیغ کریں اگر یہ ایمان لے آیا تو اسلام کو بہت تقویت ملے گی آپ نے ارشاد فرمایا: اگر وہ بیٹھ گیا تو وہ ضرور گفتگو کریں گے۔

اسید نے وہاں پہنچ کر تیز وتند اور سخت زبان سے انہیں باغ سے نکل جانے کو کہا تا کہ کوئی خون خرابہ نہ ہو جائے۔ مصعبؓ نے کہا: بھائی ذرا بیٹھ جاؤ ہماری بات سن لو اگر پسند آئی تو قبول کر لینا اگر پسند نہ آئی تو ہم خاموش ہو جائیں گے اور چلے بھی جائیں گے۔ اسید نے کہا تم نے یہ بات انصاف کی کہی ہے۔ وہ اپنا نیزہ زمین میں گاڑ کر ان کے پاس بیٹھ گیا۔ حضرت مصعبؓ نے گفتگو کا آغاز کیا۔ اسلام کے بنیادی عقائد بیان کیے پھر قرآن مجید کی چند آیات تلاوت کیں۔ ابن زرارہ کہتے ہیں۔ پیشتر اس کے کہ اسید زبان سے کچھ کہے ہم نے ایمان کا نور اس کے چہرے پر محسوس کیا۔ پھر اسید نے پوچھا کہ اگر کوئی اس دین میں داخل ہونا چاہے تو اسے کیا کرنا چاہے۔ حضرت مصعبؓ نے کہا: پہلے وہ غسل کرے اپنے آپ کو پاک صاف کر کے پاک لباس پہنے تو پھر کلمہ شہادت پڑھے اور آخر میں کہا کہ دو رکعت نفل ادا کرے۔ یہ باتیں سن کر اسید اٹھا۔ غسل کر کے پاک لباس پہنا اور کلمہ شہادت پڑھ کر دین اسلام قبول کر لیا اور جاتے ہوئے کہا: میرے پیچھے ایک آدمی ہے میں اس کو یہاں بھیجتا ہوں اگر اس نے یہ دین قبول کیا تو اس قوم کا ہر فرد ایمان لے آئے گا۔

سعد بن معاذ مع اپنی قوم کے لوگوں کے اسید کا منتظر تھا۔ جب اس نے اسید کو آتے دیکھا تو کہنے لگا:

> ''میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اسید کا چہرہ بدلا ہوا ہے۔ جو چہرہ وہ لے کر گیا تھا اس کے ساتھ واپس نہیں آ رہا''۔

جب اسید ان کے پاس واپس آیا تو سعد نے پوچھا: کیا کر آئے ہو۔ اسید نے کہا: میں نے ان کی باتیں سنی ہیں مجھے ان میں کوئی خرابی نظر نہیں آئی البتہ اسے پتہ چلا ہے کہ بنو حارثہ اسد بن زرارہ کو قتل کر کے مجھے ذلیل کرنا چاہتے ہیں کیونکہ وہ تیرا خالہ زاد ہے یہ سن کر سعد غضبناک ہو کر ان کی طرف چلا جب ان کے نزدیک پہنچا تو وہ سمجھ گیا کہ اسید نے بہانہ بنا کر اسے ادھر بھیجا

ہے تا کہ میں خود ان کی باتیں سنوں مگر سعد نے اسد بن زرارہ کو کہا کہ ہمارے درمیان رشتہ داری حائل ہے ورنہ میں تجھے باغ میں یہ کام نہ کرنے دیتا۔ مصعبؓ نے سعد کو مخاطب کر کے کہا: کیا آپ بیٹھ نہیں جاتے اور کیا آپ ہماری بات نہیں سن لیتے۔ اگر آپ کو ہماری بات پسند نہ آئی تو ہم دست بردار ہو جائیں گے اس گفتگو سے جو آپ کو پسند نہ ہو۔

یہ سیدھی بات سن کر سعد نے بیٹھ کر کہا کہ تم نے انصاف کی بات کہی ہے۔ حضرت مصعبؓ نے اس کے سامنے اسلام پیش کیا اور دین اسلام کے ضروری اصول بتائے اور قرآن پاک کی آیات تلاوت کیں۔ یہ سب سن کر سعد کی کایا پلٹ گئی تہ دل سے اسلام کی دعوت قبول کر لی اور اپنی قوم کے پاس جا کر خطاب کیا کہ اے عبدالاشہل کے خاندان والو! میرے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔ قوم کے افراد بولے: آپ ہمارے سردار ہیں ہم سب سے آپ کی رائے افضل ہے اور بابرکت ہے۔ پھر سعد نے اسلام قبول کرنے کا واقعہ سنایا اور قوم کو بھی اسلام قبول کرنے کا مشورہ دیا۔ شام تک اس کے قبیلہ کا کوئی مرد و زن ایسا نہ رہا جس نے اسلام قبول نہ کیا ہو۔

بیعت عقبہ ثانیہ

گذشتہ سال یثرب کے بارہ آدمی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور بیعت کا شرف حاصل کیا اور واپسی پر حضرت مصعبؓ بن عمیر کو ان کے ساتھ کر دیا گیا۔ ان کی کوششوں سے اللہ تعالیٰ نے اہل یثرب کو اسلام کی مدد کے لیے آمادہ کر دیا چنانچہ اگلے سال یثرب سے ستر آدمی مکہ روانہ ہوئے۔ اس قافلہ کے سالار حضرت مصعبؓ ہی بنے۔ اس جماعت نے حضور علیہ السلام سے ملاقات کی اور حضرت مصعبؓ نے یثرب میں تبلیغی سرگرمیوں سے آگاہ کیا۔ جس سے آپ کو مسرت ہوئی۔ اس مجلس میں ایام تشریق کی ایک رات وادی عقبہ میں اکٹھا ہونا طے پایا اور اس پروگرام کو مخفی رکھا گیا۔

جب ملاقات کی مقررہ رات آئی تو انصار سر شام اپنے بستروں پر لیٹ گئے تا کہ دوسروں کو باور کرایا جا سکے کہ سو گئے ہیں اور رات کے دو پہر گزرنے کے بعد دو دو آدمی بڑی احتیاط سے اٹھتے اور مقررہ جگہ کی طرف چل دیتے۔ سب جمع ہو گئے تو حضور علیہ السلام بھی تشریف لے آئے۔

انصار نے عرض کی کہ ہم کس چیز پر آپؐ سے بیعت کریں۔ آپؐ نے فرمایا:

۱۔ میری بات سنو گے اور اس کو بجالاؤ گے خوشحالی میں بھی اور درماندگی اور افسردگی کی حالت میں بھی۔

۲۔ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تنگ دستی کی حالت میں بھی اور فارغ البالی کی حالت میں بھی۔

۳۔ تم نیکی کا حکم کرو گے اور برے کاموں سے روکو گے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کے تعلق کی گفتگو کرو گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کرو گے۔

۵۔ نیز اس بات پر کہ جب میں تمہارے پاس یثرب آؤں تو تم میری مدد کرو گے اور ہر اس چیز سے میرا دفاع کرو گے جیسے تم اپنی جانوں، اپنی بیویوں اور اپنے بچوں کا دفاع کرتے ہو۔

جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ لوگ بیعت کے لیے اٹھنے لگے تو اسعد بن زرارہ نے حضور علیہ السلام کا دست مبارک تھام لیا اور ہمیں کہنے لگے:۔

''اے اہل یثرب بیعت کرنے میں جلدی نہ کرو پہلے میری بات غور سے سنو۔ ہم نے اپنی سواریوں کے کلیجوں کو اس لیے نہیں درماندہ کیا ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ حضورؐ اللہ کے رسول ہیں۔ آج تم انہیں نکال کر اپنے ساتھ لے جا رہے ہو۔ (جانتے ہو اس کا کیا نتیجہ نکلے گا) سارے اہل عرب سے تمہارا تعلق ٹوٹ جائے گا۔ تمہارے سرداروں کو قتل کیا جائے گا اور تلواریں تمہارے جسموں کو چبا کر رکھ دیں گی۔ اگر تلواروں کے چبانے پر۔ اگر اپنے سرداروں کے مقتول ہونے پر۔ اور سارے اہل عرب کے بائیکاٹ کر دینے پر تم صبر کرنے کی ہمت رکھتے ہو تو بے شک تم ان کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ اس کی جزائے خیر اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور دے گا اور اگر تمہیں اپنی جانوں کی ہلاکت کا خوف ہے تو پھر انہیں یہیں رہنے دو۔ آج تمہارا ان سے الگ ہو جانا بہتر ہے اور تمہارا یہ عذر اللہ تعالیٰ کی جناب

میں قابل قبول ہوگا''۔

اسعد بن زرارہ کے دوسرے ساتھیوں کو اس کی بے ضرورت نصیحت سے بڑی کوفت ہوئی۔ انہوں نے جھنجلا کر کہا:۔

''اسعد اس وعظ کو رہنے دو ہم یہ بیعت ضرور کریں گے اور جو معاہدہ ہم کر رہے ہیں اس کو کسی قیمت پر نہیں توڑیں گے''۔

چنانچہ سب نے ایک ایک کر کے حضور علیہ السلام کے دست مبارک پر ہاتھ رکھ کر بیعت کی۔

امام ابن اسحاق کی روایت ہے کہ اس رات بیعت کرنے والوں کی تعداد تہتر تھی اور ان میں مردوں کے علاوہ دو خواتین بھی تھیں۔ اس موقعہ پر حضور علیہ السلام کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ باہر نگرانی پر مامور تھے جبکہ عباسؓ بن عبدالمطلب آپ کے چچا (جو ابھی مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے) اجلاس میں شامل تھے اور آپ نے بھی گروہ انصار کو خطاب کیا۔ تقاریر ہو رہی تھیں کہ انصار کے ابوالہیثم نے حضور علیہ السلام سے اپنی عرض پیش کرنے کی اجازت مانگ کر کہا:۔

''اے اللہ کے رسولؐ ہمارے یہودیوں کے ساتھ بڑے مضبوط دوستانہ تعلقات ہیں جن کو آج ہم توڑ رہے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ جب اللہ تعالیٰ آپ کو دشمنوں پر غلبہ عطا فرمائے تو حضورؐ اپنی قوم کے پاس لوٹ آئیں اور ہمیں چھوڑ دیں یہ جدائی ہم برداشت نہ کر پائیں گے''۔

اپنے جاں نثار کی یہ بات سن کر حضور علیہ السلام کے لب مبارک پر مسکراہٹ آ گئی اور فرمایا:۔

''میری پناہ تمہاری پناہ' میری حرمت تمہاری حرمت' میں تم میں سے ہوں اور تم مجھ سے ہو۔ جس کے ساتھ تم جنگ کرو گے میں اس سے جنگ کروں گا' جس سے تم صلح کرو گے میری اس کے ساتھ صلح ہوگی''۔

اس کے بعد حضور علیہ السلام نے حضرت جبریلؑ کے مشورے سے ان میں سے بارہ نقیب مقرر فرمائے جن میں نو بنی خزرج قبیلہ کے اور تین قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے تھے جن کے نام

یہ تھے:

اسعد بن زرارہ۔ رافع بن مالک۔ سعد بن ربیع۔ عبداللہ بن رواحہ۔ سعد بن عبادہ۔ المنظر بن عمرو۔ عبداللہ بن عمرو۔ عبادہ بن الصامت۔ اسید بن حضیر۔ رفاعہ بن عبدالمنذر اور سعد بن خثیمہ۔

انصار کے چند نوجوان جاں نثاروں نے بوقت بیعت ایسے ایمان افروز کلمات کہے کہ ترازو میں ان کلمات کو رکھ دیا جائے اور دوسرے پلڑے میں پوری کائنات تو پھر بھی ان کے کلمے بھاری ہوں گے وہ ناظرین کے پیش خدمت ہیں۔

۱۔ ابوالہیثم نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ میں اس بات پر آپ کی بیعت کرتا ہوں جس پر بنی اسرائیل کے بارہ نقیبوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیعت کی تھی۔

۲۔ عبداللہ بن رواحہ نے عرض کی: میں اس بات پر حضورؐ کی بیعت کرتا ہوں جس پر بارہ حواریوں نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی بیعت کی تھی۔

۳۔ اسعد بن زرارہ نے گذارش کی۔ یارسولؐ اللہ میں اللہ عزوجل کی بیعت کرتا ہوں۔ پھر آپؐ کی بیعت کرتا ہوں اس بات پر کہ میں اپنا عہد وفاداری سے پورا کروں گا اور آپ کی نصرت کے سلسلہ میں اپنے قول کی اپنے عمل سے تصدیق کروں گا۔

۴۔ نعمان بن حارثہ نے عرض کی: یارسولؐ اللہ میں اللہ تعالیٰ کی بیعت کرتا ہوں اور آپ کی بیعت کرتا ہوں۔ اس بات پر کہ اللہ عزوجل کے حکم کی تعمیل میں اپنے قریبی اور دور کی ذرا پرواہ نہ کروں گا۔

۵۔ عبادہ بن الصامت نے گذارش کی: یارسولؐ اللہ میں آپؐ کی بیعت کرتا ہوں اس بات پر کہ اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی ذرا پرواہ نہیں کروں گا۔

۶۔ سعد بن ربیع نے کہا: یارسولؐ اللہ میں اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتا ہوں اور حضور سے بیعت کرتا ہوں۔ اس بات پر کہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ کے کسی حکم نافرمانی نہیں کروں گا اور میں اللہ اور اس کے رسولؐ سے کذب بیانی نہیں کروں گا۔

اس طرح کے ایمان پرور اور روح افزاء جذبات کے اظہار کے ساتھ شمع رسالت کے

ان پروانوں نے اپنے محبوب آقا کے دست مبارک پر بیعت کی۔

یہ وہ بیعت ہے جسے تاریخ اسلام میں بیعت عقبہ ثانیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ وہ بیعت ہے جس سے اسلام اور اہل اسلام کی بے بسی کا تاریک دور اختتام پذیر ہونے والا ہے اور ان کے روشن مستقبل کی صبح طلوع ہونے والی ہے۔

تمام تر احتیاط کے باوجود کفار مکہ کو انصار یثرب کے متعلق شک ہوا کہ یہ حضور علیہ السلام کی ملاقات کے لیے آئے ہیں۔ اس لیے ان کے چند سردار اہل یثرب کے خیموں میں آئے اور ان پر الزام لگایا مگر چونکہ وہ ایسے لوگ تھے جن کو حالات کی خبر نہ تھی اس لیے انہوں نے قسم کھا کر کفار کو یقین دلایا کہ ایسی کوئی بات نہیں۔

چنانچہ اہل یثرب کا قافلہ حج کے فرائض ادا کر کے یثرب واپس چلا گیا۔ اس دفعہ انہوں نے ہر مصلحت کو بالائے طاق رکھ کر دعوت اسلام کی تبلیغ کی کوششوں پر کام شروع کر دیا۔

یثرب کی طرف ہجرت کا آغاز

بیعت عقبہ ثانیہ میں یثرب کے تہتر افراد نے جس جوش اور جذبے سے حضور علیہ السلام سے بیعت کی اور جسطرح کے عہد و پیمان ہوئے اور مشیت خداوندی سے حالات نے جو رخ اختیار کیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آئندہ مکہ کی بجائے یثرب (مدینہ طیبہ) مکہ کے اہل ایمان کا اور تمام عالم اسلام کا دارالسلام بن رہا ہے۔

یہ وہ لمحہ تھا کہ جسے امت مسلمہ کی عظیم الشان سیاسی، اقتصادی، معاشی اور آفاقی امن و سکون سے لبریز' زندہ رہنے کے آداب کی تاریخ کا نقطہ آغاز ہونے کا شرف نصیب ہونا تھا۔ یہ وہ عظیم واقعہ ہے جس سے تقویم اسلامی کا آغاز اب ابتدائے دعوت کی بجائے ہجرت سے کیا گیا اور جس سمت کی طرف دعوت اسلام کے سفر کا آغاز ہوا تھا فتح مکہ کے بعد دین اسلام ایک عالمگیر برادری کی حیثیت سے دنیا کے سامنے آ گیا۔

مکہ میں جب اشاعت اسلام کا کام ایک حد تک ہو چکا تو اب نبی اکرمؐ نے مسلمانوں کو جو قریش کے بے پناہ ظلم و ستم کا شکار ہو رہے تھے یثرب (مدینہ) ہجرت کی اجازت دے دی چنانچہ حضور علیہ السلام کے حکم کے مطابق مکہ کے مسلمان چھوٹے چھوٹے گروہوں کی شکل میں خاموشی سے مدینہ روانہ ہونے لگے۔ ادھر مدینہ کے مسلمانوں نے اپنے ان اسلامی بھائیوں کے

لیے اپنے مال و دولت اور گھروں کے دروازے کھول دیئے۔ اس صورت حال کو دیکھ کر کفار نے مسلمانوں کو روکنے کے لیے مظالم بڑھا دیئے اور ہر طرح کی کوشش کی کہ مسلمان ان کے چنگل سے نہ نکل سکیں۔ لیکن مسلمانوں نے اپنے مال جان اور اولاد کو خطرے میں ڈال کر اللہ کے دین کی خاطر اپنا وطن چھوڑنا پسند کیا اور کوئی دباؤ اور لالچ ان کے ارادوں کو متزلزل نہ کر سکا۔ چند ماہ میں ہی حضور علیہ السلام، حضرت ابوبکر صدیقؓ ان کے اہل خانہ اور حضرت علیؓ کے علاوہ بہت کم مسلمان مکہ رہ گئے جنہیں زبردستی روک لیا گیا۔

قریش نے محسوس کر لیا کہ مسلمانوں کو ایک شہر میسر آ گیا ہے جہاں وہ ایک مضبوط جماعت بن گئے ہیں۔ یہ ان کے پرانے نظام کے لیے موت کا پیغام تھا۔ نیز ان کے تجارتی قافلے بھی غیر محفوظ ہونے والے تھے۔ وہ ان خطرات کو روکنے کے لیے آخری چارہ کار اختیار کرنے پر آمادہ ہو گئے تمام سردار دارالندوہ اکٹھے ہو کر مشورہ کرنے لگے۔ ابوجہل کی رائے پر طے پایا کہ تمام قبیلوں کے نوجوان ایک رات حضور علیہ السلام پر یک باری تلواروں سے حملہ کر دیں تاکہ وہ اور ان کے ورثاء سب قبائل سے جنگ نہ کر سکیں۔ اس شمع رسالت کو گل کرنے کی تدبیر پر اتفاق ہو گیا۔

جب معاملہ یہاں تک پہنچ گیا تو اللہ تعالیٰ کی تدابیر نے کام شروع کر دیا۔ حضرت جبریلؑ نے اللہ کے حکم سے کفار کے ارادوں اور پروگرام سے آپؐ کو مطلع کیا اور اسی رات ہجرت کی اجازت فرمائی اور ہدایت فرمائی کہ اس رات اپنے بستر پر بھی نہ سوئیں۔ ہجرت کا حکم ملتے ہی آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو بھی آگاہ کیا اور انہیں ہجرت کا ساتھی بننے کا شرف بھی عطاء فرمایا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سامان سفر تیار کیا۔ حضور علیہ السلام نے حضرت علیؓ سے اس رات اپنے بستر پر سونے کی فرمائش کی اور لوگوں کی امانتیں جو حضور علیہ السلام کے پاس تھیں ان کے مالکوں کو واپس کر کے مدینہ پہنچنے کا حکم فرمایا اور تسلی دی کہ یہ لوگ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ چنانچہ کفار نے حضور علیہ السلام کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور حضرت علیؓ کو اپنی چادر اوڑھا کر اپنے بستر پر سلا دیا۔ جب تھوڑا سا اندھیرا ہوا تو آپ محاصرین کے بیچ میں سے گزر کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پروگرام طے کر دیا ہوا تھا۔ اللہ کے رسولؐ کے ساتھ غار ثور کی طرف خاموشی سے روانہ ہو گئے۔ کوہ ثور پر یہ غار بڑے تیز نوکیلے پتھروں کو عبور کر کے اونچی چٹانوں میں واقع تھی اور مدینہ سے مخالفت سمت پر تھی اسے منتخب بھی اسی لیے کیا گیا

تھا کہ پیچھا کرنے والے پہلے لازماً مدینہ جانے والے راستہ پر آئیں گے۔ تین دن رات غار میں رہے اس دوران حضرت ابوبکر صدیقؓ کا غلام جو یہاں بکریاں چراتا تھا شام کے اندھیرے میں آتا دودھ دے جاتا اور اہل مکہ کی خبریں بھی سنا جاتا۔

ایک روز مکہ کے چند افراد ڈھونڈتے ہوئے غار کے دہانے تک پہنچ گئے مگر اس دن اللہ کے حکم سے مکڑی نے غار کے منہ پر جالا بن دیا اور کبوتر کے نر و مادہ نے اپنے انڈوں سے بچے نکال دیئے۔ وہ لوگ غار کے منہ کی صورت حال دیکھ کر واپس چلے گئے۔ حضرت صدیق اکبرؓ لوگوں کے آنے سے گھبرائے مگر نبی اکرمؐ نے حوصلہ دیا کہ ہم دونوں کے ساتھ تیرا خدا ہے فکر نہ کرو۔

شاہراہِ ہجرت

تیسری رات کے آخری حصے میں یہ مختصر قافلہ ۴ ربیع الاول بروز پیر بحر احمر کے راستے پر چل پڑا۔ حضورؐ ایک اونٹنی پر اور دوسری پر ابوبکر صدیقؓ اور ان کے پیچھے ان کا غلام سوار تھے اور عبداللہ بن اریقط راستہ بتانے والا پیدل تھا۔ ادھر قریش نے حضورؐ کی گرفتاری یا قتل کے لیے بڑے بڑے انعامات کا اعلان کر دیا۔ کئی لوگ آپؐ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔

سراقہ بنی مدلج کا رئیس ایک مجلس میں بیٹھا تھا کہ اس کو ایک فرد نے کہا کہ بحر احمر کے ساحلی راستے پر ایک چھوٹا سا قافلہ جا رہا تھا۔ سراقہ نے خاموش کر دیا اور خود اس راستے حضورؐ کو تلاش کرنے گھوڑے پر دوڑ نکلا اور حضورؐ کو پا لیا۔ نزدیک جانے کے لیے گھوڑا بڑھانا چاہا تو اسے ٹھوکر لگی اور وہ گر گیا۔ دو دفعہ ایسا ہی ہوا پھر ترکش سے تیر نکالا فال نکالی تو خواہش کے خلاف نکلی۔ پھر ارادہ کیا تو طاقت سلب ہو گئی اب سمجھ گیا یہ اللہ کے رسولؐ ہیں ان کا مشن کامیاب ہو کر رہے گا تو حضورؐ سے نجات کی التجا کی۔ حضورؐ نے نہ صرف معاف کیا بلکہ امان دی اور کسریٰ کے کنگن پہننے کی بشارت بھی دی۔ پھر عرض کی: اب مجھے کیا حکم ہے۔ آپؐ نے فرمایا کچھ دن اسی جگہ رہو اور ہم تک کسی کو نہ آنے دو۔ یوں اللہ نے دشمن رسولؐ کو ان کا پاسبان بنا دیا۔

اس تدبیر سے سراقہ اس راستہ پر تلاش کرنے والے کو روک دیتا کہ وہ یہ راستہ دیکھ آیا ہے۔ یہ چھوٹا سا قافلہ چلتا رہا۔ بھوک پیاس بھی محسوس ہوئی۔ بنوخزاعہ کی ایک بڑھیا کا خیمہ نظر آیا ام معبد ہر آنے جانے والے مسافر کی خدمت میں بہت مشہور تھی۔

دنیا کے دو معزز ترین مسافر ام معبد کو ملے۔ بڑھیا نے حضرت صدیقؓ اکبر کو کہا: قحط کا

زمانہ ہے اس کے پاس کچھ کھانے کو ہوتا تو وہ خود یا عوض دے دیتی۔ آپؐ نے کونے میں ایک بکری دیکھ کر کہا: اگر اجازت دو تو وہ بکری سے دودھ دوھ لیں بڑھیا نے اجازت دیتے ہوئے کہا: یہ بہت کمزور ہے آپ دودھ نچوڑ سکتے ہیں تو لے لیں۔ آپؐ نے بسم اللہ کہہ کر بکری پر ہاتھ پھیرا تو اس نے دودھ دینا شروع کر دیا یہاں تک کہ ام معبد کے برتن بھر گئے۔

قافلہ تھوڑا سا ستانے کے بعد منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ بعد میں ام معبد کا شوہر آ گیا تھا' برتن دودھ سے بھرے دیکھے تو تعجب سے پوچھا: اے ام معبد یہ کیا؟ ام معبد نے سارا واقعہ سنا دیا۔ ابو معبد نے کہا: ذرا مجھے اس شخص کا حلیہ تو بتا۔ ام معبد نے جب آپؐ کا حلیہ مبارک بتایا تو ابو معبد بول اٹھا کہ وہ یہی صاحب تھے جس کا ذکر ہم سنتے رہتے ہیں اگر میری موجودگی میں آتے تو میں ساتھ دینے کی درخواست کرتا۔ اب میں ضرور ان کے پاس حاضر ہوں گا۔

سات راتیں صحرا کی تہ پر

یہ مقدس قافلہ چلتے چلتے وادیاں طے کرتا ہوا بنو سہم کے علاقے میں پہنچا اس قبیلے کا سردار بریدہ اسلمی معہ اپنے ستر ساتھیوں کے سامنے آیا۔ یہ انعام کے لالچ میں بیٹھے تھے کہ آپؐ سے مٹھ بھیڑ ہو گئی۔ حضور علیہ السلام کی گفتگو سن کر اس کے دل کی دنیا بدل گئی وہ اور اس کے ساتھی سب مسلمان ہو گئے اب یہ دشمن محافظ بن کر ساتھ چلنے لگے بریدہ اسلمی نے اپنی پگڑی کو پھاڑا اور اس کا علم بنایا اور آپؐ کی معیت میں چلنے لگا غالباً اسلام کے کسی جتھے کا یہ پہلا علم تھا۔

قافلہ سردار جن کے لیے یہ تمام کائنات تخلیق فرمائی گئی اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ منزل بمنزل سات دن رات ایک ایسے صحرا کی تہ پر چلتے رہے جس کی ریگ زار سطح سے گرمی کی تمازت سے صرف آگ کے شعلے اٹھتے نظر آتے' یہ تمام راستہ بے آب و گیاہ تھا جہاں کسی جگہ ایسی کوئی ٹھکانے کی جگہ نہ تھی کہ جہاں گھڑی دو گھڑی آرام کیا جا سکے۔ اسی طرح یہ قافلہ ریت کے جھلسا دینے والے صحرا پر چلتا رہا۔ یہ امید لیے کہ ایک نہ ایک دن دعوت دین اسلام کا پرچم روئے زمین پر ضرور لہرائے گا۔

آخر کار یہ قافلہ مدینہ منورہ سے 5 کلومیٹر کے فاصلہ پر وادی مریم میں داخل ہو گیا۔

حضور علیہ السلام کی مدینہ کی طرف ہجرت کی اطلاع اہل مدینہ کو مل چکی تھی۔ اس لیے وہ ہر روز استقبال کے لیے آتے اور شام تک انتظار کر کے واپس چلے جاتے۔ مہاجرین حضور علیہ

السلام کے مدینہ پہنچنے میں دیر ہونے سے بڑے پریشان تھے۔

ربیع الاول کی 13 تاریخ تھی دوشنبہ کا دن تھا اور دوپہر کا وقت۔ اہل مدینہ انتظار کر کے گرمی کے باعث جا چکے تھے کہ یہ قافلہ قباء پہنچ گیا جو مدینہ کی ایک نواحی بستی تھی۔ عین اس وقت ایک یہودی جو کسی ضرورت کے لیے اس گڑھی میں آ گیا تھا جوں ہی اس کی نظر آپؐ پر پڑی تو بے ساختہ پکار اٹھا: اے بنی قیلہ تمہارے سردار آ پہنچے جس کے تم شدت سے منتظر تھے۔

انصار کے قبیلہ بنی عمروؓ بنی عرف نے یہ آواز سنی تو جو جس حال میں تھا دوڑ پڑا اور نعرہ بلند کیا اتنے میں حضور علیہ السلام اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سواریوں سے اتر کر ایک کھجور کے سائے میں تشریف فرما ہوئے۔ جو انصار جمع ہوئے انہیں اس وقت سے پہلے زیارت نہیں ہوئی تھی وہ تذبذب میں تھے کہ ان میں رسولؐ خدا کون ہیں۔ اتنے میں دھوپ حضورؐ پر آ گئی تو حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنی چادر سے آپؐ پر سایہ کر دیا جس سے انصار کو پہچان ہو گئی۔ اب کیا تھا انصار کے سب مرد، جوان، بوڑھے، بچے اور خواتین کے دل ودماغ جسم اور زبانیں ہی نہیں بلکہ ان کی روحیں بھی اظہار محبت وعقیدت اور خلوص وادب بھری نگاہوں سے چہرہ مبارک کی زیارت کر رہی تھیں۔

سورج ڈھل گیا۔ قبا کے ایک ممتاز خاندان انصار کے ایک خوش نصیب کلثوم بن ہدم کو آپؐ کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا۔ قبا میں قیام کے دوران آپؐ نے مسجد قبا تعمیر کرائی جس میں آپؐ کی قیادت میں نماز باجماعت اعلانیہ ادا کی گئی اسلام کی یہ پہلی مسجد ہے جو تعمیر کی گئی۔ اسی دوران حضرت علیؓ بھی امانتیں واپس کرنے کے بعد قبا میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں پہنچ گئے اور آپؐ کے ساتھ اسی مکان میں قیام کیا۔ جبکہ حضرت صدیق اکبرؓ حبیبؓ بن اساف کے گھر میں رہائش پذیر ہوئے۔

حضرت امام بخاری علیہ رحمت کی روایت کے مطابق حضور علیہ السلام نے قبا میں دس شب سے چند روز زیادہ قیام فرمایا۔ اس کے بعد آپؐ یثرب روانہ ہوئے۔ یثرب کے ہر فرد کا دل بیقرار تھا کہ حضور علیہ السلام کی میزبانی کا شرف اسے حاصل ہو۔ انصار جوق در جوق حضورؐ کے جلوس میں شامل ہوتے گئے۔ اچھا لباس پہنے اور ہتھیار سجائے اپنے آقا کے جلو میں اپنے چمکدار چہرے آسمان کی طرف اٹھائے چل رہے تھے۔ حبشی بھی اظہار مسرت میں کسی سے پیچھے نہ تھے' وہ جانتے تھے کہ آج سے کالے گورے میں تمیز ختم ہو گئی ہے۔ جمعہ مبارک کا دن ہے' چلتے چلتے بہت دیر ہو گئی یہاں تک بنی سالم کے محلے تک پہنچے تو سورج ڈھل گیا نماز جمعہ ادا کرنے کا وقت آ گیا چند

لمحوں میں صحابہ کرام صفیں سیدھی کر کے بیٹھ گئے حضور علیہ السلام نے خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا: فصاحت و بلاغت کا سمندر موجزن تھا۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت دین اسلام کے عقائد بیان فرمائے۔ بنی سالم کے محلے کے کھلے میدان میں نماز جمعہ ادا کی گئی۔

نماز جمعہ سے فراغت کے بعد قافلہ اسلام پھر روانہ ہو گیا حضور علیہ السلام اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار ہوئے تو اہل محلہ کے سردار حاضر ہوئے اور وہاں قیام کرنیکی گذارش کی آپؐ نے فرمایا میری اونٹنی کا راستہ خالی کر دو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے حکم مل چکا ہے حکم الٰہی کے مطابق ٹھہرے گی۔ ہر محلے کے اہل ایمان آتے اور قیام کی عرض کرتے مگر سب کو یہی پیغام خدا ملا کہ سواری اللہ کے حکم سے ٹھہرے گی۔ اونٹنی چلتی رہی اور مسجد نبویؐ کی جگہ بیٹھ گئی۔ پھر بھی آپؐ سوار ہی رہے کہ قصویٰ پھر اٹھی اور واپس ایک مقام پر بیٹھ گئی اور گردن زمین پر رکھ دی۔ یہاں سے نزدیک ترین مکان حضرت ابو ایوبؓ انصاری کا تھا وہ حضور علیہ السلام کو گھر لے گئے۔ ارض و سما کے خالق و مالک کے محبوب نے بڑے بڑے محلات کشادہ اور شاندار مکانات سے صرف نظر کرتے ہوئے اپنے ایک درویش صفت غلام کے چھوٹے سے مکان کو اپنے قیام سے مشرف کیا۔

حضور علیہ السلام کی قصویٰ نامی اونٹنی جہاں پہلے بیٹھی وہ جگہ آپؐ نے مسجد کے لیے پسند فرمائی جو دو یتیم بھائیوں کی ملکیت تھی انہوں نے بلا قیمت جگہ دینے کی عرض کی مگر حضورؐ نے بلا معاوضہ جگہ لینا پسند نہ کیا اور قیمت دے کر جگہ مسجد نبویؐ کی تعمیر کے لیے مخصوص فرما دی۔

یثرب آنے کے بعد حضور علیہ السلام نے انصار اور مہاجرین کے درمیان رشتہ اخوت پیدا فرمایا۔ آپ نے دونوں گروہوں کے افراد کو یکجا کیا اور ایک مہاجر کا ہاتھ پکڑ کر ایک انصار کے ہاتھ میں دے دیا اور دونوں کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ یہ سب کچھ خالی زبانی طور پر نہ تھا بلکہ انصار بھائیوں نے اتنا ایثار کیا کہ دنیا اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ انصار بھائیوں نے محلات، زمینیں تقسیم کر دیئے۔ حتیٰ کہ دو بیویوں والے نے ایک بیوی کو طلاق دے کر اپنے اس مہاجر بھائی کے ساتھ نکاح کرا دیا۔ چنانچہ یثرب کے تمام انصار و مہاجر ایک زبردست اور عظیم امت مسلمہ بن گئے۔

مدینۃ الرسولؐ

حضور علیہ السلام کے یہاں تشریف لانے سے پہلے اس بستی کی آب و ہوا صحت کے لحاظ سے اتنی اچھی نہ تھی۔ متعدد بیماریاں وبائی صورت میں اکثر پھوٹتی رہتی تھیں۔ پانی بھی خوش

ذائقہ نہ تھا۔ ان امور کی وجہ سے اس بستی کو یثرب کے نام سے پکارا جاتا جس کے معنے میں شدت اور فساد کا مفہوم پایا جاتا تھا۔ رحمت اللعالمینؐ نے یہاں قدم رنجہ فرمایا تو بستی کے مقدر کا ستارہ چمک اٹھا۔ یہ بستی اب یثرب کی بجائے مدینۃ الرسولؐ کے مبارک نام سے موسوم ہوگئی اور ساتھ ہی اس کا موسم اور آب وہوا بھی خوشگوار ہوگئی۔ سرور کائناتؐ کو اس شہر سے بڑی محبت تھی جب کبھی سفر سے واپس تشریف لاتے تو نزدیک آنے پر مدینہ کے مکانات نظر آتے تو سواری کو تیز چلاتے اور اللہ سے یوں دعا فرماتے:۔

"اے اللہ اس شہر کو ہمارے لئے قرار گاہ بنادے اور ہمیں خوبصورت رزق عطا فرما"۔

حضرت امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت انسؓ سے روایت نقل کی ہے جو مدینۃ الرسول کی عظمت ظاہر کرتی ہے:

"اے خدا جو برکت تو نے مکہ کو دی اس سے دگنی برکت مدینہ کو عطاء فرما"۔

اور یہ بھی فرمایا:

"ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں اور اس کے پیمانوں اور وزنوں کے لیے برکت کی دعا کرتا ہوں۔ جس طرح حضرت ابراہیم نے مکہ کے لیے دعا فرمائی"۔

ایک اور روایت میں نبی اکرمؐ نے فرمایا:

"مدینہ میں داخل ہونے والے راستوں پر اللہ تعالیٰ نے فرشتے مقرر کر دیئے ہیں جو ان کی نگرانی کرتے ہیں نہ اس میں طاعون داخل ہوگی نہ دجال"۔

مسجد نبوی اور مکانات کی تعمیر

نبی اکرمؐ نے مسجد کی تعمیر کے لیے قطعہ ارضی خرید لیا ہوا تھا اس پر مسجد نبوی تعمیر کی گئی حضور علیہ السلام صحابہ کے ساتھ مسجد کی تعمیر کے کاموں میں برابر شریک رہے پتھر اور دیگر ضروری اشیاء اٹھا اٹھا کر لاتے اور انصار ومہاجرین کے لیے دعائیں فرماتے عہد رسالت تک مسجد کی دیواریں کچی اینٹوں کی تھیں۔ ستون کھجوروں کے تنوں کے اور چھت ٹہنیوں اور شاخوں سے بنائی

گئی۔

خدا کے گھر کی مندرجہ بالا ہئیت سے تعمیر کے بعد آپ ؐ نے اپنی ازواج کے لیے حجروں کی تعمیر کی طرف توجہ دی۔ یہ حجرے ایسے سامان سے تیار کیے گئے جو دیرپا نہ تھا۔ مورخین اور مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ ان رہائش گاہوں کی دیواریں اوپر تلے پتھر جوڑ کر اٹھائی گئیں اور بعض دیواروں کو کھجور کی شاخوں کو جوڑ کر کھڑا کیا گیا اور کیچڑ کی لپائی کی گئی اور ان کے چھت کھجور کے تنوں اور ٹہنیوں کو جوڑ کر بنائے گئے اور گارے سے پلستر کر دیا گیا۔ یہ تھے وہ محلات جن میں شہنشاہ کونین ؐ اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ زندگی بسر فرماتے رہے یہی وہ کچے کوٹھے ہیں جن میں حضرت جبرائیل ؑ ان گنت بار حاضری کے لیے تشریف لاتے رہے اور انہی کچی دیواروں کی برکات سے دعوت حق دینے والوں کی ایک ایسی جماعت تیار ہوئی جس سے گلشن انسانیت میں بہار آ گئی۔

سیاسی اور دفاعی تنظیم

جس طرح پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ مدینہ میں اوس و خزرج کے علاوہ یہودیوں کی ایک مضبوط اور طاقتور جمعیت موجود تھی وہ معاشی لحاظ سے بہت خوشحال اور صاحب کتاب ہونے کے ناطے علمی طور پر بھی سبقت رکھتے تھے۔ ادھر کفار مکہ مسلمانوں کی بیخ کنی کے درپے تھے وہ کسی وقت بھی حملہ آور ہو سکتے تھے۔ ان تمام اندرونی اور بیرونی خطرات سے محفوظ رہنے کیلئے ایک سیاسی اور دفاعی تنظیم کے قیام کی ضرورت محسوس کی گئی۔ ان تمام مشکلات سے نبرد آزما ہونے کے لیے ایک وسیع البنیاد منشور کی ضرورت تھی۔ اس لیے حضور علیہ السلام نے ایک ایسی دستاویز تیار کی جس میں مہاجرین و انصار کے علاوہ یہاں کے یہودیوں کو بھی شامل کیا گیا۔ اس معاہدہ کے ذریعے مدینہ کے جملہ باشندوں کا بلا لحاظ مذہب و قومیت اندرونی و بیرونی خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک اتحاد عمل میں لایا گیا۔ یہ دستاویز ایک فرمان کی حیثیت رکھتی تھی جسے اللہ تعالیٰ کے نبی و رسول ؐ اور ریاست مدینہ کے حاکم اعلیٰ نے جاری کیا۔ گویا مدینہ میں ریاستی نظام قائم ہو گیا اور حکومتی اقتدار کے تمام وسائل و مسائل رسول اللہ ؐ کے سپرد ہو گئے ہر متنازعہ امر کے لیے اللہ اور اس کے رسول ؐ کی طرف رجوع کرنے کا اصول مدینہ کے ہر فرد اور قبیلہ نے تسلیم کر لیا۔ مدینہ پر حملہ کی صورت میں جملہ اہل مدینہ کی طرف سے مشترکہ دفاع کی شق تسلیم کر لی گئی۔ ایک دوسرے کے مذہبی معاملات میں بیجا مداخلت ممنوع قرار دی گئی۔ اہل ایمان کو ایک دوسرے کی مدد کرنے اور

اسے بے یار و مددگار نہ چھوڑنے کا پابند کیا گیا۔ (ریاست مدینہ کی اس آئینی دستاویز کی 47 دفعات تحریر میں لائی گئیں۔[1] اس آئینی قرارداد کی رو سے مدینہ کے اہل ایمان اندرونی خطرات سے بالکل محفوظ ہو گئے اور بیرونی حملہ آوروں خصوصاً کفار مکہ کے مقابلہ میں تنہا نہ رہے۔ یہ دستاویز حضور علیہ السلام کی سربراہی میں ریاست مدینہ کے قیام کے لیے انتہائی سیاسی بصیرت کی حامل ثابت ہوئی۔

یہود مدینہ

یہودیوں کو ان کے علماء یہ خوشخبریاں سنایا کرتے تھے کہ ایک عظیم المرتبت نبی تشریف لانے والے ہیں جن کی علامات اور صفات تفصیل کے ساتھ ان کی کتب سماویہ میں درج ہیں اور یہ مقام ان کی ہجرت گاہ ہے اور اسی عظیم نبیؐ کے انتظار میں وہ اپنے آبائی وطن کو چھوڑ کر یہاں آ کر فروکش ہو گئے ہوئے ہیں اور جب وہ پیکر سعادت آئے گا تو ہماری مظلومیت کے دن ختم ہو جائیں گے اور ہمارا بول بالا ہوگا اور یہ دعا ان کا معمول تھا جو بارگاہ خداوندی میں مانگا کرتے:

"اے اللہ اس نبی امی کو مبعوث فرما جس کا ذکر ہم تورات میں پاتے ہیں اور جس کے بارے میں تو نے ہم سے وعدہ فرمایا کہ تو اسے آخری زمانہ میں مبعوث فرمائے گا"۔

حضور علیہ السلام نے جب قدم رنجہ فرمایا اور میثاق مدینہ تحریر کیا تو یہود مدینہ کو عقیدۂ مذہبی، معاشرتی رسم و رواج اور کاروباری آزادی کی ضمانت فراہم کرنے کے علاوہ ان کے دفاع کی بھی ذمہ داری لی۔ چاہئے تو یہ تھا کہ یہود اہل کتاب ہونے کے سبب سب سے پہلے دعوت اسلامی کو قبول کرتے مگر ان میں بنی اسرائیل کی پرانی خصلتیں عود کر آئیں اور اسلام سے عداوت عناد کو اپنا شعار بنا لیا۔ انہیں اعتراض تھا کہ یہ نبی اولاد اسحاق علیہ السلام سے نہیں۔ انہیں یہ بھی اعتراض تھا کہ یہ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا سچا رسول اور اولوالعزم نبی تسلیم کرتے ہیں۔ ان کے خبث باطن کا یہ حال تھا کہ ایک دن دو نوجوان مسلمان حضرت معاذ بن جبلؓ اور بشرؓ بن براء جو یہودیوں کے افکار و نظریات سے بخوبی واقف تھے ان کے پاس گئے اور کہا:

"اے گروہ یہود اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کرو تم تو ہم پر فتح حاصل کرنے کے لیے محمدؐ کے نام کا وسیلہ دے کر دعا مانگا کرتے تھے جب کہ ہم مشرک تھے اور تم ہمیں بتایا کرتے تھے کہ حضور مبعوث ہونے والے ہیں اور حضور کی نشانیاں اور علامتیں ہمیں سنایا کرتے تھے"۔

اس بات کا وہ انکار تو نہ کر سکے مگر اسلام قبول کرنے پر بھی رضامند نہ ہوئے۔

مدینہ میں نفاق اور منافقین کا ظہور

مکہ میں نفاق کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ یہ بات اس لیے تھی کہ مکہ میں اسلام اپنے ابتدائی دور میں مغلوب اور مجبور تھا۔ وہ کسی کو وہاں نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا بلکہ اسلام قبول کرنے کے معنی ہی یہ تھے کہ ہر قسم کے نقصان، ضرر اور تشدد کو گوارہ کیا جائے۔ مشرکین مکہ طاقتور اور غالب تھے اور اہل اسلام مظلوم اور کمزور۔ جبکہ مدینہ میں حضور علیہ السلام کی سربراہی میں مدنی ریاست کا قیام وجود میں آیا اور میثاق مدینہ سے مسلمانوں کو استحکام ملا مہاجرین اور انصار کی دو جمعیتیں ایک ہو کر ایک مضبوط جماعت بن گئی ادھر مشرکین مدینہ اور یہود بھی ایک قوت تھے ان دو متحارب اور طاقتور گروہوں اور قیادت کے ہوتے ہوئے کمزور اور مصلحت کیش افراد کی وجہ سے مدینہ میں نفاق کا ظہور ہوا۔ ایسے منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی بن سدل تھا۔

یہود کو اس وقت سخت دکھ ہوا اور ذہنی تکلیف پہنچی جب ان کے ایک بہت مشہور اور محترم عالم حصین نے اسلام قبول کر لیا۔ حضور علیہ السلام نے ان کا پہلا نام تبدیل فرما کر نیا نام عبداللہ رکھا یہ سلام کے بیٹے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی ذریت سے تھے مسلمانوں میں آپ عبداللہ بن سلام کے نام سے بہت جانے پہچانے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہود کے چند اور معززین نے بھی اسلام قبول کر لیا تو یہودی کھلی دشمنی پر اتر آئے۔ یہود کے یہ عالم عبداللہ بن سلامؓ کے علاوہ ثعلبہؓ بن سعیدؓ اسید بن سعیدؓ اور اسد بن عبیدؓ تھے جنہوں نے حضورؐ کی غلامی اختیار کی اور ایمان لائے۔

مدینہ میں اسلام تیزی سے پھیلنے لگا۔ ادھر مکہ سے مسلمان جو ہجرت کر سکتے تھے برابر مدینہ آتے رہے جس سے مسلمان مدینہ میں مضبوط سیاسی صورت اختیار کر گئے۔ یہود نے ان حالات کے پیش نظر اسلام کے خلاف اور حضور علیہ السلام کے خلاف سازشیں کرنا شروع کر دیں۔ اوس اور خزرج کو آپس میں لڑانے کی سرتوڑ کوشش کی مگر عین وقت پر حضورؐ کی مداخلت سے معاملہ ٹل گیا۔ اسلام دشمنی میں بڑے جھوٹ بول جاتے حتیٰ کہ نبی علیہ السلام کو دھوکہ سے قتل کرنے کے لیے عملی اقدامات کرنے شروع کر دیئے گئے مگر ہر بار ناکام ہوئے۔

یہود میں کئی ایسے تھے جو بظاہر مسلمان بن کر ایمان لائے' آپؐ کے دست مبارک پر بیعت بھی کی اور کئی ایسے کام بھی کرتے جس سے وہ اپنے آپ کو پکا مسلمان ثابت کرتے۔ اس طرح مار آستین بن کر مسلمانوں کی صفوں میں داخل ہو کر ان کی شیرازہ بندی کو نقصان پہنچانے کی

پوری کوشش کرتے۔ یہ اسلام کے کھلے دشمنوں سے زیادہ نقصان دہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں کئی بار منافقین کا ذکر کیا ہے۔

تحویل قبلہ

رسول اللہؐ اور مسلمان اب تک نماز میں اپنا رخ بیت المقدس کی طرف کر کے نمازیں ادا کرتے تھے۔ مدینہ تشریف لانے کے بعد ایک سال چار ماہ تک اسی طرف رخ کر کے نماز ادا کی جاتی رہی۔ حضورؐ کی خواہش تھی کہ کعبہ کو مسلمانوں کا قبلہ بنا دیا جائے۔ مسلمان بھی دل سے یہی چاہتے تھے کہ کعبہ ان کا قبلہ بنا دیا جائے۔ ایک روز جبریلؑ آئے تو اپنی خواہش کا اظہار فرمایا۔ جبریلؑ نے عرض کی یا رسولؐ میں بھی حضورؐ کی طرح اللہ کا بندہ ہوں۔ آپ اللہ سے دعا مانگتے رہا کیجئے چنانچہ آپؐ تحویل قبلہ کے لیے اللہ سے دعا گو رہا کرتے۔ ایک دن حضورؐ بشر بن اکبر کے گھر تشریف لے گئے جو بنی سلمہ کے محلہ میں تھا۔ بشر کی والدہ نے دوپہر کے کھانے کا اہتمام بھی کیا تھا اسی اثناء میں نماز ظہر کا وقت ہو گیا۔ حضور علیہ السلام نے حسب معمول بیت المقدس کی طرف رخ پھیر کر نماز پڑھنی شروع کی ابھی دو رکعت ادا ہوئی تھی کہ حضرت جبریلؑ حکم خداوندی لے کر حاضر ہو گئے اور اشارہ کیا کہ آپ اب بقیہ نماز خانہ کعبہ کی طرف رخ پھیر کر ادا فرمائیں۔ حضورؐ نے اسی وقت اپنا رخ قبلہ کی طرف پھیر لیا اور حضورؐ کی اقتدا میں تمام نمازیوں نے بھی بلا تامل اپنے منہ بیت المقدس سے پھیر کر کعبہ مبارک کی طرف کر لیے اس لیے یہ آیات نازل ہوئیں:

> ''ہم دیکھ رہے ہیں بار بار آپ کا منہ کرنا آسمان کی طرف تو ہم ضرور پھیر دیں گے آپکو قبلہ کی طرف جسے آپ پسند کرتے ہیں تو اب پھیر لو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف جہاں کہیں تم ہو پھیر لیا کرو اپنے منہ اس کی طرف''۔
>
> (سورہ بقرہ)

اسی لیے یہ مسجد، مسجد قبلتین کے نام سے مشہور ہے۔

صحابہ کرام کے دل تو جذبہ اطاعت رسولؐ سے پر رونق تھے۔ نماز عصر تک تحویل قبلہ کی اطلاع سب کو ہو گئی تو انہوں نے کعبہ مبارک کی طرف منہ کر کے نمازیں ادا کرنی شروع کر دیں۔ مگر یہود مدینہ جن کی کتب میں یہ اعلان پہلے سے موجود تھا کہ اہل اسلام کا قبلہ کعبہ ہو گا۔ انہیں بہت تکلیف ہوئی اور اسلام کے خلاف پراپیگنڈہ کرنے کا بہانہ ہاتھ آ گیا۔ حتیٰ کہ یہود کا ایک نمائندہ وفد حضور علیہ السلام کے پاس آیا اور تحویل قبلہ پر اعتراض کرتے ہوئے پیش کش کی کہ اگر

پہلے قبلہ کو تسلیم کر لیں تو وہ ایمان لے آئیں گے۔ حالانکہ ان کے دل میں کچھ اور تھا اسی وقت اللہ تعالیٰ نے آپ ؐ کو آگاہ فرما دیا:

''بے شک وہ جنہیں کتاب دی گئی ضرور جانتے ہیں کہ یہ حکم برحق ہے۔ ان کے رب کی طرف سے۔ اور نہیں اللہ تعالیٰ بے خبر ان کاموں سے جو وہ کرتے ہیں'' (سورہ البقرہ)

یہود مدینہ کا مسلمانان طیبہ کو تحویل قبلہ پر منتشر کرنے کا یہ حربہ بھی اللہ تعالیٰ نے ناکام بنا دیا۔

ماہ رمضان کے روزے

یہودی دس محرم کو روزہ رکھتے تھے حضور علیہ السلام نے اس کی وجہ دریافت فرمائی تو انہوں نے کہا محرم کی دسویں تاریخ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات دی تھی اور وہ بحر احمر سے بہ سلامت ساحل پر پہنچے تھے اس لیے ان کے نبی پر جو یہ فضل کیا از راہ تشکر وہ اس دن روزہ رکھتے ہیں۔ حضور ؐ نے فرمایا:۔

''حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ کے انعام کا شکریہ ادا کرنے کے ہم تم سے زیادہ حقدار ہیں''۔

چنانچہ حضور ؐ نے خود بھی روزہ رکھا اور مسلمانوں کو بھی اس کا حکم دیا۔ دوسرے سال ماہ شعبان میں رمضان المبارک کے مہینہ میں روزے رکھنے کا حکم نازل ہوا:

''اے ایمان والو فرض کیے گئے تم پر روزے جیسے فرض کیے گئے تھے ان لوگوں پر جو تم سے پہلے تھے تا کہ تم پرہیز گار بن جاؤ''

(سورہ بقرہ)

فریضہ زکوٰۃ

ہجرت مدینہ کے بعد حضور علیہ السلام مہاجرین کے معاشی مسئلہ کو تحریک مواخات (بھائی چارہ) کے ذریعہ حل کر دیا تھا۔ مگر ریاست مدینہ اور ضرورت مندار اکین اسلام کی وسیع بنیاد پر مدد کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہجرت کے دو سال بعد صاحب حیثیت مسلمانوں پر اپنے اموال میں سے ایک مقررہ شرح سے زکوٰۃ ادا کرنے کے احکام نازل کیے۔ جو عام معاشی ناہمواری اور دیگر ضروریات کے لیے بڑے مد ثابت ہوئے۔

قریش کی مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ

جب مدینہ میں مسلمانوں کے قدم جم گئے اور اسلام میں تیزی سے ترقی ہونے لگی۔ معاشی، اقتصادی، معاشرتی اور سیاسی نظام زندگی کو نظم وضبط میں لانے کے لیے قوانین خداوندی کا نفاذ ہونے لگا تو قریش مکہ پھر سوچنے لگے کہ اگر مسلمانوں کو مدینہ میں دعوت اسلام کا مزید کھلا موقعہ دیا گیا تو تمام معاملات ان کے ہاتھوں سے نکل جائیں گے اس لیے انہوں نے مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ شروع کر دیا تا کہ کسی بہانے مدینہ پر حملہ آور ہوسکیں۔ اہل ایمان کو ابھی تک صبر اور درگزر کرنے کی ہدایات تھیں جن پر وہ سختی سے کاربند تھے۔

قتل کی اجازت

عرب جنگ جو قوم مشہور تھے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر جان پر کھیل جانا یا دوسرے کو زندگی سے محروم کر دینا ان کے معمولات میں سے تھا مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور رسولؐ خدا کی اطاعت میں اہل ایمان نے کسی پر ہاتھ نہ اٹھایا اور یہ عرصہ بڑے صبر اور تحمل سے گزارا۔ اب وقت آ گیا کہ اپنے دفاع کے ہتھیاروں سے بھی کام لیا جائے اور اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا:

> ''جن مسلمانوں سے (خواہ مخواہ) لڑائی کی جاتی ہے ان کو اجازت ہے کہ وہ بھی لڑیں۔ کیونکہ ان پر ظلم ہو رہا ہے اور خدا ان کی مدد کرے گا۔ یقیناً وہ ان کی مدد پر قادر ہے۔ (سورہ حج)

یہود مدینہ گو مسلمانوں کے معاہد تھے مگر درپردہ اور بعض اوقات اسلام کے خلاف گھناؤنی سازشیں کرتے رہتے اور عبداللہ بن ابی بن سلولی جو بظاہر ایمان لا چکا تھا نہ صرف منافق تھا بلکہ رئیس المنافقین مشہور تھا یہودیوں اور کفار سے رابطہ رکھے ہوئے تھا۔ ایسے حالات میں دفاع کے لیے جہاد کرنے کے احکام بڑے مناسب وقت پر نافذ ہوئے۔

چنانچہ مدینہ کے اردگرد کے قبائل کو دعوت اسلام کیلئے اور دشمنوں کی نقل وحرکت پر نظر رکھنے کے لیے مختلف سمتوں میں اسلام کی تبلیغ کی خاطر وفود تیار کیے جن وفود میں حضور علیہ السلام خود شریک ہوئے وہ غزوہ اور جن میں آپؐ شامل نہ ہوسکے وہ سرایہ کہلائے۔

ایک فوجی کمانڈر دشمنوں کی نقل وحرکت سے کس طرح غافل رہ سکتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے حضرت عبداللہ بن جحش کو ایک جماعت کا قائد بنا کر مکہ کی سمت روانہ کیا کہ مکہ اور طائف کے درمیان ایک نخلستان میں بیٹھ کر اہل مکہ کی نقل وحرکت پر نظر رکھے۔ ایسی مہمات کا فائدہ

یہ ہوا کہ لمحہ بہ لمحہ حالات کی خبر ملتی رہی۔قبائل جو ایمان لائے اسلام کو اس سے تقویت حاصل ہوئی اور دیگر پر اہل اسلام کا رعب قائم ہو گیا۔

اہل مکہ کا مدینہ پر حملہ معرکہ بدر

اہل ایمان اور کفار مکہ کے درمیان یہ تاریخ ساز معرکہ میدان بدر میں پیش آیا جبکہ مسلمان ماہِ رمضان میں روزہ رکھے ہوئے تھے۔حضور علیہ السلام کو خبر ملی کہ اسلام کا بدترین دشمن ابو سفیان ایک بڑا تجارتی قافلہ لے کر آ رہا ہے تو آپؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ آگے بڑھ کر قافلے کو روکیں ابوسفیان کو بھی اہل مدینہ کی کاروائی کی خبر ملی تو اس نے ایک تیز رفتار قاصد مکہ روانہ کیا کہ وہ مسلمانوں سے قافلہ کو بچانے کیلئے مدد کو آئیں اہل مکہ پہلے ہی مدینہ پر حملہ کرنے کے بہانے ڈھونڈ رہے تھے یہ خبر ملتے ہی ابو جہل ایک لشکر جرار کے ساتھ مکہ سے نکلا۔ابوسفیان نے رستہ بدل کر اپنے قافلے کو محفوظ کر لیا۔لیکن ابو جہل نے اس کے باوجود مدینہ پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ کر لیا۔اس کے لشکر میں سب قابل ذکر سردار شامل تھے۔

جب لشکر کفار کی مدینہ پر چڑھائی کی خبر موصول ہوئی تو آپؐ نے مہاجرین وانصار سے مشورہ کیا۔مہاجرین نے جان و مال سے آپؐ کے دفاع کے عزم کا اظہار کیا۔آپ نے پھر سب سے مشورہ طلب کیا تو انصار نے محسوس کیا کہ حضورؐ ان کی رائے لینا چاہتے ہیں تو حضرت سعدؓ بن معاذ فوراً اٹھے اور عرض کی کہ انصار آپ سے بیعت کے وعدہ پر قائم ہیں آپ کے حکم کی دل و جان سے تعمیل کریں گے۔دیگر سرداران انصار نے بھی پرزور الفاظ سے آپؐ کے دفاع اور ہر حکم کی تعمیل میں جانیں نثار کرنے کا یقین دلایا۔

میدان بدر میں دونوں افواج نے اپنے اپنے جھنڈے گاڑ دیئے۔کفار کے لشکر کی جنگی قوت اہل ایمان سے تین گنا زیادہ تھی آپؐ کے ایک جاں نثار خبابؓ بن المنذر نے عرض کی یا رسولؐ اللہ اگر اللہ نے حکم دیا ہے کہ پڑاؤ اسی جگہ کرو تو پھر ٹھیک اگر ایسا نہیں تو پڑاؤ ایک دوسری جگہ ڈالنے کی تجویز پیش کی غور و فکر کے بعد صحابی کی رائے کے موافق پڑاؤ بدلا گیا جہاں پانی بھی قریب تھا۔

آپؐ نے دشمن کی طاقت کے پیش نظر حکیمانہ صف بندی کرائی خفیہ حملوں کے راستے اور حملہ کرنے میں آسانی کا خیال رکھا۔صحابہ کرام حضور علیہ السلام کے ساتھ میدان میں چل دیئے کہ دست مبارک سے اشارے فرمانے لگے کہ انشاء اللہ یہاں فلاں مارا جائے گا۔وہاں فلاں

گرے گا۔ اس جگہ فلاں قتل ہوگا اور آپؐ کا فرمانا درست ثابت ہوا۔ ادھر قریش بڑے ساز و سامان اور تکبر و غرور سے بھرے مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے پر تلے ہوئے خدا اور اس کے رسولؐ کی تکذیب کرتے پڑاؤ لگا رہے تھے۔

رسولؐ خدا بارگاہِ الٰہی میں

یہ جمعہ کی رات تھی اور رمضان کی سترہ تاریخ کی صبح نمودار ہوئی تو دونوں فریق آمنے سامنے آ چکے تھے۔ آخری وقت صفیں درست فرما کر حضورؐ واپس تشریف لائے۔ حضرت صدیق اکبرؓ ساتھ تھے۔ نبی اکرمؐ جنگی نقطہ نگاہ سے مہیا شدہ اسباب دنیا اور تدابیر اختیار کر کے اب خدائی تدابیر کی طرف متوجہ ہوئے اور بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہو کر اسلام کی فتح کی دعائیں کرنی شروع کیں۔ آپؐ جانتے تھے کہ دشمن دنیاوی اسباب جنگ میں کہیں زیادہ طاقتور ہے۔ للہذا اسلام کے لیے یہ جنگ فیصلہ کن تھی۔ اسی لیے شہنشاہِ برحق کے سامنے اپنی فریاد رکھی۔

خالق کون و مکاں کی خدمت میں اپنی گزارشات کے بعد حضور علیہ السلام نے اپنے مجاہدین سے خطاب فرمایا۔ اتنے میں لشکر کفار سے عتبہ بن ربیعہ اس کا بھائی شیبہ اس کا بیٹا ولید آگے آئے اور مبارز طلبی کی ان کے جواب میں انصار کے تین نوجوان مقابلہ کے لیے نکلے انہیں دیکھ کر عتبہ نے پوچھا: تم کون ہو۔ جواب میں مجاہدوں نے بتایا وہ انصار ہیں جس پر مبارزین نے اپنے چچازاد بھائیوں (قریش) کا مطالبہ کیا۔ اس پر حضور علیہ السلام نے عبیدہؓ بن الحارثؓ حمزہؓ اور علیؓ کو فرمایا کہ تم اٹھو اور مقابلہ کے لیے جاؤ۔ انہیں دیکھ کر کفار بولے: اب جوڑ برابر کی ہوگی۔ حضرت عبیدہؓ نے عتبہ کو للکارا۔ حضرت حمزہؓ نے شیبہ کو اور حضرت علیؓ نے ولید کو۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے دیکھتے ہی دیکھتے اپنے اپنے دشمن کو قتل کر دیا جبکہ حضرت عبیدہ اور ان کا مقابل عتبہ دو دو ہاتھ کرنے میں مصروف تھے مگر حضرت عبیدہؓ زخمی ہو چکے تھے یہ دیکھ کر حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے عتبہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

آغاز جنگ

اسی وقت اپنے تینوں شہسواروں کے قتل ہوتے ہی دونوں لشکر برسرِ پیکار ہو گئے۔ ایک دوسرے کے قریب ہو کر جنگ ہونے لگی۔ حضور علیہ السلام بذات خود بھرپور طریقہ سے جنگ میں شریک تھے اپنے مجاہدوں کو ارشاد فرما رہے تھے۔ چلو بڑھو اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔

پہلا شہید

حضرت عمیرؓ انصاری نے رسول اکرمؐ کی یہ بات سنی جو اس وقت کھجوریں کھا رہا تھا۔ بقیہ کھجوریں پھینک کر کہنے لگا: ان کے کھانے سے دیر ہو جائے گی۔ اسی وقت جنگ میں کود پڑا اور لڑنے لگا۔ آخر اپنی منزل مراد کو پہنچا حضرت عمیرؓ پہلے شہید بنے۔ جنگی نقطہ نگاہ سے اور اسباب جنگ کے لحاظ سے کمیوں اور محرومیوں کے باوجود جس جذبے اور جوش کا اہل ایمان نے مظاہرہ کیا کفار اس سے تہی دست تھے۔ مجاہدین نے کفار کے لشکر کے حوصلے پست کر دیئے اور ان کے قدم اکھڑنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنا وعدہ پورا فرمایا اور مسلمانوں کی مدد کے لیے فرشتے بھیجے۔ انہوں نے مشرکین کو تہس نہس کر دیا جس طرح کلام پاک سے واضح ہوتا ہے ارشاد فرمایا:

"جب تمہارا پروردگار فرشتوں کو ارشاد فرماتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم مومنوں کو تسلی دو کہ ثابت قدم رہیں۔ میں ابھی کافروں کے دلوں میں رعب و ہیبت ڈالے دیتا ہوں۔ تم بھی ان کے سر مار کر اڑا دو اور ان کا پور پور مار کر توڑ دو"۔

(سورہ انفال)

ادھر اللہ تعالیٰ نے لشکر کفار کے سردار اور کمانڈر ابو جہل کو دو کمسن نوجوان بھائیوں کے ہاتھوں قتل کرا کر واصل جہنم کر دیا۔ ہوا یوں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ فرماتے ہیں: میں اپنے قریب دو کمسن لڑکوں کو دیکھ کر ان کے متعلق فکر مند ہوا تو میں نے ان سے کچھ پوچھنے کا ارادہ کیا تو وہ مجھ سے پوچھنے لگے: چچا ہم کو ابو جہل دکھا دو کہ وہ کہاں ہے۔ میں نے کہا: تم کو اس سے کیا غرض۔ وہ کہنے لگے: ہم نے اسے قتل کرنے کی قسم کھائی ہے میں نے بتایا: وہ گھوڑے پر سوار ہے۔ میری بات ختم نہ ہونے پائی تھی کہ وہ بجلی کی سرعت کے ساتھ ابو جہل کے پاس پہنچے اور تلواروں سے اسے گھائل کر دیا اور وہ زمین پر گر کر ہلاک ہو گیا۔

جنگ مجاہدین نے جیت لی کفار مکہ کے بڑے بڑے سردار مقتول ہوئے اور کچھ کو قیدی بنا لیا گیا جبکہ کچھ فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں ایک روز قبل حضورؐ نے جس جس سردار کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ کس کس جگہ مقتول ہو گا وہ اسی جگہ قتل ہوا۔ یہ جنگ مسلمانوں کی فتح مبین اور مشرکین کی ذلت آمیز شکست پر ختم ہوئی۔ ابو جہل کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ اپنی امت کا فرعون تھا

جو ہلاک ہوا۔ آپؐ کے حکم سے کفار کے سب مقتولین کو ایک کنویں میں پھینک دیا گیا وہاں کھڑے ہو کر آپؐ نے فرمایا: اے کنویں والو! کیا تم کو تمہارے رب کا کہنا سچ نظر آیا؟ میں نے تو اپنے پروردگار کا وعدہ بالکل حق پایا ہے۔

اس جنگ میں کفار کے ستر نامی گرامی بڑے بڑے سردار مارے گئے اور اتنے ہی قیدی بنا لیے گئے۔ مسلمانوں میں قریش کے چھ اور انصار کے آٹھ آدمی شہید ہوئے۔ حضور علیہ السلام مدینہ تشریف لائے اس فتح کے بعد مدینہ اور اس کے اطراف میں مسلمانوں کا دبدبہ قائم ہو گیا اور ان کی تعداد میں بھی تیزی سے اضافہ ہوا۔

مکہ میں جب مشرکین کی شکست کی خبر پہنچی اور بڑے بڑے نامی سرداروں کے مارے جانے اور کچھ کے گرفتار ہو جانے کا سنا گیا تو وادی میں کہرام مچ گیا۔ دشمنان اسلام کے حوصلے پست ہو گئے اور مکہ میں رہ جانے والے مجبور اور بے بس مسلمانوں کو خوشی ہوئی۔

اسلام کی اس پہلی جنگ میں مسلمانوں نے ثابت کر دیا کہ ایمان کا رشتہ خون کے رشتے سے بالاتر ہے۔ کیونکہ بھائی بھائی کے سامنے اور خون کے دیگر رشتے آمنے سامنے صف آراء تھے اور ایک دوسرے کو قتل کر رہا تھا۔ ابو سفیانؓ نے اس جنگ کا بدلہ لینے کی قسم کھائی۔

ابولہب کی ہلاکت

جنگ بدر میں مشرکین مکہ کی ذلت اور رسوائی کو ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ انتقام خداوندی نے ابولہب کو عذاب میں پکڑ لیا۔ اسے ایک متعدی پھنسی والی بیماری نے گھیر لیا۔ یہ بیماری ایسی تھی کہ جس کو پتہ لگا وہ نزدیک تک نہ گیا حتیٰ کہ ابولہب کی اولاد بھی چھوڑ گئی اور وہ چند روز تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ کوئی اسے دفن کرنے بھی قریب نہ گیا آخر کار لکڑیوں سے دھکیل کر اسے گڑھے میں پھینک کر مٹی ڈال دی گئی۔

شرع اسلام کا نفاذ

ہجرت کے دوسرے سال میں ریاست مدینہ جو میثاق مدینہ کے ذریعے پہلے ہی قائم ہو چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کے زندگی کے نظام اور نظم وضبط کے لیے بتدریج کچھ احکام الٰہی نافذ کیے جو مختصر حسب ذیل تھے۔

۱۔ تحویل قبلہ

۲۔ ماہ رمضان کے روزے

۳۔ عید الفطر کی نماز سے قبل صدقہ فطر ادا کرنا

۴۔ یکم شوال کو عید گاہ میں نماز عید الفطر کا ادا کرنا

۵۔ سفر اور حضر میں فرض نمازوں کی رکعتوں کا تعین

۶۔ صاحب مال اہل ایمان پر زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم

۷۔ قصاص کے قانون کا نفاذ

۸۔ دیتوں کے نظام کا اجراء

غزوہ قینقاع

جنگ بدر کے بعد چند سریہ اور غزوات ہوئے مگر غزوہ قینقاع مشہور ہے۔ حضور علیہ السلام اور فرزندان اسلام کے خلاف یہودیوں کے حسد اور عناد کے جذبات پہلے مخفی تھے۔ جواب آشکار ہونے لگے اور وہ اعلانیہ کہنے لگے کہ ہم نے وہ معاہدہ کالعدم کر دیا ہے جو انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا۔ اس پر حضور علیہ السلام نے بنی قینقاع سے بڑے دلنشین انداز سے گفتگو فرمائی مگر یہود نے مغرور ہو کر جواب دیا کہ اہل مکہ فنون جنگ سے نا آشنا تھے شکست کھا گئے۔ ہم سے جنگ ہوئی تو مسلمانوں کو پتہ چل جائے گا کہ ہم کس قسم کے لوگ ہیں۔ اسی اثناء میں یہود نے ایک انصاری عورت کی بے حرمتی کی تو ایک انصاری نے اسے قتل کر دیا تو یہودیوں نے اس انصاری کو شہید کر دیا۔ حضور علیہ السلام یہودیوں کی اس حرکت سے ان کے خلاف راست اقدام پر مجبور ہو گئے اور بلا تاخیر بنی قینقاع کی بستی کا چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا۔ محاصرین مردوں کی تعداد سات سو تھی جبکہ تین صد ان میں زرہ پوش تھے اور اسلحے کے ڈھیر لگے تھے پھر بھی وہ کھلی جنگ سے بھاگ گئے پندرہ روزہ محاصرہ کے بعد ہتھیار ڈال دیئے اور اپنے مستقبل کے بارے میں حضور علیہ السلام کو اپنا حکم تسلیم کر لیا۔ رئیس المنافقین کے بار بار اصرار پر آپؐ نے انکی جاں بخشی تو کر دی مگر تین یوم کے اندر اندر مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا۔ مدینہ بدر یہ قبیلہ شام کی ایک بستی میں جا کر آباد ہو گیا۔

کعب بن اشرف یہودی کا خاتمہ

اگر چہ ہر یہودی اسلام اور حضور علیہ السلام سے بہت عناد و دشمنی رکھتا تھا مگر کعب بن اشرف سب کا سرغنہ اور سازشوں کے تانے بانے بننے میں ہر وقت لگا رہتا تھا اور اپنے دفاع کے لیے یہودی قبیلہ بنی نضیر کا حلیف بنا ہوا تھا۔ بڑا فصیح اللسان اور قادر الکلام شاعر تھا۔ حضورؐ کو شہید

کرنے کی ہر سازش کا بانی تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اسے ہر بار ناکام فرمایا آخر کار اس کے قتل کا حکم ہو گیا اور محمد بن مسلمہ نے ایک تدبیر سے اسے قتل کر دیا۔

غزوہ اُحد

وادی بدر میں قریش مکہ کی پسپائی صرف ایک جنگی نوعیت کی نہ رہی تھی بلکہ اس نے ان کی زندگی کے ہر شعبہ کو شکست وریخت سے دوچار کر دیا۔ جزیرہ عرب کے تقریباً تمام باشندے اصنام پرست تھے اور اس کا سب سے بڑا مرکز مکہ تھا۔ اس شکست نہ صرف قریش کی سطوت کو ہی پارہ پارہ کر دیا بلکہ ان کے بتوں کی خدائی کے عقیدہ پر بھی کاری ضرب لگائی اور جزیرہ میں ان کی قیادت کو ایک بڑا خطرہ لاحق ہو گیا۔

قریش اور اہل مکہ اسی شاہراہ سے گزر کر ملک شام اور اس کے نواحی ملکوں میں تجارتی کاروان لے کر جاتے تھے۔ اسی پر ان کی معاشی زندگی کا دارومدار تھا۔ اس معرکے نے انہیں اس تجارتی شاہراہ سے محروم کر دیا۔

جنگ بدر سے قبل وہ جزیرہ عرب میں ایک غیر متنازعہ مذہبی اور سیاسی طاقت مانے جاتے۔ اب ان کا یہ منصب بھی داؤ پر لگ گیا۔ اس جنگ میں ان کے ستر شاہسوار مقتول ہوئے اہل مکہ کا کوئی ایسا گھر نہ بچا جس میں کسی کا باپ بھائی اور بیٹا یا رشتہ دار نہ مارا گیا ہو۔ اس صورت حال نے قریش اور اہل مکہ کا چین چھین لیا اور وہ انتقام کی آگ میں جلنے لگے۔

ابوسفیان نے پہلے ہی بدلہ لینے کی قسم کھائی تھی ایک روز اہل مکہ نے اسے ایک اجلاس میں بلا کر اپنا قائد منتخب کر لیا اور تجویز پیش کی کہ حال ہی میں آنے والے تجارتی قافلہ کے تمام سامان کے نفع کی رقم آئندہ جنگ کے مصارف کے لیے وقف کر دی جائے۔ اس طرح جنگی سامان حاصل کرنے کے لیے ضروری سرمایہ ہو گیا تو جنگ کی زور شور سے تیاری ہونے لگی اور سرداران مکہ نے معززین و اکابرین مکہ پر ایک وفد تشکیل دیا کہ وہ مختلف قبائل کو جنگ میں شرکت پر آمادہ کرے۔

لشکر کفار کی روانگی

ماہ شوال کی پانچ تاریخ اور تین ہجری کو کفار کا لشکر جو تین ہزار جنگ آزما سورماؤں پر

مشتمل تھا۔ گذشتہ جنگ میں فرار ہونے والوں کے خدشہ کے سدباب کے لیے اب کی بار انہوں نے اپنی ازواج کو بھی ساتھ لے لیا تھا۔ یہ دفیں بجاتی' اپنے مقتولین کے مرثیے گاتیں' مردوں کے جوش انتقام کو بھڑکاتی جاتی تھیں۔

لشکر کفار میں ایک اور عنصر بھی شامل تھا جو اسلام کے خلاف کسی سے کم نہ تھا۔ ابو عامر فاسق یثرب میں اپنے قبیلہ اوس میں [redacted] ہی اثر ورسوخ رکھتا تھا جو عبداللہ بن ابی اپنے قبیلہ خزرج میں رکھتا تھا' حضور علیہ السلام کے مدینہ تشریف لانے سے اس کا بھی اقتدار ختم ہوگیا اس لیے یہ بھی اپنے پچاس حواریوں کے ساتھ ابوسفیان کے لشکر میں شامل ہوگیا۔

کفار کا یہ لشکر مدینہ طیبہ کی طرف بڑھتا آ رہا تھا اس کی خبریں دور دور تک پھیل رہی تھیں۔ یہودیوں اور منافقین نے سنا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ حضور علیہ السلام بھی غافل نہ تھے آپؐ نے بھی ایک جماعت کو کفار کی نقل و حرکت کی خبر دینے پر مامور کیا ہوا تھا جب کفار ذوطوی کے مقام پر پہنچا تو حضورؐ کی اس جماعت نے آ کر کفار کے لشکر کے حالات سے آگاہ کیا۔

حضور علیہ السلام نے شوریٰ کی بنیاد رکھی

جمعہ کی رات اسلام کے جانباز نوجوان شہر کے راستوں کی ناکہ بندی کر کے پہرہ دیتے رہے۔ لشکر کفار مدینہ کے سامنے جبل احد کی سمت میں خیمہ زن ہوگیا۔ حضور علیہ السلام نے صحابہ کرام کی اس صورت حال سے نپٹنے کے لیے مجلس مشاورت طلب فرمائی اور گفتگو کا آغاز فرمایا اور کہا کہ اگر تم مناسب سمجھو تو شہر کے اندر مورچہ بند ہو جاؤ عورتوں اور بچوں کو محفوظ قلعوں میں پہنچا دو۔ اگر کفار باہر ٹھہرے تو ان پر یہ ٹھہرنا تکلیف دہ ہوگا اور اگر شہر کے اندر آئے تو ہم گلی کوچوں میں ان سے لڑیں گے کیونکہ ہم ان راستوں کے پیچ وخم سے واقف ہیں اور مکانوں کی چھتوں سے ان پر پتھراؤ کریں گے۔ اکابر مہاجرین اور انصار نے اس تجویز کو سراہا۔ عبداللہ بن ابی نے بھی پرزور تائید کی۔ لیکن نوجوانوں نے اور ان مجاہدوں نے جو جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے شہر سے نکل کر کھلے میدان میں جنگ کرنے پر زور دیا اور اس پر بہت اصرار کیا۔ حضرت حمزہؓ، سعد بن عبادہؓ اور نعمانؓ بن مالک نے عرض کی کہ اس طرح شہر میں بند ہو کر لڑنے سے کفار ہمیں بزدل سمجھیں گے۔

سرکار دو عالمؐ نے جب ان کے جوش، شوق شہادت اور اس پر ان کے اصرار کا مشاہدہ فرمایا تو جو اکثر صحابہ کی رائے تھی اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے آمادگی ظاہر کر دی۔ نماز جمعہ کا وقت ہو گیا حضور علیہ السلام نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ بعد نماز تمام مجاہد اکٹھے ہو گئے۔ حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ حضورؐ کے ساتھ کاشانہ اقدس میں ساتھ گئے اور آپؐ کو لباس پہنایا باہر تمام مجاہد صفیں باندھے دو رویہ منتظر تھے کہ اتنے میں حضرت سعید بن معاذ اور اسیدؓ بن خضیر باہر آئے اور انتظار کرنے والوں سے کہا کہ تم نے حضور علیہ السلام کو باہر نکلنے پر مجبور کیا ہے اور اپنے اپنے مشورے دیئے حالانکہ آپؐ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ تمہیں چاہئے تھے کہ فیصلہ کا اختیار حضورؐ کے سپرد کرتے۔ یہ گفتگو جاری تھی کہ آپؐ اسلحہ سے لیس باہر تشریف لائے۔ اب جن لوگوں نے باہر نکل کر لڑنے پر اصرار کیا تھا نادم ہونے لگے تو آپؐ نے فرمایا کہ کسی نبی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ ہتھیار پہننے کے بعد پھر اتار دے جب تک اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے دشمن کے درمیان فیصلہ نہ کر دے۔ پھر ارشاد فرمایا:

> ''آگے بڑھو نصرت الٰہی تمہارے ساتھ ہو گی جب تک تم صبر کا دامن پکڑے رہو گے۔''

احد کی طرف روانگی

کائنات میں محبوب ترین ہستی رسولؐ اللہ اپنے سکب نامی گھوڑے پر سوار۔ گلے میں تیر کمان۔ دست مبارک میں نیزہ ہے اپنے جان فروش مسلح سپاہی دائیں بائیں حضرت سعدؓ بن معاذ اور سعدؓ بن عبادہ مرکب ہمایوں کے آگے جبل احد کی جانب روانہ ہوئے راستہ میں ایک جتھہ آ رہا تھا۔ دریافت کرنے پر بتایا گیا کہ یہ عبداللہ بن ابی کے وہ حلیف ہیں جن کا تعلق یہود سے ہے۔ پوچھا: کیا ایمان لے آئے ہیں۔ عرض کی گئی: نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ہم اہل شرک سے جنگ کرتے ہوئے کسی مشرک سے مدد طلب نہیں کرتے۔

علامہ مقریزی نے اپنی کتاب ''امتاع الاسماع'' میں تحریر فرمایا ہے کہ لشکر اسلام جب جبل احد کی ایک کھائی میں پہنچا تو سورج غروب ہو رہا تھا۔ حضرت بلالؓ نے اذان دی قائد کائنات کی امامت میں نماز مغرب اور کچھ دیر بعد عشاء ادا کی گئی۔ لشکر اسلام نے رات وہیں قیام

کیا۔ پہرہ چوکی کا پورا انتظام کیا گیا۔ سپیدہ نور پھیلنے لگا تو حضورؐ نے راستے سے واقف مجاہد طلب فرمائے اور کہا کہ ایسے ٹیلے کی طرف چلو کہ کفار ہمیں دیکھ نہ سکیں۔ ابو خثیمہ نے عرض کی: میں کام کر سکتا ہوں۔ لشکر اسلام ابو خثیمہ کی راہبری میں مقام شوط پہنچا تو عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین اپنے تین صد حواریوں کو ساتھ لے کر واپس جانے لگا اور بڑبڑانے لگا کہ وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں کیوں ڈالیں اور مشورہ کے مسترد ہونے کا بہانا بنا کر ایسے نازک لمحہ میں مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر واپس چلا گیا اور مومنین کے سمجھانے کو درخور اعتنا نہ جانا۔ ایسے نازک موقعہ پر رئیس المنافقین کی یہ بڑی خطرناک چال تھی۔ لیکن اس وقت اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران کی یہ آیت نازل فرمائی:

"نہیں ہے اللہ (کی شان) کہ چھوڑے رکھے مومنوں کو اس حال پر جس پر تم اب ہو۔ جب تک الگ الگ نہ کر دے پلید کو پاک سے"۔

عام حالات میں لشکر سے اتنی بڑی تعداد کا الگ ہو جانا جنگی پالیسی میں بہت بڑا رخنہ ڈال دیتا ہے مگر لشکر اسلام کے جانباز مجاہدوں کے ایمان کا اس نے غلط اندازہ لگایا اور اسے سخت مایوسی ہوئی کیونکہ اس لشکر کا قائد ایک عام بشر نہ تھا۔

مقام شوط سے روانہ ہو کر حضور علیہ السلام جبل احد کی گھاٹی میں پہنچے اور محفوظ مقام پر لشکر اسلام کو اتارا۔ اس وادی میں ایک چھوٹا سا ٹیلہ تھا وہاں حضرت عبداللہؓ بن جبیر کی کمان میں پچاس ماہر تیر اندازوں کا ایک دستہ متعین کر دیا اور انہیں سفید وردی پہننے کو کہا کہ وہ دور سے پہچانے جا سکیں اور تاکیدی حکم دیا کہ ہمارے پیچھے سے کوئی حملہ آور ہو تو ڈٹ کر مقابلہ کرنا ہم فتح یاب ہوں تو بھی اس مورچے کو خالی نہیں چھوڑنا حالات چاہے جو صورت اختیار کریں تمہیں اس جگہ ڈٹے رہنا ہے۔ تم اپنی جگہ جمے رہے تو ہم غالب رہیں گے پھر اللہ تعالیٰ سے عرض کی: اے اللہ تو گواہ رہنا میں نے انہیں سمجھانے میں اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔

ان ارشادات کے بعد لشکر اسلام کو ترتیب دی گئی۔ دائیں بازو کی قیادت حضرت زبیرؓ بن عوام کے سپرد ہوئی اور بائیں حصے کی کمان حضرت منذرؓ بن عمرو کو سونپی گئی جبکہ علم بردار حضرت ابن عمیرؓ کو بنایا گیا اس روز مسلمانوں کا نعرہ اَمِت اَمِت تھا۔ یعنی اے اللہ کفار و مشرکین کو ہلاک کر دے۔

مشرکین کی صف بندی

مشرکین نے بھی کھلے میدان میں اپنی فوج کی صفیں درست کیں ان کا لشکر تین ہزار لڑاکوں پر مشتمل تھا جو مسلمانوں سے نفری کے لحاظ سے چار گنا زیادہ اور سامان جنگ میں بھی بہت زیادہ ذخیرہ موجود تھا۔ خالد بن ولید بائیں بازو اور عکرمہ بن ابوجہل دائیں بازو کے کماندار بنے جبکہ کفار کا پرچم بردار طلحہ بن ابی طلحہ تھا۔ ابوسفیان سارے لشکر کا سپہ سالار تھا۔

جنگ کا آغاز

کفار کی جانب سے جنگ کا آغاز ابو عامر فاسق نے کیا۔ اس نے بنی اوس کو پکارا کہ میں ابو عامر ہوں اب بھی میرے ساتھ آملو۔ جواب میں اسے کہا گیا۔ اے بدمعاش! ہم تمہیں خوب پہچانتے ہیں۔ اس کے بعد اس کے حواری اور مومنین ایک دوسرے پر جھپٹ پڑے۔ ابو دجانہؓ جس نے آپؐ کی تلوار اس شرط پر لی تھی کہ وہ اس کا حق ادا کرے گا شیروں کی طرح دھاڑتے دشمن کی صفوں میں گھس گئے جو زد پر آیا مارا گیا۔ ہندہ زوجہ ابوسفیان ان کی زد میں آئی تو ہاتھ روک لیا بعد میں دوسروں نے اس کی وجہ پوچھی تو کہا: میں نے پسند نہ کیا کہ حضورؐ کی تلوار ایک عورت پر اٹھے۔ کفار کے سردار بھی بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ حضرت علیؓ کفار کی صفیں درہم برہم کر رہے تھے۔ حضرت حمزہؓ اہل مکہ کے کئی سردار کھیت کر چکے۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر اسلام کے پرچم بردار کا کفار کے ایک دستے نے حملہ کر کے ہاتھ کاٹ دیا تو پرچم دوسرے ہاتھ سے تھام لیا وہ بھی کٹ گیا شہادت سے سرفراز ہوئے تو پرچم حضرت علیؓ کے سپرد ہوا۔ ابو طلحہ بن طلحہ کفار کے پرچم بردار نے حضرت علیؓ کو مقابلہ کے لیے پکارا تو آپ شعلے کی طرح اس پر پڑے چند لمحات میں شیخیاں بگھارنے والا زمین پر تڑپ کر واصل جہنم ہو رہا تھا۔ طلحہ کے بعد اس کے بھائی ابوشیبہ عثمان بن طلحہ نے پرچم کفار سنبھالا کہ حضرت حمزہؓ نے آگے بڑھ کر اس کا بھی کام تمام کر دیا۔ یکے بعد دیگرے کفار کے کئی پرچم بردار مارے گئے۔ جب یہ تعداد گیارہ تک پہنچ گئی تو کفار کے حوصلے پست ہو گئے۔ قدم اکھڑ گئے اور وہ میدان جنگ سے بھاگنے لگے مجاہدین ان پر تلواروں سے حملے کرتے رہے بھاگنے والے اپنی خواتین کو بھی بھول گئے اور اپنی جانیں بچانے لگے اور ایسے آثار پیدا ہو گئے کہ مسلمان اپنی فتح کی منزل دیکھ رہے تھے۔

عمرہ بنت علقمہ قریش کی ایک قد آور خوبرو خاتون تھی اس نے اور چند اور عورتوں نے بھاگنے والوں کو لعن طعن کی اور آگے بڑھ کر لشکر کفار کا جھنڈا اٹھایا اور لہرانا شروع کر دیا۔ عمرہ کی اس شجاعت نے کفار کو ایک دفعہ پھر جوش سے لبریز کر دیا اور پلٹ پلٹ کر واپس آنے لگے۔ مسلمانوں

کو گمان بھی نہ تھا کہ یوں بھاگنے والے واپس آئیں گے۔ مسلمانوں کی صفوں میں نظم وضبط بھی باقی نہ رہا تھا۔ کفار مسلمانوں پر حملے کرنے لگے۔ ٹیلہ پر پیچھے سے حملہ آور کو روکنے والا دستہ اپنے قائد کی مرضی و اجازت کے بغیر میدان جنگ میں آ کر ٹیلہ خالی چھوڑ آئے خالد بن ولید نے ٹیلہ خالی دیکھا تو بڑی سرعت سے اپنا دستہ لیکر لشکر اسلام کے پیچھے سے حملہ آور ہو گیا ٹیلہ پر چند گنتی کے مجاہدان کے ہاتھوں شہید ہو گئے بس اب کیا تھا بے نظم وضبط مجاہدوں پر آگے اور پیچھے سے حملے ہونے لگے اور انہیں جان کے لالے پڑ گئے۔ ایسے حالات میں لشکر اسلام کو سنبھالنے کی سر توڑ کوشش کی گئی۔ حضرت حمزہؓ بے پرواہ ہو کر کفار کی صفوں میں گھس کر لڑ رہے تھے جب آپ ایک سردار علمبردار ارطاۃ کے مقابلہ میں آئے اور اسے قتل کرنے میں مصروف تھے کہ پیچھے سے ایک وحشی جو برابر آپ کے پیچھے لگا ہوا تھا موقعہ کی انتظار میں تھا اس وقت اس نے حضرت حمزہؓ کو پیچھے سے ہی حملہ کر کے شہید کر دیا۔ وحشی اہل مکہ کے ایک سردار جبیر بن مطعم کا غلام تھا اس کا چچا بدر میں مقتول ہوا۔ جبیر نے اپنے غلام وحشی سے طے کیا کہ اگر وہ حضورؐ کے چچا حمزہؓ کو قتل کر دے تو وہ آزاد ہے۔ وحشی احد کے میدان میں اسی غرض اور مقصد کے لیے وارد ہوا اور اپنا مقصد حاصل کر گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ وحشی چھوٹا نیزہ پھینک کر نشانہ لگانے میں ماہر تھا دوران جنگ آپ کی زرہ پیٹ سے ہٹ گئی وحشی موقعہ کی تلاش میں تھا وہ ایک درخت کی آڑ میں کھڑا تھا کہ حضرت حمزہؓ کے پیٹ کا کچھ حصہ اسے ننگا نظر آیا۔ اس نے فوراً نشانہ لگا کر نیزہ پھینکا جو سیدھا آپ کے پیٹ میں پیوست ہو گیا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکے اور شہادت سے سرفراز ہوئے۔

تیر انداز دستہ اپنا مورچہ خالی چھوڑ چکا تھا اور لشکر کفار خالد بن ولید کی فوجی قیادت میں حملے کر رہا تھا۔ لشکر اسلام دونوں طرف سے گھیرے میں آ گیا مگر جام طہور پینے والوں نے شجاعت اور جانفروشی کے میدان میں اپنے خون سے ایسے پائندہ اور تابندہ نقوش ثبت کئے جن کی چمک جاودانی تھی اور باطل کے علمبرداروں کے اس نازک لمحات میں بھی چھکے چھڑا دیئے۔ حضور علیہ السلام کے احکامات کی خلاف ورزی کرنے سے تیر اندازوں نے جو غلطی کی اس کا نقصان تو بہت برداشت کرنا پڑا مہاجرین اور انصار میں بھی بڑے بڑے اپنے اللہ سے جا ملے حتیٰ کہ نبی اکرمؐ بھی زخمی ہوئے دندان مبارک شہید ہو گئے۔ چند ساعت پہلے جو لشکر شکست کھا کر بھاگ رہا تھا' مسلمانوں کی فتح اب شکست میں بدل رہی تھی۔ اسی عالم میں کسی شیطان نے تین بار پکار کر کہا کہ حضرت محمدؐ کو قتل کر دیا گیا ہے۔ یہ سن کر مسلمان حواس باختہ ہو گئے اور بڑے بڑے شیر دل صحابہ انتشار کی زد میں آ گئے مگر حضور علیہ السلام کفار سے برسر پیکار تھے اور اپنی کمان سے دشمن پر تیر برسا رہے تھے اور ابو طلحہؓ اور دیگر صحابہ آپ کے دفاع میں جان کی بازی لگا رہے تھے کسی کافر کو آپؐ کے

نزدیک بھی آنے نہ دیتے تھے۔ان جانبازوں میں حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ عمر فاروقؓ علیؓ عبدالرحمٰن بن عوفؓ سعد بن وقاصؓ ۔ابوعبیدہ بن جراحؓ اور سات انصاری تھے۔کفار چاروں طرف سے حضور علیہ السلام پر تیر برسا رہے تھے مگر اللہ تعالیٰ حفاظت فرما رہا تھا۔حضور علیہ السلام لڑتے لڑتے ایک خفیہ گڑھے میں گر پڑے جو ابو عامر نے مسلمانوں کے لیے کھدوائے تھے۔ حضرت علیؓ اور طلحہؓ نے آپ کو سنبھالا دیا۔

ابوسفیان حضورؐ کی تلاش میں

جب یہ افواہ پھیلی کہ حضور علیہ السلام شہید ہو گئے ہیں تو لشکر اسلام میں بدنظمی پیدا ہو گئی۔لیکن سب سے پہلے جس نے آپؐ کو دیکھا وہ کعب بن مالک تھے انہوں نے چیخ چیخ کر کہا اے مسلمانوں یہ ہیں ہمارے آقا۔آپؐ نے کعب بن مالک کو اس اعلان سے روک کر خاموش رہنے کا اشارہ فرمایا۔تاہم جن مجاہدوں نے سنا وہ حضورؐ کے اردگرد اکٹھے ہو گئے۔پھر آپ نے کعب کا زرد رنگ کا خود خود پہنا اور اسے اپنا پہنا دیا کفار نے اس غلط فہمی میں کعب کو حضورؐ سمجھ کر اپنی تلواروں پر رکھ لیا انہیں سترہ زخم لگے اس طرح کفار سمجھے کہ انہوں نے حضورؐ کو شہید کر دیا ہے اور ابوسفیان نے بھی اپنی تسلی کے لیے لوگوں سے حضورؐ کی شہادت کے متعلق تصدیق کی مگر خالد بن ولید کے بیان نے کہ اس نے ابھی ابھی پہاڑ پر چڑھتے دیکھا ہے اس کی غلط فہمی دور کر دی۔لشکر کفار نے حضورؐ کو پہاڑ پر جانے سے روکنے کے لیے اجتماعی حملہ کیا انہیں روکنے کیلئے یکے بعد دیگرے گیارہ انصاری جام شہادت سے سرفراز ہوئے اور حضور علیہ السلام اور طلحہؓ پہاڑ پر چڑھ گئے۔ابو طلحہؓ زبردست اور ماہر تیرانداز تھے ان کی تیراندازی نے کفار وہاں سے بھاگ نکلے اس مرحلہ پر حضرت صدیق اکبرؓ۔عمر فاروقؓ۔حضرت علیؓ۔زبیر بن عوامؓ۔طلحہ بن عبیداللہؓ اور حارث بن الصمد اور اہل ایمان کی ایک اور جماعت بھی موجود ہو گئی۔

اسی اثناء میں کفار کی ایک اور جماعت سامنے پہاڑی چوٹی پر نمودار ہوئی اور تیراندازی کرنے لگی۔حضور علیہ السلام نے اللہ سے دعا کے بعد مجاہدین کو بھی تیراندازی کا حکم دیا۔مجاہدین کے جوابی حملہ سے کفار اس چوٹی کو خالی کر گئے جسکی قیادت خالد بن ولید کر رہے تھے کفار کی عورتوں نے انتہائی کمینگی کا مظاہرہ کیا جن اہل ایمان کی لاشیں انکے قبضہ میں تھیں ان کی بڑی بے دردی سے بے حرمتی کی مثلاً ناک' کان کاٹ لیے اور آنکھیں نکال لیں۔حضرت حمزہؓ کا پیٹ بھی چاک کیا گیا اور کلیجہ نکال کر ہندہ کو پیش کیا گیا۔

خاتمہ جنگ

اسی حال میں جنگ بند ہوگئی دونوں لشکر الگ الگ ہو گئے ابوسفیان گھوڑے پر سوار وہاں آیا۔ جہاں حضورؐ اور فرزندان اسلام اکٹھے تھے اور تین دفعہ پکارا: کیا تم میں محمدؐ ہیں۔ حضورؐ نے جواب دینے سے منع فرمادیا۔ پھر اس نے صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ کا پوچھا۔ حضورؐ نے جواب سے منع کر دیا۔ جواب نہ پا کر وہ بخوشی اپنے لشکر میں آیا اور انہیں خوشخبری دی کہ یہ تینوں مقتول ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر عمر فاروقؓ نے جواب دینے کی اجازت لی اور بلند آواز سے کہا: اے معلون تجھے ذلیل ورسوا کرنے کے لئے یہ تینوں اللہ کے فضل سے زندہ ہیں۔ ابوسفیان نے ہبل کا نعرہ لگایا تو مسلمانوں نے اللہ کا نعرہ بلند کیا۔ آخر میں ابوسفیان نے کہا: تم ہم پر غضب ناک ہو کہ ہم نے تمہارے مقتولوں کا مُثلہ کیا ہے۔ بخدا میں اس حرکت پر خوش نہیں ہوں۔ نہ میں نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا اور نہ حکم دیا۔ آئندہ ہمارا تمہارا مقابلہ پورے ایک سال بعد ہوگا بدر الصفر اکے مقام پر۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہمیں منظور ہے۔

مدینہ پر کفار کی یلغار کا امکان

ابوسفیان حضورؐ کو آئندہ سال جنگ کا اعلان کر کے واپس ہوا اور اپنے لشکر کو واپس مکہ روانگی کا حکم دیا۔ ادھر حضور علیہ السلام کو خدشہ ہوا کہ کہیں یہ لوگ مدینہ کی طرف نہ چلے جائیں۔ اس لیے ان کی نقل وحرکت کی نگرانی کے لیے حضرت علیؓ کو مقرر فرمایا تو آپ نے ملاحظہ کیا کہ وہ مکہ لوٹ گئے ہیں۔

زندہ جاوید سرفروش

جبل احد کی اس قتل گاہ میں عشق ووفا سے لبریز عاشقان رسولؐ نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر جانبازی اور سرفروشی کے مظاہرے کیے کہ تا قیامت آنے والے راہ روان منزل جاناں کو دعوت دیتے رہیں کہ عشق کے میدان میں قدم رکھنا ہے تو ایسے رکھو تا کہ کیف ومستی کے چشموں سے سیراب ہوسکو۔ اسی راہ کے مسافروںؓ کی یاد سب سے قیمتی زادراہ ہے اس لیے جذبہ محبت کی نشوونما کے لیے چند وفا شعار ہستیوں کا ذکر قارئین کے لیے باعث سعادت ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن جحشؓ

حضرت سعد راوی ہیں جنگ سے قبل عبداللہ بن جحش نے مجھے کہا آؤ ایک الگ جگہ اللہ سے دعا مانگیں۔ آپ کی دعا پر میں آمین کہوں گا میری دعا پر آپ آمین کہیے چنانچہ ہم دونوں ایک

مقام پر گئے۔ پہلے میں نے دعا مانگی۔ یاالٰہی! کل جب دشمن سے میرا مقابلہ ہو تو میرے مقابلے میں ایک ایسا طاقتور جنگجو بھیج تاکہ میں رضا کے لیے اس سے لڑوں اور وہ مجھ سے جنگ کرے پھر مجھے اس پر غلبہ عطا کرتا کہ میں اس کو قتل کر دوں حضرت عبداللہ بن جحش کہتے ہیں میں نے آمین کہی۔ پھر حضرت عبداللہ نے دعا مانگی۔ عرض کی: یااللہ میرے مقابلہ میں ایک کافر بھیج جو طاقتور و تنومند اور فن حرب کا ماہر ہو میں تیری رضا کے لیے اس سے جنگ کروں۔ آخر کار وہ مجھ کو قتل کر دے۔ پھر وہ میری ناک اور کان کاٹ دے اور جب میں روز قیامت اس حالت میں تجھ سے ملاقات کروں تو تو فرمائے اے میرے بندے کس جرم میں تیری ناک کان کاٹے گئے تو جواب میں عرض کروں کہ تیری محبت اور تیرے رسولؐ کے عشق کے جرم میں۔ پھر تو فرمائے اے میرے بندے! تم سچ کہہ رہے ہو۔ حضرت سعد بن وقاص کہتے ہیں میں نے آمین کہی اور کہا: اے عبداللہ تمہاری دعا میری دعا سے اچھی ہے۔ آپ فرماتے ہیں ہم دونوں کے ساتھ ایسے ہی ہوا۔

حضرت ابوسعد خثیمہؓ

جنگ احد کے روز حضرت ابوخثیمہؓ حضورؐ کے پاس آ کر عرض کرنے لگے۔ یارسول اللہؐ میں جنگ بدر میں شامل ہونے سے محروم رہا حالانکہ مجھے بہت شوق تھا۔ ہم دونوں باپ بیٹوں نے بدر میں شرکت کرنے کیلئے قرعہ نکالا تو وہ میرے بیٹے کے نام کا نکلا وہ بدر میں اپنی مراد کو پہنچا اور شہید ہو گیا کل رات وہ مجھے خواب میں ملا اور کہا ابا جلد میرے پاس آ جاؤ یہاں جنت کے باغات بڑے اچھے ہیں۔ اے اباب جلد آ جاؤ ایک ساتھ رہیں گے۔ یارسول اللہؐ اب میں بے چین ہوں میرے لیے دعا فرمائیے کہ اللہ مجھے آپؐ پر قربان ہونے کی توفیق دے اور شہادت پاؤں۔ حضورؐ نے اپنے اس غلام کے لیے دعا فرمائی جو قبول ہوئی اور جنگ میں ابوخثیمہؓ کو بھی شہادت نصیب فرمائی۔

حضرت حنظلہؓ غسیل الملائکہ

قدرت کے کرشمے بڑے حیرت انگیز ہوتے ہیں جسے چاہا پھٹکار دیا اور جسے چاہا اپنا بنا لیا۔ یہ حضرت حنظلہؓ جن کا ذکر اب ہو رہا ہے یہ ابو عامر فاسق اور دشمن رسول کا بیٹا تھا۔ باپ مکمل گمراہ جن کا یہ بیٹا صدق و صفا کا پیکر بنا۔ یہ اسرار جاننے والا رب العالمین ہے جس کے سامنے

عقل حیران ہے۔آیئے حضرت حنظلہؓ کی جان نثاری کی شان ملاحظہ کریں۔

جب اسلام کے عقابوں کے مسلسل حملوں کی تاب نہ لاکر مشرکین قریش کی صفیں بکھرنے لگیں اوران کے قدم اکھڑنے لگےتو حضرت حنظلہؓ کولشکر کفار کا سپہ سالار ابوسفیان نظر آیا آپ تلوار لہراتے ہوئے اس پر حملہ آور ہوئے تلوار کا یہ وار ابوسفیان کے گھوڑے پر پڑا۔گھوڑے کے گرتے ہی ابوسفیان بھی زمین پر آرہااور مدد کے لیے پکارنے لگاایک کافر فوراًمدد کو پہنچااس نے حضرت حنظلہؓ پر نیزے سے حملہ کیا جوان کے آرپار ہوگیا۔حضرت حنظلہؓ نے تلوار سے اس پر لپکنے کی کوشش کی کہ کافر نے دوسراوار کردیا جو جان لیوا ثابت ہوا۔حضورعلیہ السلام کی خدمت میں حضرت حنظلہؓ کی جاں بازی کا تذکرہ کیا گیاتو فرمایامیں نے دیکھا کہ زمین وآسمان کے درمیان بارش کے تازہ پانی سے چاندی کے تھالوں میں فرشتے ان کوغسل دے رہے ہیں حضرت ابواسید الساعدی کہتے ہیں کہ جب ہم ان کے پاس گئےتوان کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ شہیدوں کوغسل دیئے بغیردفن کیا جاتا ہے حضرت حنظلہؓ کوغسل کیوں دیا گیااور وہ بھی فرشتوں کے ذریعہ۔یہ ساراواقعہ چونکہ عجیب تھالہٰذاحضورؐ نے فرمایا:ان کے اہل خانہ سے دریافت کرو۔ جب شہید کی بیوہ سے پوچھا گیاتواس عفت شعار نے کہا:رات کوہی اس کی شادی ہوئی صبح ہوئی تو حضور کی طرف سے جہاد کا اعلان ہورہا تھا۔وہ لبیک لبیک کہتے حاضر ہوگئےتعمیل حکم میں اتنی بھی تاخیر گوارہ نہ کی کہ وہ غسل جنابت کرلیتے اور جہاد پر چلے گئےآپ کی زوجہ جمیلہ عبداللہ بن ابی کی بہن تھی انہوں نے حنظلہؓ کے جہاد پر جانے کے بعد خاندان کے چارآدمیوں کواس کا گواہ بنایا کہ اس کے خاوند نے آج رات ان سے ہم بستری کی ہے۔انہوں نے پوچھا۔یہ تکلف کیوں کیا تو جمیلہ نے بتایاحنظلہؓ کے جہاد پر جانے کے بعد میں نے دیکھا کہ آسمان کھل گیا ہےاور حنظلہؓ اس میں داخل ہوگئے ہیں اور پھرآسمان کا دروازہ بند کردیا گیامیں سمجھ گئی کہ حنظلہؓ جنگ میں شہید ہو جائیں گے۔

حضرت ابودجانہؓ

آپ کوحضورعلیہ السلام کی تلوار عطاء ہوئی تھی میدان جنگ میں مختلف مقامات پر برسرپیکار تھے۔انہوں نے دیکھا کہ کچھ کفار نے اکٹھے ہوکرحضورؐ پر حملہ کردیا ہےفوراًوہاں پہنچے اور

حضور کے آگے ڈھال بن کر کھڑے ہو گئے مشرکین نے تیروں کی بوچھاڑ کردی۔ ابودجانہؓ اپنے آقا کے آگے سے سرمو نہ ہٹے ان کی پشت تیروں سے بھر گئی مگر کفار کو حضورؐ کے نزدیک نہ آنے دیا۔ اسی دوران کفار کا ایک شہسوار عبداللہ بن حمید اپنا گھوڑا دوڑاتے ہوئے آیا اور کہا: محمدؐ کہاں ہیں بخدا میں انہیں قتل کروں گا یا خود مارا جاؤں گا۔ ابودجانہؓ نے آگے بڑھ کر کہا انہیں رہنے دو پہلے ان کے غلام سے دو دو ہاتھ ہو جائیں تو آپ نے اس کے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں اور دوسرے وار سے اس کا سر اڑا دیا۔

حضرت عمارؓ بن یزید بن شکم

ایک دوسرے موقعہ پر کفار نے حضورؐ کو گھیرے میں لے لیا تو حضرت عمارؓ بن یزید فوراً آگے بڑھے۔ کفار کے نرغے کو توڑ دیا اور اس شجاعت اور بہادری کا مظاہرہ کیا کہ اس کی مثال نہیں۔ دشمن تو بھاگ گئے مگر حضرت عمارؓ کا جسم زخموں سے بھرا ہوا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا: انہیں میرے پاس لاؤ۔ عمارؓ نے حضورؐ کے قدم مبارک پر اپنا سر رکھ کر اپنی جان جان آفرین کے حوالے کردی۔ ایک روایت کے مطابق قدم مبارک پر اپنے رخسار رکھ کر یہ کہا۔ حضور خوش ہیں؟

حضرت عبداللہؓ بن جحش

اس جانباز نے دیکھا کہ اس کی تلوار ٹوٹ گئی تو پریشان ہو گیا۔ آپؐ سے اس مجاہد نے عرض کی کہ میرے پاس تلوار نہیں مسلمانوں کے پاس اسلحہ کا کوئی ذخیرہ تو تھا نہیں۔ آپؐ نے زمین پر پڑی ہوئی کھجور کی سوکھی شاخ اسے دی اور مقابلہ کرنے کو کہا۔ جونہی وہ سوکھی ٹہنی مجاہد کے ہاتھ میں آئی وہ شاندار تلوار کی صورت اختیار کر گئی' بس اب کیا تھا مجاہد کا جذبہ آسمان پر تھا بڑی شجاعت اور ماہرانہ جنگ سے کفار کو گھائل کرنے لگا۔ وہ تلوار اس گھرانے میں کئی نسلوں تک رہی یہاں تک کہ خلیفہ معتصم بن ہارون الرشید نے وہ تلوار خریدی' حضرت عقاصہ کا بھی ایسا ہی واقعہ ہے۔

شہدائے احد کی تدفین

شہدائے کرام کے جسموں سے اسلحہ اور زرہیں الگ کر لی گئیں پھر خون آلود جسم اور خون سے تربتر کپڑوں میں یونہی دفن کر دیئے گئے۔ بعض قبروں میں دو دو تین تین شہیدوں کو ایک ساتھ دفن کیا گیا۔ تدفین کے بعد مدینہ منورہ واپسی شروع ہو گئی۔ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ

جب گھوڑے پر سوار ہوئے تو صحابہ کرام نے آپؐ کے ارد گرد گھیرا بنالیا اس وقت چودہ خواتین بھی موجود تھیں اور اپنے پروردگار کی ثناء وحمد کی۔

میدان احد میں فتح کے بعد چند مجاہدین کی غلطی کی وجہ سے جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا۔ مسلمان جو کفار کو خس وخاشاک کی طرح بہا کر لے جا رہے تھے اور وہ جانیں بچانے کی فکر میں ادھر ادھر بھاگ رہے تھے' اب خود اہل مکہ کی تلواروں سے کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ جنگ کے خاتمے کے بعد وہ جب رنج وغم اور درد والم کے اس طوفان میں اپنے آقا کے ساتھ عزیمت واستقامت کے ساتھ آ رہے تھے تو اسلام سے بیزاری اور مایوسی کی کوئی لہر نہیں اٹھی بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس محبوب اور اس کے دین حنیف سے لگن میں اضافہ ہوا اس کا اندازہ ایک مومنہ کے حال سے بخوبی واضح ہو گا۔

صحابہ کرام کا یہ قافلہ بنی دینا قبیلہ کی ایک خاتون کے پاس سے گزرا۔ جس کا جنگ احد میں باپ، بھائی اور خاوند شہید ہو چکے تھے۔ جب اللہ کی بندی کو بتایا گیا تو اس نے کہا: ''انہیں رہنے دو''۔ مجھے بتاؤ میرے آقا کا کیا حال ہے۔ اسے کہا گیا حضورؐ اللہ کے فضل سے خیریت سے ہیں۔ کہنے لگی مجھے دکھاؤ کہ حضورؐ کہاں ہیں تا کہ میں روئے مبارک دیکھ لوں اشارے سے بتایا کہ حضورؐ وہ کھڑے ہیں۔ حضورؐ کو دیکھ کر مومنہ کی زبان سے نکلا۔ حضورؐ سلامت ہیں تو پھر ہر مصیبت ہیچ ہے۔

لشکر اسلام کی اس ظاہر پریشانی پر یہود مدینہ اور منافقین بہت خوش تھے۔ وہ لوگوں کو اسلام سے متنفر کرنے کے لیے بھانت بھانت کی بولیاں بولتے اور پیغمبرؐ اسلام کی صداقت کو چیلنج کرتے۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کا بیٹا جنگ میں زخمی ہوا تھا جسے وہ کہتا کہ مجھے پہلے ہی پتہ تھا کہ مسلمانوں کا یہ حال ہوگا اسی لیے میں شریک نہیں ہوا اور پھر میرا مشورہ بھی حضور علیہ السلام نے نہ مانا مگر وہ جواب دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ اور مسلمانوں کے لیے جو کیا ہے اس میں بہتری ہے۔

غزوۂ حمراء الاسد

میدان احد سے روانہ ہوتے وقت ابوسفیان حضور علیہ السلام کو آئندہ برس پھر جنگ کا

اعلان کر گیا تھا جسے قبول بھی کر لیا گیا۔ کفار سمجھتے تھے کہ انہوں نے مقتولان بدر کا انتقام لے لیا۔ سفر کرتے ہوئے جب کچھ دور نکل آئے تو انہیں فتح کی بجائے ناکامی کے آثار نظر آنے لگے اور برہم ہو کر ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ سوائے چند ذی الاثر افراد کو قتل کرنے کے ہم نے کیا حاصل کیا۔ اسلام کی اہم اور کلیدی شخصیتوں کا کچھ نہ بگاڑ سکے' یہ کیسی فتح ہے۔ اسلام کے شیدائی تو پھر مجتمع ہو سکتے ہیں اور آئندہ تم کو کاری ضرب لگانے کے قابل ہو جائیں گے۔ اب فوراً اٹھو۔ واپس چلو انہیں سنبھلنے کا موقعہ نہ دو اور ان پر حملہ کر کے ان کی جڑیں کاٹ دو۔

سرور عالمؐ اگرچہ خود بھی زخمی تھے اور مجاہدین کی کثیر تعداد بھی بری طرح زخمی تھی اور ابھی ایک رات ہی گھر میں گزری تھی کہ صبح سویرے حضور علیہ السلام نے کفار مکہ پر حملہ کرنے کے لیے فوراً تیاری کا حکم دے دیا اور ساتھ ہی اعلان فرما دیا جو مسلمان جنگ احد میں شریک ہوئے تھے صرف وہ ہی شرکت کریں گے۔

صحابہ کرام اگرچہ زخمی تھے مگر شیروں کی سی ہمت اور جرأت کے ساتھ آقا کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے تیار ہونے لگے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کی قیادت میں لشکر اسلام ابوسفیان کے لشکر کے تعاقب میں مدینہ طیبہ سے روانہ ہوا اور حمراء الاسد کے مقام پر قیام فرمایا۔ یہاں بنی خزاعہ کا قبیلہ آباد تھا۔ یہاں کا ایک شخص معبد نامی حاضر ہو کر مشرف با اسلام ہوا اور لشکر اسلام میں شامل ہو کر کچھ خدمت بجا لانے کی اجازت چاہی اور اکیلا لشکر اسلام سے ابوسفیان کی طرف جانے کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ حضورؐ نے اسے اجازت دی۔ وہ ابوسفیان کو ملا اور اسے مجاہدین کے تعاقب اور حملہ سے اس قدر خوفزدہ کیا کہ کفار کے لشکر کے سرداروں نے بلا تاخیر اپنے لشکر کو مکہ روانہ ہونے کا حکم دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے حضور علیہ السلام پر حملہ کرنے والے لشکر نے اسی میں اپنی عافیت سمجھی کہ فوراً مکہ روانہ ہو جائے۔ اس طرح کسی مٹھ بھیڑ کے بغیر لشکر اسلام واپس مدینہ طیبہ آ گیا۔

مشرکین کی غداریاں

جنگ احد کے تھوڑے عرصہ بعد مقام رجیع کا ایک وفد حاضر ہوا اور عرض کی کہ ان کا قبیلہ اسلام کو رفتہ رفتہ پسند کرنے لگا ہے۔ حضور کچھ مبلغ اس کے ساتھ بھیجیں انہیں امید ہے کہ تعلیم اسلام سے وہ اسلام قبول کر لیں گے آپؐ نے حضرت مرثد کی قیادت میں چھ مبلغین کا وفد ان کے ساتھ

روانہ کر دیا۔ جب یہ لوگ حجاز کی اطراف میں قبیلہ ہذیل کے پاس رک گئے اور بنی ہذیل سے خفیہ کہا کہ اگر وہ مدد کریں تو مسلمانوں کے اس طایفہ کو گرفتار کر کے اہل مکہ کے ہاتھ منہ مانگے دام پر فروخت کر دیں گے اس میں تم بھی حصہ دار ہو گے۔ وہ آمادہ ہو گئے اور اسلحہ سے لیس ہو کر مبلغین کے پاس آئے اور انہیں گھیرے میں لے لیا۔ مسلمانوں نے بھی تلواریں بے نیام کر لیں اور مرنے مارنے پر تل گئے۔ ان میں سے حضرات مرثد، خالد اور عاصم نے لڑ کر شہادت پائی باقی تینوں کو گرفتار کر کے اہل مکہ کے پاس لے گئے۔ بالآخر یہ بھی شہید کر دیئے گئے ان کے نام نامی یہ تھے حضرات خبیب اور زید جبکہ حضرت عبداللہ بن طارق کو راستہ میں شہید کر دیا گیا۔

حضرت موسیٰ بن عتبہ مغازی میں لکھتے ہیں کہ حضرت زید اور خبیب کو ایک روز ہی شہید کیا گیا۔ حضور علیہ السلام کو لوگوں نے یہ فرماتے ہوئے سنا۔

''تم دونوں یا اے خبیب تجھ پر سلام ہو۔ خبیب کو قریش نے قتل کر دیا''۔

عاشقوں کے اس عشق کی محشر سامانیوں اور خلوص کی رعنائیوں کا مشاہدہ کر کے حضرت علامہ اقبالؒ یہ کہہ اٹھے۔

عاشقاں رو زخوباں خوب تر
خوشتر و زیبا تر و محبوب تر

بیر معونہ

دھوکہ بازی اور غداری کا یہ ایک خونچکاں حادثہ ہے جو غزوہ احد کے چار ماہ بعد صفر میں ہوا۔ ابو براء جو ملاعب الاسنہ (نیزوں سے کھیلنے والا) کے لقب سے مشہور تھا مدینہ طیبہ میں نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جو اس نے قبول نہ کی اور برہمی کا اظہار بھی نہ کیا۔ ارشادات سننے کے بعد کہنے لگا۔ اگر آپ صحابہ کی ایک جماعت اہل نجد کی طرف روانہ کریں جو انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دے تو مجھے امید ہے وہ اسلام قبول کر لیں گے۔ اس کی گفتگو سن کر حضورؐ نے فرمایا مجھے اندیشہ ہے کہ اہل نجد ان کو نقصان پہنچائیں گے۔ اس نے کہا: آپ کے صحابہ کو اپنی پناہ دیتا ہوں کسی کی مجال نہیں کہ انہیں کوئی تکلیف پہنچائے۔

چنانچہ پیغام حق پہنچانے کے لیے اپنے چالیس صحابہ کا انتخاب کیا بخاری کی روایت

میں یہ تعداد ستر بتائی گئی ہے اس جماعت کی قیادت منذر بن عمرو انصاری کے سپرد ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کے وفا شعار بندوں کا یہ گروہ اہل نجد کے تاریک دلوں کو نور توحید سے منور کرنے کے ارادے سے ابو براء کی معیت میں روانہ ہوا اور بالآخر یہ قافلہ معونہ نامی کنویں کے پاس جا اترا۔ یہاں فروکش ہو کر قائد قافلہ نے اس قبیلہ کے سردار کے پاس اپنا آدمی بھیجا کہ اسے حضور علیہ السلام کا مکتوب پہنچائیں۔ قبیلہ کے بدبخت سردار عامر بن طفیل نے پڑھنا بھی گوارہ نہ کیا اور اپنے ایک آدمی کو اشارہ کیا جس نے خاموشی سے پیچھے آ کر مسلمان کی پشت میں نیزہ گھونپ دیا اور اسے شہید کر دیا۔ یہ شہید حرام بن ملحان ام سلیم کے بھائی حضرت انسؓ کے ماموں تھے۔

عامر بن طفیل نے اپنے قبیلہ کو اکٹھا کر کے اہل ایمان کے اس قافلہ کو تہ تیغ کرنے کا حکم دیا۔ مسلمان اپنے خیموں میں اطمینان سے بیٹھے تھے کہ اہل نجد نے ہلہ بول دیا تو انہوں نے بھی جلد ہی اپنی تلواریں سیدھی کر لیں اور مقابلہ کرنے لگے مگر سینکڑوں حملہ آوروں نے ان مبلغین میں سے کسی کو معاف نہ کیا اور چن چن کر سب کو شہید کر دیا۔ صرف ایک فرد جو زخموں سے چور نعشوں میں پڑے تھے زندہ بچے جنہیں زخمی حالت میں مقتل گاہ سے لایا گیا۔

سرور عالمؐ کو جب اس المناک سانحہ کی اطلاع ملی تو آپؐ کو انتہائی دکھ ہوا اور ایک ماہ تک صبح کی نماز میں ان غداروں کے لیے بددعا فرمائی۔

غزوہ بنی النضیر

مدینہ طیبہ میں یہود اور منافقین کے دو گروہ ایسے تھے جو اگرچہ بے شمار اختلافات رکھتے تھے مگر اسلام کے خلاف اور اسلام دشمنی میں نہ صرف متفق تھے بلکہ مسلمانوں کے جانی و مالی نقصان کے لیے ہر وقت کوشاں رہتے۔ اب انہوں نے خاص کر یہود نے آپؐ کے خلاف اپنی سرگرمیوں میں اضافہ کر دیا اور حضور علیہ السلام کے ساتھ معاہدوں کا ذرا بھی پاس نہ کیا دوسری طرف اہل مکہ نے بھی یہود کو مسلمانوں کے خلاف راست اقدام کرنے پر بہت اکسایا۔

اس لیے یہود نے اب کھلم کھلا حضور علیہ السلام کے خلاف سازشیں کرنی شروع کر دیں جن میں بنی نضیر پیش پیش تھے۔ جنگ بدر کے بعد یہود بنی قریظہ نے باہمی معاہدے کی خلاف ورزی کی تو ان کو مدینہ بدر کر دیا گیا۔

بنی نضیر نے حضور علیہ السلام کو شہید کرنے کے لیے سازش تیار کی کہ حضورؐ کو اپنے ہاں دعوت دو اور ایسی جگہ بٹھاؤ کہ اوپر سے چکی کا ایک بڑا پاٹ ان پر گرا کر خاتمہ کر دو۔ چنانچہ حضورؐ حضرات صدیق اکبرؓ۔ عمر فاروقؓ۔ علیؓ۔ عثمانؓ و چند اور کے ہمراہ بنی نضیر کے ہاں پہنچے تو یہود نے آپؐ کو پروگرام کے مطابق اسی جگہ بٹھا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت یہود کی سازش سے آگاہ کر دیا۔ آپ فوراً اٹھ کر چلنے لگے۔ سب سمجھے کہ حضورؐ رفع حاجت کے لیے گئے ہوں گے کافی وقت گزرنے کے بعد بھی جب آپؐ واپس نہ آئے تو باقی صحابہ حضور علیہ السلام کو ڈھونڈتے ہوئے مدینہ آئے آپؐ کو وہاں پایا۔ حضورؐ نے صحابہ کو یہود کی سازش کے متعلق بتایا اور محمد بن مسلمہ کو یاد فرمایا اور ان کو بنی نضیر کی طرف پیغام دے کر روانہ کیا۔ محمد بن مسلمہ نے بنی نضیر کے پاس جا کر کہا کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ جو معاہدہ میں نے تمہارے ساتھ کیا تھا۔ تم نے دھوکہ بازی کر کے اسے توڑ دیا ہے۔ عمرو بن حجاش چھت پر چڑھ گیا تھا تا کہ چکی کا پاٹ مجھ پر گرائے۔ اس کے بارے میں میرے اللہ نے مجھ کو آگاہ کر دیا۔ یہ سن کر بنی نضیر پر سناٹا طاری ہو گیا محمد بن مسلمہ نے کہا کہ حضور علیہ السلام نے تمہیں حکم دیا ہے کہ:

''میرے شہر سے نکل جاؤ۔ تمہیں دس دن کی مہلت ہے اس کے بعد تم میں سے اگر کوئی آدمی یہاں نظر آیا تو اس کی گردن اڑا دی جائے گی''۔

محمد بن مسلمہ قبیلہ اوس سے تھا اس قبیلہ کے تعلقات بنی نضیر سے بہت اچھے تھے۔ یہ پیغام سن کر یہ لوگ کوچ کی تیاری میں لگ گئے کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے انہیں کوچ سے روک دیا اور کہا کہ قلعہ بند ہو جاؤ میں اور میرے دو ہزار مسلح جوان تمہارے ساتھ ہیں اس نے بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد کو بھی اپنے یہودی بھائیوں کی مدد کے لیے آمادہ کرنے کی ناکام کوشش کی۔ چنانچہ وہ عبداللہ بن ابی کے جھوٹے وعدوں پر اعتبار کرتے ہوئے قلعہ بند ہو گئے اور جنگ کی ٹھان لی اور حضورؐ کے شہر سے چلے جانے کے حکم کو ماننے سے انکار کر دیا۔

سرور عالمؐ دس دن گزرنے کے بعد بنی نضیر کے محاصرہ کے لیے روانہ ہوئے نماز عصر کے وقت پہنچ کر بنی نضیر کا محاصرہ کر لیا گیا۔ رات گزر گئی نعرہ بازی ہوتی رہی۔ دوسرے دن بنی نضیر کے غزوک نامی ماہر تیر انداز نے گاہے گاہے تیر برسائے۔ جو ایک کمین گاہ میں محفوظ بیٹھا تھا۔ حضرت علیؓ کو پتہ لگا تو وہ اکیلے اس کی تلاش میں نکلے آخر اسے پکڑ لیا اور فوراً گردن اڑا دی۔

محاصرے نے طول پکڑا تو حضورؐ نے یہود کے نخلستان کے درخت کاٹ دینے کا حکم دیا۔ جب عجوہ کھجور کے درخت کٹنے لگے تو یہود کو بہت تکلیف ہوئی کیونکہ یہ قیمتی کھجور تھی۔ یہود کے رئیس حی بن اخطب نے حضورؐ کو کہلا بھیجا کہ آپ تو فساد کو روکنے کا حکم دیا کرتے تھے اب پھلدار درختوں کو کیوں کاٹنے کا حکم دیا۔ جنگی نقطہ نظر سے یہ درختوں کے جھنڈ بطور مورچہ استعمال ہو سکتے تھے۔ اس لیے بھی ان کی صفائی لازمی تھی دوسرا یہود کی ذہنی پریشانی بھی ضروری تھی۔

بنی نضیر کے رئیس نے دیکھا کہ کئی دن گزرنے کے بعد بھی کسی طرف سے امداد نہیں ملی تو اس نے ہتھیار ڈال دیئے اور حضور علیہ السلام کو پیغام دیا کہ ہم آپ کے شہر کو چھوڑ دیتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے ایک اونٹ پر لدا سامان بغیر جنگی اوزار کے ساتھ شہر سے نکلنے کی شرط لگادی۔

بنی نضیر کے یہود نے اس شرط پر مدینہ خالی کرنے سے انکار کر دیا ادھر سخت محاصرہ جاری رکھا گیا۔ آخر کار یہود کو شکست تسلیم کرنا پڑی اور مدینہ طیبہ سے حضورؐ کی شرط پر جلاوطنی قبول کر لی ان کی اکثریت خیبر جا کر آبادی ہوئی جبکہ کچھ خاندان شام چلے گئے۔ اس طرح اسلام کا یہ مقدس مرکز ایک ایسے عنصر سے پاک ہو گیا جس کی فطرت میں اسلام کی عداوت اور عہد شکنی منصوبہ سازی جیسی کمینہ خصلتیں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔

غزوہ ذات الرقاع

بیر معونہ کا حادثہ بھولنے والا واقعہ نہ تھا۔ اندرونی خطرات اور قرب وجوار سے اپنا دفاع مضبوط کرنے کے بعد حضور علیہ السلام چار صد مجاہدین کے ساتھ بیر معونہ کے ذمہ دار افراد کی سرکوبی کیلئے روانہ ہوئے۔ جس وادی میں جا کر قیام کیا اسے ذات الرقاع کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ بیر معونہ کے قبائل کو پتہ چلا تو وہ بھی بہت بڑا لشکر اکٹھا کر کے مقابلے پر آ گئے۔ چندروز قیام کے بعد بھی کسی لشکر نے جنگ کا آغاز نہ کیا اور مسلمانوں نے بھی پہل کرنا مناسب نہ سمجھا۔ چنانچہ چندروز فریقین آمنے سامنے رہے پھر نبی علیہ السلام معہ اپنے صحابہ واپس تشریف لے آئے۔

غزوہ بدر الصغراء

احد کی جنگ کے خاتمہ پر ابو سفیان آئندہ سال پھر جنگ آور ہونے کا اعلان کر گیا تھا۔ یہ چیلنج قبول بھی کر لیا گیا جب اعلان کردہ چیلنج کے مطابق وہ وقت قریب آ گیا تو ابو سفیان جنگ کے لیے بالکل تیار نہ تھا اور چاہتا تھا کہ مسلمان بھی اس جنگ کے لیے مدینہ سے کوچ نہ کریں اس لیے اس نے اہل مدینہ کو جنگ سے خوفزدہ کرنے کے لیے کئی جاسوس اطراف مدینہ ارسال

کیے کہ وہ اتنا پروپیگنڈا کریں کہ جنگ کی نوعیت ہی نہ آئے چنانچہ مختلف ذرائع سے اس نے اپنی طاقت کا خوب ڈھنڈورا پٹوایا ان لگاتار افواہوں سے کئی لوگ پریشان بھی ہوئے۔

یہ ساری اطلاعات حضورؐ تک بھی پہنچتی رہیں۔ آپ موجودہ حالات پر غور فرمارہے تھے کہ حضرت صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ نے حاضر ہو کر عرض کی کہ:

''یارسولؐ اللہ۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غالب کرنے والا ہے اور اپنے نبی کو عزت دینے والا ہے۔ ہم نے قوم کے ساتھ بدر میں جنگ کا وعدہ کیا تھا۔ ہم پسند نہیں کرتے کہ ہم وہاں نہ پہنچیں۔ اس طرح وہ ہمیں بزدل خیال کریں گے۔ آپ تاریخ مقررہ پر تشریف لے چلئے۔ اللہ کی قسم اس میں خیر و برکت ہے۔''

اپنے دو وزیروں کی یہ تجویز سن کر سرور عالمؐ کی مسرت و شادمانی کی کوئی حد نہ رہی اور فرمایا:

''اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے میں ضرور ان کے مقابلہ کے لیے نکلوں گا۔ خواہ میرے ساتھ ایک آدمی بھی نہ ہو''۔

حضور علیہ السلام کے اس فیصلہ کن ارشاد نے حالات کے رخ موڑ دیئے۔ خوف و ہراس کے بادل چھٹ گئے۔ ہر مسلمان جوش و جذبہ سے سرشار ہو کر میدان جہاد میں اپنے آقا کے ساتھ جانے کے لیے بے قرار ہو گیا۔ اس سفر میں حضورؐ کے ہمرکاب پندرہ صد صحابہ کرام کا نورانی لشکر تھا۔

ان ایام میں بدر کے مقام پر تجارتی میلہ بھی لگتا تھا۔ مسلمانوں نے حسب مقدور سامان تجارت بھی ساتھ لے لیا کہ اگر کفار مکہ مقررہ میعاد پر بدر نہ پہنچے تو تجارتی معاملات سے فائدہ اٹھا لیں گے۔ سرور عالمؐ نے آٹھ روز بدر کے مقام پر قیام فرمایا تب تک کفار مکہ کے دور دور تک آمد کے نشانات نہ تھے اس لیے لشکر اسلام بخیریت واپس آ گیا۔

مکہ میں ابوسفیان دو ہزار نفری پر مشتمل لشکر لے کر نکلا اور تھوڑا فاصلہ طے کر کے رک گیا اور لشکر کو خطاب کیا: یہ دن سخت قحط سالی کے ہیں موسمی حالات سازگار نہیں ایسے حالات میں جنگ کرنا سراسر نقصان کا سبب بنے گا لہٰذا میں واپس جاتا ہوں۔ جب لوگ مکہ واپس پہنچے تو انہوں نے ابوسفیان کو بہت برا بھلا کہا اور طعنہ دیا کہ تمہاری نیت میں جنگ پر جانا ہی نہیں تھا تو نکلا کیوں یہ تو بہت بزدلی کی دلیل ہے۔ ابوسفیان نے بے سود حیلے بہانے بنا کر انہیں مطمئن کرنے کی کوشش

کی۔اس طرح مقام بدر پر یہ جنگ نہ ہو سکی۔

وہ شرعی احکام جو اِمسال نافذ ہوئے

۱۔ نماز خوف

امام محمد ابوزہرہؒ فرماتے ہیں۔نماز خوف ادا کرنے کا حکم غزوہ ذات الرقاع کے موقعہ پر نازل ہوا جب لشکر کفار نے طے کیا کہ عصر کی عبادت کا وقت ہوا چاہتا ہے۔مسلمان نماز کے لیے کھڑے ہوں تو یکبار حملہ کر کے ان کا قتل عام کر دو۔اللہ تعالیٰ جو دلوں کی باتوں کو بھی جاننے والا ہے کفار کے ارادے سے اپنے نبیؐ کو آگاہ فرمایا اور نماز خوف ادا کرنے کا حکم دیا اور طریقہ بھی بتا دیا اس طرح آدھے لشکر اسلام کے مسلح سامنے رہنے سے کفار کو وہ موقعہ نہ مل سکا۔

۲۔ حرمت خمر کا قطعی حکم

رسولؐ اللہ عرب ہونے کے سبب اپنے ملک میں بسنے والے لوگوں کے شعور سے پوری طرح واقف تھے اور ہر وقت خطرہ رہتا کہ نہ معلوم دشمن کس وقت اچانک مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔تمام قبائل انتقام کے درپے اور قبائلی قرابت کی وجہ سے تمام عرب ایک دوسرے کی حمایت میں ہر لحہ تیار۔عرب سے زیادہ یہود کی دشمنی خطرناک تھی کیونکہ وہ علمی بصیرت، خدا پرستی اور دینداری کے اعتبار سے عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔مدینہ سے بنو قینقاع کا اخراج اور بنی نضیر کی جلاوطنی کا دکھ انہیں مستقل طور پر جلاتا رہا تھا۔ان قبیلوں کے رؤساء نے مکہ جا کر اہل مکہ کو رو رو کر اکسایا کہ ایک بار تمام قبائل کو ساتھ لے کر مدینہ پر حملہ آور ہوں اور یہی وقت ہے کہ مسلمانوں کی طاقت کو ختم کر دیا جائے چنانچہ کفار مکہ جنگ کیلئے تیار ہو گئے۔

اس جنگ سے قبل قریش نے قبیلہ خزاعہ کے ایک خاندان جو بنو المصطلق کے نام سے مشہور تھا اور مدینہ طیبہ سے نو منزل پر آباد تھا اسے ابھارا کہ وہ مدینہ پر حملہ کر دے۔قریش کے کہنے پر اس قبیلہ کے رئیس حارث بن ابی ضرار نے حملے کی تیاری شروع کر دی۔اس کی اطلاع حضور علیہ السلام کو ملی۔آپؐ نے اس اطلاع کی تصدیق کے لیے حضرت زید بن خصیب کو بھیجا انہوں نے تحقیقات کے بعد آ کر تصدیق کر دی تو حضورؐ نے صحابہ کو تیاری کا حکم دیا۔حضور علیہ السلام مقام مرسیع پہنچے اور حارث کے لشکر کو بھی خبر ہوئی تو اس کی جمعیت منتشر ہو گئی۔حارث خود بھی کسی طرف نکل گیا۔مگر مرسیع میں جو لوگ آباد تھے انہوں نے صف آرائی کی اور دیر تک تیر برساتے رہے بالآخر لشکر اسلام نے یکبارگی حملہ کر کے انہیں شکست دی۔ساٹھ گرفتار ہوئے' مال غنیمت الگ

ہاتھ آیا' گرفتار شدگان میں حارث کی دختر حضرت جویریہؓ بھی تھیں۔ جو بعد میں کاشانہ نبوت کے حرم میں داخل ہوئیں۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ اس قبیلہ کے تمام اسیر رہا کر دیئے گئے جو تبلیغ اسلام کے لیے بڑا مددگار ثابت ہوا۔

اسی جنگ سے واپسی پر واقعہ افک رونما ہوا جس میں حضرت عائشہ صدیقہؓ پر منافقین نے جھوٹی تہمت لگائی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی پاکدامنی کیلئے سورہ نور میں اعلان فرمایا مگر منافقین کے اس فعل سے حضورؐ اور مسلمان بہت دکھ میں مبتلا رہے۔

جنگ خندق

یہ جنگ بھی قریش کفار مکہ اور یہود و دیگر قبائل کی باہمی سازش کے نتیجہ میں سامنے آئی چنانچہ ذوالقعدہ ۵ ھ کو کفار مکہ، قریش' یہود اور کئی قبائل اکٹھے ہو کر ایک لشکر گراں کے ساتھ مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہوئے۔ حضور علیہ السلام کو خبر ہوئی تو صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسی ایرانی ہونے کی وجہ سے خندق کے طریقہ جنگ سے واقف تھے۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ کھلے میدان میں جنگ نہ کی جائے بلکہ ایک محفوظ مقام دیکھ کر لشکر جمع کیا جائے اور اس کے اردگرد خندق کھودی جائے۔ سب نے اسی رائے سے اتفاق کیا۔ چنانچہ مدینہ طیبہ جو تین اطراف میں نخلستان اور مکانات سے محصور تھا اور پناہ گاہ کا کام دیتا تھا صرف شامی رخ کھلا تھا۔ یہی مقام منتخب ہوا حضورؐ نے خود خندق کے حدود پر نشان لگائے خندق کھودنے کے آلات مہیا کیے گئے۔ دس دس آدمیوں پر 10 گز خندق کھودنا قرار پایا اس طرح یہ خندق چھ یوم میں تیار ہو گئی جس میں تین ہزار پاک ہاتھوں نے حصہ لیا اور حضورؐ بہ نفس نفیس اپنے حصہ کی خندق کھودتے رہے۔ جب مسجد نبوی تعمیر ہو رہی تھی تو سرور عالمؐ اس وقت بھی مزدوروں کی شکل میں تھے۔ آج بھی وہ ہی عبرت انگیز منظر سخت جاڑے کی راتوں میں تین تین دن کے فاقوں کے ساتھ نظر آ رہا ہے۔ خندق کھودتے اچانک ایک چٹان نظر آ جاتی ہے۔ کسی کی ضرب سے کام نہیں بنتا تو رسول اللہؐ سے گذارش کی جاتی ہے۔ آپؐ نے کئی دنوں کے فاقہ کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھا ہوا تھا۔ آپؐ نے کدال سے پہلی ضرب چٹان پر لگائی چٹان کا ایک تہائی حصہ ٹوٹ گیا اور فرمایا: اللہ اکبر مجھے شام کی کنجیاں دی گئیں۔ پھر دوسری ضرب سے دوسرا حصہ ٹوٹ گیا تو فرمایا: اللہ اکبر مجھے فارس کی کنجیاں دی گئیں میں مدائن کے سفید مینار دیکھ رہا ہوں۔ پھر تیسری بار اللہ کا نام لے کر ضرب لگائی چٹان کا بقیہ حصہ بھی ٹوٹ گیا اور فرمایا: اللہ اکبر مجھے یمن کی کنجیاں بھی دی گئیں میں صنعا کے شہر کے دروازے دیکھ رہا ہوں۔ یہ ارشاد ایسے

وقت ہوا جس وقت مسلمانوں کو زندہ رہنے کا بھی یقین نہ تھا۔

قریش نے آگے بڑھ کر مدینہ کے مقابل پڑاؤ لگایا۔ ان کے لشکر کی تعداد دس بارہ ہزار تھی۔ غطفان بھی اپنے زیر اثر قبائل کے ساتھ اس جگہ ان سے آملے لشکر کفار اور مسلمانوں کے درمیان صرف خندق حائل تھی۔ عربوں کے لیے خندق سے دفاع کا تجربہ جنگی عجوبہ تھا۔ کفار کے سرداروں نے ساری خندق کا جائزہ لیا تو اسے ناقابل عبور پایا۔ چنانچہ انہوں نے اہل مدینہ کا محاصرہ کر لیا بنو قریظہ کے یہود اب تک الگ تھے۔ کفار نے انہیں جنگ میں شریک کرنے کے لیے سر توڑ کوشش شروع کر دیں بنو قریظہ کے رئیس کعب بن اسد نے انکار کر دیا اور کہا کہ وہ عہد شکنی نہیں کریں گے۔ مگر متواتر دباؤ اور مسلمانوں کو ختم کرنے کا آخری موقعہ کے دلائل سے آخر وہ مان گئے اور جنگ میں کفار کے ساتھ شریک ہو گئے۔ حضورؐ نے اس اطلاع کی تصدیق کے لیے حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ کو مامور کیا۔ دونوں حضرات نے بنو قریظہ کو معاہدہ یاد دلایا تو انہوں نے کہا: ہم نہیں جانتے کہ محمدؐ کون ہیں اور معاہدہ کیا ہے۔

افواج اسلام میں منافق بھی شامل تھے جو بظاہر اہل اسلام کے ساتھ تھے جنگی حالات نے ایسے مواقع فراہم کیے کہ جس سے ان کا پردہ فاش ہو گیا اور پھر مختلف حیلوں بہانوں سے حضورؐ علیہ السلام سے اجازت لینے لگے۔ لیکن جان نثاروں کا جذبہ ایمان اس وقت دیکھنے کے قابل تھا وہ ہر حالت میں مطمئن تھے اور اپنے آقا پر جانیں قربان کرنے پر تیار تھے اور اللہ کے بھروسہ پر امید رکھتے تھے کہ اللہ اسلام کو غالب کرے گا۔

قریباً ایک ماہ تک محاصرہ اس سختی سے قائم رہا کہ فوج اسلام کئی کئی دنوں سے فاقے میں گزر بسر کر رہی تھی۔ محاصرین خندق عبور نہ کر سکتے تھے اس لیے دور سے تیر برساتے رہے۔ محاصرہ کی سختی دیکھ کر حضور علیہ السلام کو خیال گزرا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ انصار ہمت ہار جائیں آپؐ نے حضرت سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ سے مشورہ کیا کہ قریش سے قبیلہ غطفان کو الگ کرنے کے لیے مدینہ کی پیداوار کا ایک ثالث کی پیش کش کی جائے۔ دونوں حضرات بولے: اگر یہ اللہ کا حکم ہے تو انکار کی مجال نہیں اگر رائے ہے تو ہم عرض کریں گے کہ کفر کی حالت میں کسی کی مجال نہ تھی کہ ہم سے خراج کی بات کرے اور اسلام نے تو ہمیں اور بار آور اور بلند پایا کر دیا ہے۔ انصار کا یہ استقلال دیکھ کر آپؐ کو اطمینان ہوا۔

محاصرہ طویل ہو گیا تو کفار نے حملہ کرنے کا یہ انتظام کیا کہ لشکر کفار کے جنرل یعنی ابو سفیان، خالد بن ولید، عمرو بن العاص اور ضرار بن الخطاب وجبیرہ کا ایک دن مقرر ہوا کہ ہر جنرل

اپنی باری کے دن پوری فوج کے ساتھ خندق عبور کرنے کی کوشش کرے۔ سوتمام جرنیلوں نے پورا زور لگایا مگر خندق عبور نہ کر سکے کیونکہ جب وہ نزدیک آتے تو تیروں اور پتھروں کی بارش ان کو روک دیتی۔

ایک دن لشکر کفار کا ایک سالار عمرو بن عبدود گھوڑا دوڑاتا ہوا ایک تنگ جگہ سے خندق عبور کر گیا اور مبارز طلب ہوا۔ حضرت علیؓ نے جواب میں کہا۔ میں۔ حضورؐ نے آپ کو بٹھا دیا۔ جب تیسری بار عمرو نے مقابلہ طلب کیا تو پھر حضورؐ نے حضرت علیؓ کو اجازت دی اور انہیں اپنی تلوار عطا فرمائی۔ عمرو ایک ہزار جنگجو کیلئے کافی سمجھا جاتا تھا۔

حضرت علیؓ نے پہلے عمرو پر اسلام پیش کیا۔ عمرو نے انکار کیا۔ آپ نے کہا: تو پھر واپس چلا جا۔ عمرو نے کہا: یہ بھی نہیں کروں گا۔ پھر حضرت علیؓ نے معرکے کی دعوت دی۔ عمرو نے کہا: مجھے یہ امید نہ تھی کہ آسمان تلے مجھے کوئی ایسی دعوت دے سکتا ہے۔ آپ پیدل تھے اس لیے عمرو گھوڑے سے نیچے اتر آیا اور گھوڑے کے پاؤں کاٹ ڈالے اور کہا: تم کون ہو آپ نے اپنا نام بتایا: عمرو نے کہا میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔ آپ نے کہا: لیکن میں تو لڑنا چاہتا ہوں اس جواب پر عمرو غصہ سے لہرا اٹھا اور تلوار سے پہلا وار کیا تلوار سپر میں ڈوب گئی اور پیشانی سے چھوئی اب حضرت علیؓ نے وار کیا آپ کی تلوار عمرو کا شانہ کاٹ کر نکل آئی ساتھ ہی نعرہ تکبیر بلند کر کے فتح کا اعلان کر دیا۔ ادھر حضرت عمرؓ نے ضرار کو حملہ کر کے بھگا دیا اسی طرح جبیر بھی میدان سے بھاگ گیا۔ یہ دن سخت گزرا۔

محاصرہ جوں جوں آگے بڑھتا رہا محاصرہ کرنے والے ہمت ہارتے رہے سخت سردی کے موسم میں سخت طوفانی ہوا چلنے لگی کہ خیمے اکھڑنے لگے۔ نعیم بن مسعود نے اپنا اسلام لانا یہود اور کفار پر ابھی ظاہر نہ کیا تھا۔ دونوں گروہ اسے احترام سے دیکھتے تھے۔ انہوں نے قریش اور بنو قریظہ سے الگ الگ باتیں کیں تو دونوں گروہوں میں ایسی پھوٹ پڑی کہ بنو قریظہ جنگ سے الگ ہو گئے۔ اسکا لشکر کفار پر بڑا اثر پڑا۔ ادھر رات کو انہیں آندھی اور طوفان نے آ لیا۔ تیز ہوا ہر چیز بہا کر لے گئی لشکر تتر بتر ہو گیا۔ یہ اسباب ایسے پیدا ہوئے کہ کفار لشکر کے پاؤں اکھڑ گئے اور فوجوں کی واپسی کرتے بن پڑی۔ اس جنگ میں مسلمانوں کا جانی نقصان نہ ہونے کے برابر ہوا مگر انصار کا بڑا بازو کٹ گیا کہ انکا سردار سعد بن معاذ زخمی ہو گیا اور کچھ عرصہ بعد فوت ہو گیا۔

بنو قریظہ کا خاتمہ

جب کوئی چارہ نہ رہا کہ اسلام کے سب سے بڑے دشمن یہود کے متعلق آخری فیصلہ کیا جائے۔ تو حضور علیہ السلام نے احزاب سے فارغ ہو کر حکم دیا کہ ابھی لشکر اسلام ہتھیار نہ کھوئے اور قریظہ کی طرف بڑھے۔ بنو قریظہ اگر امن چاہتے تو ان کو بھی امن مل جاتا لیکن جونہی مجاہدین قریظہ کے قریب آئے تو انہوں نے مخالف نعرے لگائے اور گالیاں بکنے لگے اور ان کا رویہ امن پسندانہ نہ دیکھا تو ان کا محاصرہ کر لیا گیا۔ ایک ماہ کے محاصرہ کے بعد بنو قریظہ نے درخواست کی کہ سعد بن معاذ جو فیصلہ کریں وہ انہیں منظور ہوگا۔ سابقہ دور میں حضرت سعد بن معاذ کا قبیلہ اور بنو قریظہ میں معاہدہ رہا تھا اس لیے یہود نے امید کی کہ سعد بن معاذ بنو نضیر کی طرح انہیں بھی امن دیں گے۔ حضور علیہ السلام نے بھی سعد بن معاذ کو حکم مان کر انہیں طلب کیا وہ اپنے خیمہ میں زخمی ہو کر بیمار پڑے تھے۔ جب وہ آئے تو انہیں بتایا گیا حضرت سعد بن معاذ نے حکم بننا قبول کر کے دونوں فریقین سے تصدیق کی کہ وہ جو بھی فیصلہ دیں دونوں گروہ مان لیں گے دونوں نے تصدیق کر دی کہ آپ کا فیصلہ منظور ہے۔

منصف بننے کے بعد حضرت سعدؓ نے فیصلہ دیا کہ لڑنے والے قتل کیے جائیں عورتیں اور بچے قید ہوں ان کا مال واسباب غنیمت قرار دیا جائے۔ اس وقت تک ایسے معاملات کے تصفیہ کے لیے قرآن میں کوئی سورت یا آیت نازل نہیں ہوئی تھی لیکن حضرت سعد بن معاذ کا یہ فیصلہ تورات کے احکامات کے مطابق تھا۔ احادیث میں موجود ہے کہ سعدؓ نے جب یہ فیصلہ سنایا تو حضورؐ نے فرمایا کہ تم نے یہ آسمانی فیصلہ کیا۔ یہودیوں نے بھی جب یہ حکم سنا تو اس حکم کو وہ بھی خدا کے قانون کے سمجھتے تھے۔

بنو قریظہ اس سزا کے کیوں مستحق تھے۔

۱۔ بنو نضیر کی جلاوطنی پر بنو قریظہ نے پھر تجدید عہد کی۔

۲۔ پھر عہد شکنی کر کے جنگ احزاب میں کفار مکہ کے ساتھ شریک ہوئے۔

۳۔ حیی بن اخطب رئیس بنو نضیر کو جنگ احزاب میں شریک کیا جو جلاوطنی کے وقت مخالفت نہ کرنے کا عہد کر کے گیا تھا۔

۴۔ ازواج مطہرات اور دیگر مسلمان عورتیں قلعہ بند تھیں ان پر حملہ کیا۔

ان حالات کا تقاضا تھا کہ بنو قریظہ کے ساتھ یہی سلوک کیا جاتا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے

یہودیوں کے اس بدفطرت بدعہد گروہ سے اہل مدینہ کو نجات دلائی۔

واقعات متفرقہ (5 ہجری)

مسلمان عورتوں کا عام جاہلانہ طریقہ سے گھروں سے باہر گھومنا بند ہو گیا اور انہیں چادر کے ذریعہ جسم ڈھانکنے اور پردہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ ازواج مطہرات کو غیر مردوں کے سامنے آنے سے منع کر دیا گیا۔ پردوں کی اوٹ سے بولنے کا حکم ہوا۔

منہ بولے بیٹے کی بیوہ سے زمانہ جاہلیت میں بیاہ جائز تھا۔ اس غلط رسم کی اصلاح کی گئی۔ زانی کی 100 کوڑے سزا اسی سال مقرر ہوئی۔ پاکدامن عورتوں پر الزام لگانا عام تھا۔ اس الزام کو ثابت نہ کرنے پر حد قذف نازل ہوئی اور بغیر ثبوت الزام لگانا جرم قرار دیا گیا۔ خاوند یا بیوی کا ایک دوسرے پر الزام لگانے کے متعلق لعان کا طریقہ بتایا گیا جس کے بعد تفریق کرا دی جاتی۔ عرب میں ایک قسم کی طلاق جاری تھی جسے ظہار کہتے اس قسم کی طلاق غیر موثر قرار دی گئی اس کے لیے کفارہ مقرر ہوا۔ پانی نہ ملنے پر تیمم کی مشروعت بھی اسی سال نازل ہوئی۔

صلح حدیبیہ و بیعت رضوان (6 ہجری)

جنگ احزاب کے خاتمہ کے بعد ایک روایت کے مطابق حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ ''اہل مکہ آئندہ مدینہ پر حملہ آور نہ ہو سکیں گے'' کعبہ تھا اسلام کا اصلی مرکز' اسلام کا لقب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایجاد ہے۔ کعبہ کی از سر نو تعمیر بھی آپ نے فرمائی۔ اس امت کے افراد کو مسلمان کا نام بھی جد الانبیاء نے دیا۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ الحج میں فرمایا کہ:

''ابراہیم ہی ہے جس نے تمہارا نام مسلمان رکھا''۔

گردش زمانہ سے گو انہی کی اولاد بت پرست بن گئی تاہم کعبہ عرب کا قبلہ گاہ عام تھا اور تمام عرب اس کو اپنا مشترک آبائی ورثہ سمجھتا تھا۔ عرب کے قبائل جو سال بھر آپس میں لڑتے رہتے مگر چار مہینے جو شہر حرم کہلاتے تمام لڑائیاں بند ہو جاتیں تھیں۔ ان مہینوں میں راستے پر امن رہتے اور عرب قبائل دور دور سے سفر کر کے یہاں آتے اور فرائض حج ادا کرتے اور عمرہ کرتے۔ مسلمان زبردستی مکہ سے نکالے گئے تھے۔ لیکن یہ خیال ان کے دل سے نہ نکل سکتا تھا کہ کعبہ پر ان کا بھی اتنا ہی حق ہے جس قدر اور قبائل کا۔ انہیں مکہ کی یاد آنسو رلا دیتی۔

حضور علیہ السلام نے مختلف وجوہات سے مکہ کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ عمرہ کا احرام باندھا قربانی کے جانور ساتھ لیے اور صحابہ کو حکم دیا کہ کوئی ہتھیار باندھ کر نہ آئے سوائے تلوار کے جو عرب

میں سفر کا ضروری آلہ سمجھی جاتی اور وہ بھی نیام میں بند۔ چونکہ اکثر مہاجرین وانصار اس سعادت کے منتظر تھے لہٰذا چودہ صد صحابہ اس سفر میں ہمرکاب ہوئے۔ ذوالحلیفہ سے قافلہ نے عمرہ کی نیت سے سفر کا آغاز کیا۔

حضور علیہ السلام نے قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص جس کے اسلام لانے سے قریش بے خبر تھے مکہ پہلے ہی بھیج دیا کہ وہ اہل مکہ کی خبر لائے جب قافلہ عسفان پہنچا تو اس نے اہل مکہ کو خبر دی کہ قریش نے تمام قبائل کو جمع کر لیا ہے کہ آپؐ کو مکہ داخل نہیں ہونے دیں گے اور خالد بن ولید و عکرمہ بن ابوجہل کو دو سو سواروں کے ساتھ راستہ روکنے کے لیے مامور کیا ہے۔ حضور علیہ السلام دوسرا راستہ اختیار کر کے حدیبیہ کے مقام پر پہنچے۔ یہاں ایک کنواں غیر آباد تھا اس کا نام حدیبیہ تھا۔ حضورؐ کی دعا سے کنواں پانی سے بھر آیا اور لشکر اسلام سیراب ہوا۔ حضور علیہ السلام جب گھاٹی میں پہنچے تو آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی۔ صحابہ کرام سمجھے کہ اونٹنی اڑ گئی۔ اس پر آپؐ نے کہا: میری اونٹنی اڑی نہیں نہ ہی اس کا یہ شیوا ہے بلکہ ہاتھیوں کو روکنے والے نے اسے روک لیا ہے۔

حدیبیہ کے مقام پر حضورؐ کے قیام کی قریش کو خبر مل گئی تو وہ بہت پریشان ہوئے۔ ادھر رسول اللہؐ نے مناسب سمجھا کہ ان کا کوئی سفیر مکہ جا کر قریش کو سمجھائے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کو قریش کے پاس بھیجا۔ انہوں نے قریش کو کہا کہ ہم جنگ کے لیے نہیں آئے عمرہ ادا کر کے چلے جائیں گے مگر قریش نہ مانے۔ حدیبیہ میں کسی نے حضورؐ کو خبر دی کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا ہے اس پر حضورؐ نے تمام صحابہ سے بیعت لی جسے بیعت رضوان کہا جاتا ہے۔

قریش نے فیصلہ کیا کہ ان کی طرف سے حضورؐ کے پاس سفارت جائے جو انہیں واپس جانے پر راضی کرے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ واپس آنے لگے تو قریش نے عروہ کو روانہ کر دیا۔ لیکن یہ گفتگو ناکام ہو گئی۔ عروہ نے واپس جا کر قریش کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ محمدؐ کے ساتھ صحابہ کی عقیدت کی باتیں کیں اور مشورہ دیا کہ یہ لوگ صرف عمرہ کرنے آئے ہیں انہیں عمرہ کر کے واپس جانے دو۔ قریش نے سہیل بن عمرو کی قیادت میں ایک اور وفد بھیجا۔ جس نے حضورؐ کی خدمت میں اس سال کی بجائے آئندہ سال عمرہ کرنے کی تجویز پیش کی ردوکد کے بعد حسب ذیل شرائط پر حضورؐ اور قریش مکہ کے درمیان معاہدہ طے پایا۔ کتابت کے لیے حضرت علیؓ تشریف لائے انہوں نے بسم اللہ سے شروع کیا تو سہیل بن عمرو نے اعتراض کیا کہ وہی قدیم الفاظ لکھے جائیں پھر کاتب معاہدہ نے فریقین کے نام لکھے اور حضورؐ کا نام گرامی محمد رسول اللہ تحریر کیا۔ سہیل نے پھر اعتراض کیا کہ ہم آپ کو رسولؐ ہی نہیں مانتے صرف محمد بن عبداللہ لکھا جائے تو حضورؐ نے اس

کے اصرار کی وجہ سے لفظ رسول اللہ اپنے دست مبارک سے کاٹ دیا۔

شرائط صلح یہ تھیں۔

۱۔ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں۔

۲۔ اگلے سال آئیں اور تین دن قیام کر کے واپس چلے جائیں۔

۳۔ ہتھیار لگا کر نہ آئیں صرف تلوار ساتھ لائیں وہ بھی نیام میں۔

۴۔ مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں اور مسلمانوں میں کوئی مکہ رہنا چاہے تو اس کو نہ روکیں۔

۵۔ کافروں یا مسلمانوں سے کوئی شخص اگر مدینہ جائے تو واپس کر دیا جائے لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ میں جائے تو واپس نہیں کیا جائے گا۔

۶۔ قبائل عرب کو اختیار ہو گا کہ فریقین میں سے جس سے چاہیں معاہدہ میں شریک ہو جائیں۔

یہ شرطیں بظاہر مسلمانوں کیخلاف تھیں اس پر اتفاق یہ ہوا کہ سہیل کے صاحبزادے جو اسلام لا چکے تھے اور انہیں قریش نے قید کر رکھا تھا کسی طرح بھاگ کر حدیبیہ حضورؐ کے پاس پہنچ گئے۔ سہیل نے کہا کہ تعمیل کا یہ پہلا موقع ہے۔ معاہدہ کی روح کے مطابق ابو جندلؓ کو واپس کیا جائے۔ حضور علیہ السلام نے ابو جندلؓ کی رہائی پر بہت اصرار کیا گر مگر سہیل نے انکار کر دیا تب مجبوراً ابو جندلؓ کو واپس کرنا پڑا۔ حضرت عمرؓ ضبط نہ کر سکے اور حضورؐ سے سخت احتجاج کیا اور ایسی شرائط کو نہ ماننے کا مشورہ دیا۔ تمام مسلمان بھی تڑپ اٹھے تھے۔ مگر حضورؐ نے فرمایا: میں خدا کا پیغمبر ہوں خدا کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ حضرت عمرؓ کو تمام عمر اس گفتگو پر افسوس رہا۔ ان حالات کو گوارہ کرنا مسلمانوں کی اطاعت شعاری کا خطرناک امتحان تھا۔ آپؐ نے ابو جندلؓ کو فرمایا:

''ابو جندلؓ صبر اور ضبط سے کام لو خدا تمہارے لیے اور مظلوموں کے لیے کوئی راہ نکالے گا۔ صلح اب ہو چکی اور ہم ان لوگوں سے بدعہدی نہیں کر سکتے''۔

حضورؐ نے حکم دیا کہ لوگ یہیں قربانی کریں۔ لوگ شرائط صلح سے اس قدر دل برداشتہ تھے کہ حضورؐ نے کئی بار یہ حکم دہرایا اور اپنے خیمہ میں چلے گئے پھر باہر آ کر خود اپنی قربانی کی اور بال منڈائے۔ اب لوگوں کو یقین ہو گیا کہ فیصلہ تبدیل نہیں ہو سکتا تو سب نے قربانیاں کیں اور احرام اتار دیئے۔ حضورؐ نے تین دن بعد تک قیام فرمایا پھر واپس روانہ ہوئے۔ تو راہ میں ہی یہ سورہ نازل

ہوئی۔

"ہم نے تجھ کو کھلی ہوئی فتح عنائیت فرمائی"۔

تمام مسلمان جس صلح کو شکست سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ اسے فتح مبین قرار دیا۔

سب سے قبل حضرت عمرؓ کو اس سورہ کے نزول کی اطلاع دی گئی تو وہ بہت مطمئن ہو گئے۔ راز سربستہ کی عقدہ کشائی ہوئی۔ کفار بے خوف مدینہ طیبہ آنے لگے مسلمانوں سے ملاقاتیں ہونے لگیں تجارت کے راستے کھل گئے۔ آپس میں اسلامی مسائل پر تذکرہ ہونے لگا۔ مسلمان، حسن، عمل، نیکوکاری، پاکیزہ اخلاق کی ایک زندہ تصویر تھے۔ یہ دیکھ کر کفار اسلام کی طرف راغب ہونے لگے۔ مورخین کا بیان ہے کہ صلح حدیبیہ سے فتح مکہ تک اس کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے کہ کبھی اسلام نہ لائے تھے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ فاتح شام اور حضرت عمرو بن عاصؓ فاتح مصر کا اسلام لانا اسی دور کی یادگار ہے۔

جو مسلمان مکہ میں رہ رہے تھے وہ ان کی مجبوری تھی۔ چونکہ کفار انہیں تکلیفیں دیتے اس لیے وہ بھاگ کر مدینہ آتے۔ سب سے پہلے حضرت عتبہ بن اسید اور ابوبصیرؓ آئے۔ قریش نے آ کر معاہدہ کی شق کے مُطابق واپسی کا مطالبہ کیا۔ حضورؐ نے دونوں کو واپس دے دیا اور انہیں تسلی دی۔ جب یہ لوگ ذوالحلیفہ پہنچے تو عتبہ نے قریش کے ایک شخص کو قتل کر دیا اور رہائی پائی اور بھاگ کر مکہ اور شام کی تجارتی شاہراہ کے درمیان ایک مقام پر آ بیٹھا قریش نے آ کر شکایت کی تو ابوبصیرؓ نے عرض کی کہ آپ نے معاہدہ کے مطابق ہمیں واپس کر دیا۔ آگے ہم اور یہ جانیں۔ یہ کہہ کر ابوبصیرؓ بھی عتبہ کے پاس آ گیا۔ اب مکہ میں مجبور مسلمانوں کو ایک اور پناہ گاہ مل گئی جو مکہ سے بھاگ سکتا سیدھا عتبہ کے پاس پہنچ جاتا آہستہ آہستہ اس مقام پر مسلمانوں کی خاصی جمعیت بن گئی جو مکہ کے شامی تجارتی قافلوں کے لیے بہت بڑا خطرہ بن گئے۔ تنگ آ کر قریش نے حضورؐ سے اس شق کی تنسیخ کی درخواست کی۔ یوں یہ صلح حدیبیہ مسلمانوں کے لیے فتح مبین ثابت ہوئی۔

سلاطین کو اسلام کی دعوت

صلح حدیبیہ سے اہل اسلام کو سکون واطمینان نصیب ہوا تو حضور علیہ السلام نے اسلام کا پیغام تمام دنیا کو پہنچا دیا۔ ایک دن حضورؐ نے صحابہ کرام کو جمع کر کے خاص خطبہ ارشاد فرمایا کہ دیکھو عیسیٰ کے حوارین کی طرح نہ کرنا۔ اب جاؤ میری طرف سے پیغام حق ادا کرو۔ پھر آپؐ نے قیصر روم، شہنشاہ عجم، عزیز مصر، شاہ حبشہ شاہ مقوقس اور روسائے عرب کے نام دعوت اسلام کے خطوط

ارسال کیے'ان مکتوبات پر اپنے دستخط کی بجائے آپؐ نے محمد رسولؐ اللہ کے اسم مبارک کی ایک مہر ثبت کی۔

رومی شہنشاہ کو آپؐ نے اپنا مکتوب وحیۃ الکلبی کے ہاتھ روانہ کیا۔ انہوں نے بصرہ کے رئیس اور سردار کے ذریعہ ہرقل تک پہنچایا۔ جس کا متن یہ تھا:۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد کی طرف سے جو خدا کا بندہ اور رسول ہے۔ یہ خط ہرقل کے نام ہے جو روم کا رئیس اعظم ہے۔ اس کو سلامتی ہو جو ہدایت کا پیرو ہو۔ اس کے بعد میں تجھ کو اسلام کی دعوت کی طرف بلاتا ہوں۔ اسلام لاؤ تم سلامت رہو گے۔ خدا تجھ کو دگنا اجر دے گا اور اگر تم نے نہ مانا تو اہل ملک کا گناہ تیرے اوپر ہوگا۔ اے اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی کو نہ پوجیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو خدا نہ بنائے۔ اور تم نہیں مانتے تو گواہ رہو کہ ہم مانتے ہیں۔''

اسی طرح خسرو پرویز شاہ ایران' نجاشی شاہ حبشہ' قبطیوں کے سردار اور شاہ مقوقس کو بھی مکتوب ارسال کیے۔

یہ سلاطین کون تھے اور مملکتی حیثیت کیا رکھتے تھے یہ جانے بغیر حضور علیہ السلام کے مکتوبات ارسال فرمانے کے اقدام کی عظمت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکے گا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کائنات پر بسنے والے تمام بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا تھا۔ لہٰذا اس وقت تمام قابل ذکر حکمرانوں کی معرفت مکتوبات کے ذریعے تبلیغ حق کا فریضہ سرانجام دیا گیا۔

قیصر روم ہرقل اول

بازنطینی شہنشاہ قیصر روم ہرقل ایک وسیع و عریض سلطنت کا حکمران تھا۔ جس نے ایران کے شہنشاہ سے مل کر اس وقت کی ساری متمدن دنیا کو آپس میں تقسیم کر لیا ہوا تھا اور آدھی دنیا پر اس کا حکم چلتا تھا۔ تین براعظموں، یورپ، ایشیاء اور افریقہ کے متمدن اور قدرتی وسائل سے مالا مال مقبوضات اس کی نوآبادیاں تھیں جو رومتہ الکبریٰ کے زیرنگیں قدیم دنیا تھی۔ ہرقل کو حضور علیہ السلام کا خط پہنچایا گیا اور اسے اسلام لانے کی دعوت دی گئی۔ لیکن ہرقل سستی غفلت اور آرام طلبی و عیش پرستی میں ہی پڑا رہا یہاں تک کہ بعد میں مجاہدین اسلام نے ایشیاء اور افریقہ میں اس کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

کسریٰ پرویز (خسرو پرویز دوم)

ایرانی سلطنت کا یہ شہنشاہ ہرمز کا چوتھا بیٹا خسرو اول المعروف نوشیرواں عادل کا پوتا تھا۔ سارا عرب اس کو کسریٰ پرویز کے نام سے یاد کرتا۔ مورخین ایران کا اتفاق ہے کہ خسرو پرویز ایران کا سب سے عظیم شان وشوکت رکھنے والا شہنشاہ تھا۔ اس کے عہد میں مملکت ساسانیہ اپنی ترقی، خوشحالی اور پرتکلف زندگی، عیش وآرام آرائش وزیبائش کے نکتہ عروج پر تھی۔ ہندوستان کی شمال مغربی ریاستوں تک اس کا سکہ جاری تھا۔ یہ بادشاہ بہت سخت گیر، قوت فیصلہ کا مالک اور دور رس نگاہ رکھنے والا تھا۔ شجاعت وبہادری اور فتح وظفر کے کارناموں، دولت کی فراوانی اور تقدیر کی ہم زبانی اور زمانہ کے اسباب ووسائل جتنے اس کے لیے مہیا تھے کسی اور بادشاہ کے لیے نہ تھے۔ اسے حضورؐ کا مکتوب پہنچایا گیا۔ جو از راہ تکبر پھاڑ دیا۔ پھر تاریخ گواہ ہے کہ خلیفہ دوم کے عہد میں مجاہدین اسلام نے اس کی یہ عظیم سلطنت پارہ پارہ کر کے رکھ دی۔

مقوقس

یہ اسکندریہ کا گورنر اور مصر میں بازنطینی شہنشاؤں کا نائب سلطنت تھا مقوقس اس کا اصلی نام نہیں بلکہ لقب تھا جو قدیم قبطی زبان کا لفظ ہے یہ بیک وقت ملک کا حاکم اور کلیسا کا سربراہ اور مذہبی پیشوا تھا۔ بازنطینی شہنشاہی کی یہ ریاست سب سے زیادہ زرخیز پیداوار اور آبادی کے لحاظ سے سب سے آگے تھی۔ حضور علیہ السلام کے مکتوب کے صرف چودہ برس بعد جب حضرت عمروؓ بن عاص نے مصر فتح کیا تو بازنطینی سلطنت کی اس ریاست کا خاتمہ ہو گیا۔

نجاشی شاہ حبشہ

حبشہ کا ملک قدیم زمانہ سے اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ مشرقی افریقہ کا حصہ ہے۔ حبشہ ایک خود مختار ملک تھا اور کسی دیگر ملک کے تابع نہ تھا بازنطینی شہنشاہ سے اس کا تعلق مذہبی رشتہ عیسائیت کی بنیاد پر تھا حبشہ کے بادشاہ کو ہمیشہ نجاشی کہا جاتا تھا۔ حضور علیہ السلام نے نجاشی شاہ حبشہ کو مکتوب کے ذریعے دعوت اسلام دی۔ نجاشی نے دعوت اسلام کو قبول کیا اور اسلام لایا۔ رسولؐ اللہ نے مسلمانوں کو نجاشی کی وفات کی خبر دی اور اس کے لیے دعائے مغفرت کی اور یہ واقعہ تبوک سے واپسی پر رجب، 9 ہجری پیش آیا تھا۔

علاوہ ازیں حضور علیہ السلام نے امرائے عرب کو بھی خطوط ارسال فرمائے جن میں منذر بن ساوی حاکم بحرین اور جیفر بن الجلند، عبد بن الجلند الازدی امرائے عمان اور حزوہ بن علی

حاکم یمامہ و حارث بن الشمر الغسانی کے نام قابل ذکر ہیں۔ مندر بن ساوی' جلندا کے دونوں بیٹوں نے اسلام قبول کیا۔

حضرت خالد بن ولیدؓ اور عمرو بن العاصؓ

صلح حدیبیہ کے بعد حضرت خالدؓ نے مکہ سے نکل کر مدینہ طیبہ کا رخ کیا راستہ میں عمرو بن العاصؓ ملے۔ انہوں نے پوچھا: کدھر کا قصد ہے۔ حضرت خالد بولے: اسلام لانے جا رہا ہوں آخر کب تک ہم اس بابرکت پیغام کو نظر انداز کریں گے۔ عمرو بن العاصؓ نے کہا: ہمارا بھی یہی ارادہ ہے۔ دونوں ایک ساتھ بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر اسلام سے مشرف ہوئے۔ وہ جوہر جو اسلام کی مخالفت میں صرف ہوتے تھے اب اسلام کی محبت میں کام آنے لگے۔

فتح مکہ کے دوران حضرت خالدؓ ایک دستہ لیکر حضورؐ کے سامنے گزرے تو حضور علیہ السلام نے دریافت کیا۔ لوگوں نے کہا۔ خالدؓ ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ خدا کی تلوار ہے۔

غزوہ خیبر

حدیبیہ میں بیعت رضوان کے شرکاء جنہوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کی تھی کو اللہ تعالیٰ نے فتح قریب اور مال کثیر کی بشارت دی ان فتوحات کا مقدمہ اور پیش خیمہ غزوہ خیبر تھا۔

یہ ایک یہودی آبادی تھی جس میں بڑے مستحکم قلعے تھے۔ یہ یہود کا جنگی مستقر اور جزیرۃ العرب میں ان کا آخری قلعہ تھا جہاں وہ مسلمانوں کے خلاف سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں مصروف رہتے تھے اور مدینہ طیبہ میں اپنے بھائیوں کے خلاف ہونے والے سلوک کو کبھی نہ بھولے۔ قبیلہ غطفان کے ساتھ مل کر مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کی تیاری بڑے رازدارانہ انداز سے کر رہے تھے۔ مگر اللہ کے رسولؐ کو ان کارستانیوں کا علم ہو گیا تو آپؐ نے ارادہ فرمایا کہ اب ان سازشیوں سے نجات حاصل کر لی جائے اور اس محاذ سے بھی اطمینان اور سکون ہو۔ یہ علاقہ مدینہ طیبہ سے شمال مغرب میں ستر میل کے فاصلہ پر تھا۔ یہ دفاعی قسم کا حملہ تھا جس کا مقصد تھا کہ حملہ آوروں کو ان کے ہی مقام پر روک کر ان کے حملہ کرنے کی قوت کو ختم کر دیا جائے۔

حضور علیہ السلام نے چودہ سو صحابہ ایمانی لشکر کیساتھ خیبر کی طرف کوچ کیا اور انہی خوش قسمت مجاہدوں کو اس معرکے میں شرکت کی اجازت دی جو بیعت رضوان میں شریک تھے۔ لشکر

اسلامی نے رجیع کے مقام پر قیام کیا جو یہودیوں اور قبیلہ غطفان کا درمیانی علاقہ تھا۔ مقصد دونوں کے درمیان سلسلہ مواصلات بند کرنا تھا۔ اس علاقہ کے لوگوں نے لشکر اسلام سے کوئی تعارض نہ کیا اور اپنے کام میں لگے رہے۔ حضور علیہ السلام خیبر کے سامنے آئے تو اللہ سے فتح خیبر کا سوال کیا۔ صبح ہوئی تو حملہ کے لیے پیش قدمی فرمائی۔

خیبر میں چھ قلعے تھے جن میں بقول یعقوبی بیس ہزار سپاہی موجود تھے۔ ان میں سب سے مضبوط قلعہ قموص تھا جس کا رئیس مرحب عرب کا مشہور پہلوان تھا۔ قلعہ کا محاصرہ کیے بیس دن گزر گئے۔ بیسویں دن حضرت علیؓ ۔ کو لشکر کی قیادت کا شرف عطاء ہوا۔ آپؓ قلعے کی طرف بڑھے تو مرحب رجز پڑھتا حضرت علیؓ کے مقابلہ پر آیا۔ آپ نے ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ اپنے سردار کی موت سے یہودیوں کے حوصلے پست ہو گئے اور لشکر اسلام کو اللہ تعالیٰ نے فتح یاب کیا۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے باقی تمام قلعے فتح کر لیے گئے اور لشکر اسلام کثیر مال غنیمت سے مالا مال ہو کر واپس ہوا۔

غزوہ خیبر اور اس میں مسلمانوں کی شاندار فتوحات کا عرب کے ان قبائل پر جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے بہت خوشگوار اثر پڑا ان کو خیبر کے قلعوں میں یہودیوں کی جنگی طاقت، دولتمندی اور افرادی قوت کا اندازہ تھا انہیں وہ نا قابل تسخیر خیال کرتے تھے انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ یہودیوں کے جرنیل خاص کر مرحب، حارث، ابی زینب جیسے تجربہ کار شہسوار تربیت یافتہ ماہرین جنگ موجود ہیں۔ ان کی عبرت ناک شکست مدینہ طیبہ کے اطراف میں اسلام کی شان و شوکت بڑھانے میں بہت مددگار رہوئی۔

عمرۃ القضاء

دوسرے سال 7 ہجری صلح حدیبیہ کے معاہدے کے مطابق حضور علیہ السلام عمرۃ القضاء کی نیت سے تشریف لے چلے۔ قریش نے بھی کوئی مزاحمت نہ کی۔ اپنے گھروں کو تالے لگائے اور پہاڑوں پر چلے گئے۔ حضورؐ نے تین یوم قیام فرمایا۔ عمرۃ القضاء سے فراغت پائی اور واپس تشریف لائے۔

حضور علیہ السلام نے بصرہ کے حاکم شرجیل بن عمرو الغسانی کے پاس حضرت حارث بن عمیر کو اپنا مکتوب دے کر بھیجا جو سلطنت روم کے تابع تھا۔ شرجیل نے اسلامی سفیر کو قتل کرا دیا جو

اس وقت بھی بین الاقوامی رواج کے خلاف تھا۔ یہ ایسا واقعہ تھا جس پر خاموشی اختیار نہیں کی جا سکتی تھی اس لیے حضورؐ نے ایک لشکر بصرہ روانہ کرنے کا فیصلہ فرمایا۔

تین ہزار مجاہدین اسلام اس میں شریک ہوئے۔ حضرت زیدؓ بن حارث امیر لشکر بنے اور ہدایت فرمائی کہ ان کے زخمی یا شہید ہونے پر حضرت جعفرؓ بن ابی طالب امیر لشکر ہوں گے اور ان کے بعد عبداللہؓ بن رواحہ ہوں گے۔ اسلامی لشکر نے پڑاؤ معان کے مقام پر کیا تو پتہ چلا کہ ہرقل نے بھی ایک لاکھ کا رومی لشکر تیار کیا ہے جو بلقا کے مقام پر ٹھہرا ہے۔ دو تین دن مقام معان پر ٹھہرنے کے بعد امیر لشکر نے مجلسِ مشاورت کے ساتھ مشورہ کرنے کے بعد آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا۔ رومی لشکر میں دن بدن اضافہ ہوتا رہا۔ مسلمانوں نے جنگ کے لیے موتہ کا مقام منتخب کیا۔ جنگی ساز و سامان اور تعداد افواج میں رومی لشکر کو بہت زیادہ برتری حاصل تھی مگر اہل اسلام جذبہ ایثار میں بہت آگے تھے تین روز جنگ ہوتی رہی اسلامی لشکر کے نامزد کردہ امیر یکے بعد دیگرے شہید ہوتے گئے بالآخر اتفاق رائے سے حضرت خالدؓ بن ولید امیر لشکر منتخب کیے گئے آپ نے رات بھر لشکر کو اس طرح ترتیب دیا کہ تعداد زیادہ لگے اور کچھ لشکر گروہ در گروہ پیچھے چھپایا کہ صبح ہوتے ہی وقفے وقفے پر لشکر میں شامل ہوتے رہیں اور ایسا لگے کہ تازہ کمک پہنچ رہی ہے اس جنگی چال سے رومی لشکر بددل ہو گیا اور میدان جنگ سے رخ موڑ کر واپسی اختیار کی۔ اس طرح جنگ ختم ہوئی اور حضرت خالدؓ بن ولید نے باوقار طریقہ سے واپسی اختیار کی۔ اس معرکے کا فائدہ یہ ہوا کہ رومیوں نے مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کا کبھی نام نہ لیا۔

حضرت خالد بن ولید کی موتہ سے واپسی کے چند ہفتے بعد حضورؐ نے شمالی شام کی طرف بھی ایک لشکر روانہ کرنا مناسب سمجھا۔ اس لشکر کے امیر حضرت عمرو ابن العاص کو بنایا۔ چند یوم بعد حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کی کمان میں ایک اور لشکر امداد کے لیے پیچھے روانہ کیا۔ لشکر اسلامی کی آمد پر شمالی شام کی فوج حالات کا اندازہ کر کے خود بخود جنگ سے منہ موڑ گئی اور منتشر ہو گئی۔ ان کے یوں جنگ سے بھاگنے میں اہل اسلام کی دھاک بیٹھ گئی۔

فتح مکہ

معاہدہ حدیبیہ فریقین کے مابین دس سال کیلئے نافذ العمل کیا گیا تھا معاہدہ کی ایک شق کے مطابق ہر قبیلہ آزاد تھا کہ وہ اہل اسلام یا اہل مکہ میں سے جس فریق کے ساتھ چاہے اس کا

حلیف بن جائے چنانچہ بنوخزاعہ مسلمانوں کے حلیف بن گئے ہوئے تھے جبکہ بنوبکر اہل مکہ کے حلیف تھے۔ بنوخزاعہ کا ایک قافلہ رات ایک چشمہ کے کنارے سورہا تھا کہ بنوبکر نے شب خون مار کران کے بہت سے افراد قتل کر دیئے اس کارروائی میں قریش نے بنوبکر کی پوری مدد کی۔ یہ حرکت صلح حدیبیہ کے معاہدے کی سنگین خلاف ورزی تھی۔ بنوخزاعہ نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اس ظلم کی داستان سنائی جس سے آپ کو سخت دکھ ہوا آپ نے اپنا سفیر قریش مکہ کے پاس تین شرائط کے ساتھ روانہ کیا اور مطالبہ کیا گیا کہ ان تینوں شرطوں میں سے کوئی ایک شرط منظور کرلیں۔

۱۔ یہ کہ بنوخزاعہ کے مقتولین کا خون بہا ادا کیا جائے۔

۲۔ یا قریش بنوبکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔

۳۔ یا اعلان کیا جائے کہ معاہدہ حدیبیہ ٹوٹ چکا ہے۔

قاصد یہ پیغام لے کر قریش کے پاس گیا تو قریش کے ایک شخص نے تیسری شرط منظور کرنے کا اعلان کر دیا۔ قاصد یہ جواب لے کر مدینہ رخصت ہوا تو پھر قریش کو ہوش آئی کہ انہوں نے معاہدہ ٹوٹ جانے کا اعلان کر کے سخت غلطی کی ہے اور فیصلہ کیا کہ ابوسفیان کو فوراً مدینہ روانہ کیا جائے تا کہ معاہدہ کی پھر سے تجدید کرا سکیں۔

ابوسفیان مدینہ آئے تو حضور سے ملاقات کرنے سے قبل حالات کا جائزہ لیتے رہے اور ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ اپنی بیٹی کے گھر آئے۔ والد کو اندر آتے دیکھ کر آپ نے حضورؐ کا بستر سمیٹ لیا۔

ابوسفیان نے کہا: کیا یہ بستر تمہارے والد کے قابل نہیں۔ آپ نے جواب دیا: بستر رسول ؐاللہ کا ہے اور آپ مشرک اور ناپاک ہیں۔ اس کو ہاتھ بھی نہ لگائیں۔ ابوسفیان غصہ سے باہر آ گئے اور رسول ؐاللہ کی خدمت میں آ کر صلح کی مدت میں توسیع کی درخواست کی مگر آپؐ نے جب کوئی جواب نہ دیا تو وہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچے انہوں نے بھی سفارش سے انکار کر دیا پھر وہ حضرت عمرؓ کے پاس گئے آپ نے بھی انکار کر دیا۔ حضرت عمرؓ سے مایوس لوٹ کر حضرت علیؓ کے گھر گئے۔ سیدہ فاطمہؓ اور آپ کے بیٹے حسنؓ موجود تھے بات سن کر سیدہ نے بڑے نرم انداز سے فرمایا:

”رسول ؐاللہ جب کسی کام کا ارادہ فرمالیتے ہیں تو اس سے کوئی شخص آپ کو

نہیں روک سکتا۔"

ابوسفیان مسجد نبوی آ کر کھڑے کھڑے یہ کہہ کر مکہ روانہ ہو گئے کہ صلح قائم ہے۔ مکہ آ کر قریش کو حالات سے مطلع کیا تو قریش بہت برہم ہوئے کہ تمہارا یہ اعلان صلح یکطرفہ بے معنی ہے تم غلط اقدام کر آئے ہو یہ تو نہ صلح ہے کہ ہم مطمئن ہو جائیں اور نہ اعلان جنگ کہ اس کے لیے تیاری کریں۔

حضور علیہ السلام نے مسلمانوں کو جہاد کی تیاری کا حکم دیا اور اس کا اہتمام کیا کہ ساری کارروائی کو خفیہ رکھا جائے۔ کیونکہ آپؐ نے یہ مناسب نہ جانا کہ قریش کو وقت دیا جائے جس سے بھرپور جنگ کا خدشہ ہو۔ آپؐ ایسی تدبیر اختیار کرنا چاہتے تھے کہ قریش مقابلہ کے بغیر ہتھیار ڈال دیں۔ لیکن اس دوران ایک صحابی حضرت حاطب بن ابو بلتعہ نے خفیہ طور پر قریش کی طرف ایک خط لکھ کر سارہ نامی کنیز کو دیا۔ خط میں رسول اللہ کی جنگی تیاریوں کی اطلاع تھی۔ مگر اللہ کے نبیؐ کو اس واقعہ کی خبر مل گئی تو آپؐ نے حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ کو سارہ کے تعاقب کا حکم دیا اور فرمایا کہ اس کے پاس خط ہے وہ اس سے حاصل کرو۔ دونوں حضرات نے سارہ کو کچھ فاصلے پر پکڑ لیا تلاش پر خط نہ ملا تو حضرت علیؓ نے دھمکایا کہ اگر اس نے خود خط نہ دیا تو مجبوراً اس کی جامہ تلاشی لی جائے گی۔ اس دھمکی سے ڈر کر سارہ نے سر کے بالوں میں چھپایا ہوا خط دے دیا۔ دونوں حضرات نے مدینہ آ کر خط حضورؐ کو پیش کر دیا۔

آپؐ نے حاطب کو طلب کیا اور پوچھا: حاطب نے عرض کی کہ میرا حضورؐ پر ایمان جس طرح پہلے تھا اب بھی ہے۔ میرے اہل و اعیال ابھی تک کہ مکہ میں گھرے بیٹھے ہیں۔ اس اطلاع کا مقصد قریش پر احسان رکھنا تھا کہ اس کے صلے میں لڑائی کے وقت انہیں قتل نہیں کریں گے۔ اس لیے میں نے یہ خط لکھا۔ حضرت عمرؓ نے اس حرکت پر حاطب کو قتل کرنے کی اجازت مانگی۔ لیکن جبین رحمت پر ہلکی سی شکن بھی نہ آئی اور فرمایا: حاطب بدر کی جنگ میں شریک تھے اور اللہ تعالیٰ نے بدر کی جنگ میں حصہ لینے والوں کے پچھلے اور اگلے گناہ معاف کر دیئے ہوئے ہیں۔

رمضان المبارک کی دس تاریخ ۸ھ کو لشکر اسلامی نے اپنے آقا کی قیادت میں مکہ کی طرف کوچ کیا۔ اس لشکر میں مہاجرین و انصار کے علاوہ بنو سلیم تھے۔ بنو مزینہ اور بنو غطفان کا بھی بہت بڑا ہجوم تھا۔ اس کے علاوہ دیگر قبائل کے بہت لوگ تھے۔ چمکیلی زرہیں پہنے اسلحہ سے لیس

ہزاروں کی تعداد میں تیز رفتار چلتی ہوئی فوج جارہی تھی۔ راستہ میں مختلف قبائل حضورؐ کے حکم کے مطابق لشکر میں شمولیت کیلئے تیار کھڑے تھے وہ سب وقفہ وقفہ پر شامل ہوتے گئے ایک روایت کے مطابق دس ہزار مجاہدین کا یہ لشکر تھا۔ حضورؐ رحمت اللعالمین اپنی سواری پر تشریف فرما اللہ سے دعا کر رہے تھے کہ کسی طرح خون کا قطرہ بہائے بغیر مسلمان بیت اللہ میں داخل ہو جائیں۔

چلتے چلتے مکہ سے کچھ دور مرالظہران کے مقام پر لشکر کو رکنے کا حکم دیا گیا۔ اہل مکہ ابھی تک ان کی آمد سے بے خبر تھے مکہ کے پہاڑوں پر رہنے والوں نے مجاہدین کے لشکر کا نظارہ دیکھا تو ان کے دل لرز گئے۔ اسی اثناء میں حضرت عباسؓ نے مکہ سے آکر حضورؐ سے ملاقات کی اور عرض کی کہ کوئی ایسی صورت پیدا کی جائے جس سے قریش جنگ کی بجائے امان طلب کریں۔ حضور علیہ السلام نے حضرت عباسؓ کو قریش کے پاس بھیجنے کا فیصلہ فرمایا تاکہ وہ قریش کو اس حد تک مرعوب کریں کہ مسلمانوں کا مکہ پر پرامن قبضہ کی راہ ہموار ہو جائے۔

حضرت عباسؓ حضور علیہ السلام کی سفید اونٹنی پر سوار ہوئے اور مکہ روانہ ہو گئے راستے میں ان کی ملاقات ابوسفیان، بدیل بن ورقا اور حکیم بن حزام سے ہوگئی۔ وہ تینوں پہاڑوں پر آگ روشن ہونے کی حقیقت معلوم کرنے آرہے تھے۔ حضرت عباسؓ نے تینوں کو کہا: تمہارا برا ہو۔ یہ رسولؐ اللہ کا لشکر ہے جو مکہ پر حملہ کرنے آئے ہیں۔ ان تینوں نے بھی اونچے پہاڑ سے لشکر اسلام کا نظارہ دیکھا تو ہمت ہار گئے۔ ابوسفیان نے حضرت عباسؓ سے کہا کہ کوئی تدبیر کرو کہ کشت وخون نہ ہو۔ حضرت عباسؓ نے ابوسفیان کو ساتھ لیا دوسرے دونوں حضرات کو مکہ واپس کیا اور خود حضورؐ کی خدمت میں ابوسفیان کو لے آئے حضور علیہ السلام نے فرمایا: اے ابوسفیان کیا اب بھی تمہیں یقین نہیں آیا کہ خدا کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ ابوسفیان نے عرض کی۔ آپ پر میرے ماں باپ قربان اس ذات کی قسم جس نے آپ کی ذات میں تحمل، مکرم اور صلہ رحمی جیسے صفات سمو دیئے ہیں اگر ایک خدا کے سوا کوئی اور ہوتا تو آج ضرور ہمارے کام آتا۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ کیا وہ وقت نہیں آیا کہ تم مجھے اللہ کا رسول تسلیم کرلو۔ ابوسفیان بولا: بخدا میرے دل میں ابھی اس بارے شک ہے۔

ابوسفیان کو دیکھئے کہ ایک قیدی کی حیثیت سے لشکر اسلام میں بیٹھ کر بھی وہ ہی بات کرتے ہیں جو ان کے دل میں ہے مدینہ طیبہ کے منافقین اور مکہ کے قریش میں یہی فرق تھا۔

حضرت عباسؓ نے جو ابوسفیان کی کمزوریوں سے واقف تھے اس کو کہا: ابوسفیان ادھر

ادھر کی باتیں چھوڑو اب سیدھی طرح لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کر لو۔ چنانچہ قریش کا سب سے بڑا سردار صبح تک پروردگار عالم کے حضور سربسجود ہو گیا۔ اس موقعہ پر حضرت عباسؓ نے رسول پاکؐ سے درخواست کی کہ ابوسفیان کو اس پر فخر کا موقعہ مل جائے گا۔ آپ ان کے اعزاز میں کچھ فرمائیں۔ رسولؐ خدا نے فرمایا: کیوں نہیں۔ جو شخص ابوسفیان کے گھر پناہ لے گا۔ یا اپنے گھر میں دروازہ بند کر کے اندر چھپ جائے یا مسجد حرام میں داخل ہو جائے ان میں سے کسی شخص کو کچھ نہ کہا جائے گا۔ حضور علیہ السلام کے حکم پر ابوسفیان کو لشکر اسلامی کا پورا نظارہ کرایا گیا تاکہ مسلمانوں سے مقابلہ کی کسی کو جرات نہ رہے۔

اگلے روز صبح اسلامی فوج مختلف دستوں اور پرچموں میں مختلف راستوں سے مکہ کی طرف بڑھی تو ابوسفیان تیزی سے قریش کی طرف گئے اور ایک اونچی جگہ کھڑے ہو کر بلند آواز سے پکارا۔

"اے قریش حضرت محمدؐ اپنا لشکر جرار لیکر پہنچے ہیں جس کا تم مقابلہ نہیں کر سکتے اور ساتھ ہی اعلان کر دیا جو شخص ابوسفیان کے گھر پناہ لے گا۔ جو کوئی اپنے گھر دروازہ بند کر کے پناہ گزیں ہو گا اور جو شخص بیت اللہ میں پناہ لے ان کیلئے معافی ہے"۔

لشکر اسلام آگے بڑھ کر ذی طویٰ پر رکا اور دیکھا کہ اہل مکہ میں مقابلہ کی ہمت نہیں۔ حضور علیہ السلام نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے اپنے رسولؐ کے لیے مکہ کے دروازے بغیر خون خرابے کے کھلوا دیئے ہیں۔ آپؐ نے لشکر اسلام کے تمام کمانڈروں کو حکم دیا کہ ہتھیار صرف اپنے دفاع کے لیے استعمال کریں۔ ہر فوجی یونٹ الگ راستوں سے مکہ میں داخل ہوا صرف حضرت خالدؓ بن ولید کو ایک چھوٹا سا فوجی نوعیت کا واقعہ پیش آیا جب ان کے دستے پر بنوبکر کے کچھ لوگوں نے ابوسفیان کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے تیر برسانے شروع کیے تو حضرت خالدؓ کو جوابی حملے کی ضرورت پیش آئی۔ ایک صحابی کمانڈر حضرت سعد بن عبادہ نے بھی جوش میں یہ نعرہ لگایا کہ آج گھمسان کی جنگ کا دن ہے اور آج کعبہ کا ماحول معرکہ کے لیے کھلے گا۔ حضور علیہ السلام کو اس کا علم ہوا تو فوراً سعدؓ بن عبادہ سے پرچم لے کر اس کے بیٹے قیس کے سپرد کیا اور فرمایا آج کا دن کعبہ کی عظمت کے اظہار کا دن ہے۔

حضور علیہ السلام بیت اللہ تشریف لے گئے۔ اس کی آغوش میں ۳۶۰ بت جاگزیں

تھے۔ بیس سال قبل جس مقصد کے لیے حضورؐ دعوت دے رہے تھے اور قریش جن بتوں کی حمایت میں پورا عرصہ ڈٹے رہے۔ آج ان جھوٹے خداؤں سے بیت اللہ پاک ہو گیا۔ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا اور یہ تقریر فرمائی۔

''ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا ہے۔ اس نے اپنے بندہ کی مدد کی اسی اکیلے نے تمام لشکروں کو شکست دی۔ سنو۔ آج تمام کبر و غرور۔ پچھلے خون کے تمام انتقام اور سب خون بہا اور مال کے تمام مطالبے سب کو اپنے پاؤں تلے کچل رہا ہوں۔ ہاں بیت اللہ کی پاسبانی۔ حاجیوں کو پانی پلانا اپنی جگہ پر قائم ہے ان دونوں کو میں پہلے کی طرح ان کے لیے جن کے پاس یہ ہیں باقی رکھتا ہوں۔''

''اے قریش! اب خدا نے تمہارے جاہلیت کے غرور اور نسب کے فخر کو مٹا دیا ہے۔ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے''

خطبہ کے بعد آپؐ نے مجمع کی طرف دیکھا تو ظالم قریش سامنے تھے۔ ان میں وہ بھی تھے جنہوں نے بہت ظلم زیادتیاں اور گستاخیاں کی تھیں۔ اس کے باوجود زبان مبارک کھلتی ہے اور سوال ہوتا ہے: اے قریش بتاؤ کہ میں تم سے کیا سلوک کرنے والا ہوں۔ وہ بے اختیار پکار اٹھے۔

''آپؐ ہمارے ایک شریف بھائی ہیں اور مہربان بھائی کے بیٹے ہیں۔ ہمیں آپ سے بھلائی ہی کی امید ہے''۔

حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''آج تم پر کوئی الزام نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو''

لطف و احسان کا اس سے بڑا مظاہرہ کیا ہو گا۔ کہ کعبہ کی کنجی اسی عثمان بن طلحہ کو دی جس سے ایک بار حضورؐ نے کعبہ کا دروازہ کھلوانے کی درخواست کی تو اس نے حضورؐ کی خواہش سختی سے مسترد کر دی۔

حضور علیہ السلام کے ان فیصلوں کا مشرکین مکہ پر زبردست اثر پڑا۔ عتاب بن اسید آگے بڑھا اور یہ کہے بغیر نہ رہ سکا: اے محمدؐ میں عتاب بن اسید ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ حضور علیہ السلام نے انہیں مکہ کا گورنر مقرر

فرمایا۔ اپنے صحابہ کے ساتھ حضور علیہ السلام نے پندرہ دن تک قیام فرمایا۔ اس دوران مکہ کے اسلامی ریاست میں شامل ہونے پر وہاں کے نظم ونسق کے انتظامات مکمل فرمائے اور مدینہ طیبہ کے لیے روانگی فرمائی اور اپنا ایک بھی سپاہی مکہ میں نہ چھوڑا ایک فاتح کی حیثیت سے پیغمبر خدا کا رویہ اتنا فراخ دلانہ تھا کہ اہل مکہ کا تعصب اس کی لہروں میں بہہ گیا اور مکہ مشرف بہ اسلام ہو گیا اور راز خود اسلامی ریاست کا حصہ بن گیا۔

جنگ حنین

مسلمان فتح مکہ کے بعد پندرہ یوم وہاں رہے اور بغیر خون خرابے کے مکہ فتح ہونے پر خدا کا شکر ادا کرتے رہے۔ حضرت بلال اذانیں دیتے رہے اور مسلمان بیت اللہ میں نمازیں ادا کرتے رہے۔ جہاں اس فتح عظیم کا بہت فائدہ ہوا کہ مختلف قبائل خود حاضر ہو کر اسلام لانے کا اعلان کرتے وہاں قبیلہ بنو ہوازن وثقیف پر اس کا الٹا اثر ہوا۔ یہ دونوں قبیلے نہایت جنگجو اور ماہر حرب تھے۔ اسلام کو جس قدر فروغ ہوتا جاتا۔ یہ بے قرار ہوتے جاتے۔ فتح مکہ کے بعد ان دونوں قبیلوں نے سمجھ لیا کہ آئندہ ان کی باری ہے۔ اس لیے آپس میں مشورہ کر کے انہوں نے طے کیا کہ مسلمان مکہ میں ہیں ان پر اچانک یکبارگی حملہ کر دیا جائے۔ اس فیصلہ کے مطابق یہ دونوں قبائل بڑے زور وشور اور جوش کے ساتھ حملہ کرنے کے لیے آگے آئے۔ ان کے جنگی جنون کا یہ عالم تھا کہ یہ اپنے ساتھ اپنے اہل وعیال' بچے اور عورتیں ساتھ لائے کہ ان کی حفاظت کی خاطر جانیں دیں گے۔ اس معرکہ میں ان قبائل کی تمام شاخیں شریک ہوئیں سوائے کعب اور کلاب کے' انہوں نے انکار کر دیا تھا۔

دونوں قبائل کا سردار مالک بن عوف اپنی طاقت کے نشہ میں اہل اسلام کو شکست دے کر پورے عرب کا بادشاہ بننے کا خواب دیکھ رہا ہے۔ حنین کی وادی میں پہلے پہنچ کر مناسب مقامات پر قبضہ کر لیا اور تیر اندازوں کے دستے پہاڑوں کی گھاٹیوں اور دروں میں جا بجا متعین کر دیئے۔

مکہ میں حضورؐ کو ان قبائل کی خبر آئی تو آپؐ نے اپنے ایک صحابی کو تصدیق کے لیے بھیجا۔ انہوں نے حنین میں آ کر سارے حالات کا جائزہ لیا۔ قبائل کے لوگوں کی باتیں سنیں تو واپس کر حضورؐ کو مطلع کیا۔ حضورؐ نے بھی مقابلہ کی تیاری کی اور حنین کا رخ کیا۔ اسلامی لشکر کی

تعداد اب بارہ ہزار تھی مگر اس لشکر میں ایسے نومسلم بھی کافی تھے جو دین کے معاملے میں کمزور تھے مگر تعداد کے اعتبار سے ہر دستے کا سردار آج اپنی افرادی قوت پر نازاں تھا۔ (سورہ توبہ میں اس کا ذکر موجود ہے)

میدان جنگ میں بہتر ٹھکانوں پر کفار کا قبضہ تھا جنگی نکتہ نگاہ سے وہ اچھی پوزیشنیں سنبھال کر منتظر تھے۔ جونہی اسلامی لشکر کا ہراول دستہ بنو ہوازن کے تیر اندازوں کی زد میں آیا انہوں نے یکبارگی تیر برسانے شروع کر دیئے۔ تیر انداز گھاٹیوں میں محفوظ تھے۔ اس اچانک تیر اندازوں نے مسلمانوں کی صفوں میں افراتفری پھیلا دی اور منتشر ہونے لگے اور کچھ بھاگنے لگے۔ اس وقت جبکہ تمام فوج کے قدم اکھڑ گئے۔ ایک پیکر مقدس اپنی جگہ قائم ہے۔ جو تنہا ایک فوج' ایک ملک' ایک اقلیم' ایک عالم بلکہ مجموعہ کائنات ہے۔ اس بھگدڑ کی حالت میں حضور علیہ السلام میدان جنگ میں جمے رہے۔ آپؐ نے اپنی داہنی جانب دیکھا اور پکارا یا معشر الانصار آواز آئی حاضر ہیں۔ پھر بائیں طرف رخ مبارک کر کے پکارا۔ اب بھی وہ ہی آواز آئی۔ آپؐ سواری سے اتر پڑے اور فرمایا میں خدا کا بندہ ہوں اس کا رسولؐ ہوں۔ حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ مہاجرین و انصار کو آواز دو۔ اے گروہ انصار۔ اے اصحاب الشجر ۃ (بیعت رضوان والے) صحابہ نے فوراً جواب دیا: ہم حاضر ہیں۔ لشکر بکھر چکا تھا جو مجاہد اپنی سواری موڑنا چاہتا وہ موڑ نہ سکتا تھا پھر بھی اس پکار کی طرف کسی نہ کسی طرح پہنچ گیا اس پر اثر آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ تمام فوج پلٹ پڑی۔ اب لڑائی کا نقشہ بدل چکا تھا۔ دشمن کے بے شمار آدمی مارے گئے۔ جب ان کا علم بردار عثمان بن عبداللہ مارا گیا تو وہ بھاگ نکلے کچھ اوطاس جمع ہوئے اور کچھ طائف جا کر پناہ گزیں ہوئے۔ ان کے ساتھ ان کا کمانڈر مالک بن عوف بھی تھا۔

حضور علیہ السلام نے اوطاس میں کفار کی سرکوبی کے لیے ابو عامر اشعری کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ آگے بھیجا۔ ابو عامر شہید ہوئے تو ابو موسیٰ اشعری نے علم سنبھال لیا اور بھاگی ہوئی کفار کی فوج کے سردار کو قتل کر دیا۔

اسیران جنگ کی تعداد ہزاروں تھی۔ ان میں حضرت شیما حضور علیہ السلام کی رضاعی بہن بھی تھی۔ انکی بڑی تعظیم کی۔ اسے اجازت دی کہ وہ چاہے تو یہاں رہے۔ مگر شیما نے خاندانی محبت سے وطن جانا چاہا تو اس کو بحفاظت ان کے وطن پہنچا دیا گیا۔

طائف کا محاصرہ

حنین میں شکست خوردہ بنوثقیف طائف میں پناہ گزیں ہو کر پھر جنگ کی تیاری کرنے لگے۔ بنوثقیف کے کچھ خاندان بھی طائف میں آباد تھے طائف کے لوگ شجاع اور فنون جنگ کے ماہر تھے یہ منجنیق بنانے اور اس کے استعمال سے بخوبی واقف تھے اس لیے اپنے آپ کو قریش کا ہم پلہ سمجھتے تھے۔ حضور علیہ السلام نے طائف جا کر محاصرہ کرنے کا حکم دیا یہ ایک قسم کا دفاعی حملہ تھا۔ محاصرہ کے دوران اہل طائف نے قلعہ سے سخت تیراندازی کی اور منجنیق بھی استعمال کی۔ چند یوم بعد آپؐ نے ابوسفیان سے مشورہ لیا کیونکہ طائف کے سردار عروہ بن مسعود کے ساتھ ان کی ہمشیرہ بھی بیاہی ہوئی تھی آپ نے مشورہ دیا کہ بلی بھٹ میں گھس گئی ہے کوشش جاری رہے تو پکڑ لی جائے گی چھوڑ دی جائے تو بھی اندیشہ نہیں حضور علیہ السلام نے محاصرہ اٹھانے کا حکم دیا۔ بعض صحابہ نے ان کے لیے بددعا کی گذارش کی۔ حضور علیہ السلام نے دعا فرمائی: اے اللہ ثقیف کو میرے پاس بھیج دے۔

محاصرہ سے فارغ ہو کر آپؐ جعرانہ تشریف لائے جہاں مال غنیمت جمع کیا ہوا تھا جو چھ ہزار اسیران جنگ، ہزاروں کی تعداد میں اونٹ بھیڑ بکریاں اور کثیر مقدار چاندی پر مشتمل تھا۔ مال غنیمت حکم الٰہی کے مطابق مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا۔

اسیران حنین کی رہائی

حنین کے اسیر بھی جعرانہ میں محفوظ تھے ان کی طرف سے ایک معزز سفارت حضور علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئی اور عرض کی کہ حنین کے جنگی قیدی رہا کر دیئے جائیں۔ آپؐ کی رضاعی والدہ حلیمہ اسی قبیلہ کی تھیں۔ رئیس سفارت نے حضور علیہ السلام کو مخاطب کر کے کہا جو عورتیں چھپروں میں محبوس ہیں ان میں آپ کی خالائیں اور پھوپھیاں ہیں خدا کی قسم اگر سلاطین عرب میں سے کسی نے ہمارے خاندان کا دودھ پیا ہوتا تو ان سے بہت کچھ امیدیں ہوتیں۔ آپ سے تو اور بھی زیادہ توقعات ہیں۔

حضور علیہ السلام نے جواب دیا۔ خاندان عبدالمطلب کا جس قدر حصہ ہے وہ تمہارا ہے۔ لیکن عام رہائی کے لیے نماز مغرب کے وقت سب کے سامنے اپنی بات کرو۔ چنانچہ نماز مغرب کے بعد مجمع کے سامنے سفارت نے بات کی تو آپؐ نے فرمایا مجھے میرے خاندان پر اختیار

ہے۔ تمام مسلمانوں سے صرف سفارش کرتا ہوں۔ مہاجرین وانصار پکار اٹھے۔ حضورؐ! ہمارا حصہ بھی آپ کا ہے۔ اس طرح سب قیدی آزاد کر دیئے گئے۔

جنگ تبوک

غزوۂ تبوک حضور علیہ السلام کی حیات طیبہ کا آخری غزوہ تھا مدینہ منورہ سے یہ مقام چھ صد کلومیٹر ہے۔ جنگ موتہ میں سرفروشان اسلام کا تین ہزار کا مختصر دستہ قیصر کی ایک لاکھ فوج سے جا ٹکرایا تھا۔ اس جنگ کا نتیجہ تو یہ نکلتا کہ مسلمانوں کا یہ مختصر فوجی دستہ پس جاتا لیکن یہ دیکھ کر سارا عرب حیران رہ گیا کہ کفار مسلمانوں پر غالب نہ آ سکے۔ یہی وہ چیز تھی جس نے شام وعراق اوران کے قرب میں بسنے والے قبائل کو اسلام کی طرف متوجہ کیا۔

چنانچہ دوسرے ہی سال قیصر نے اہل اسلام کو سزا دینے کیلئے شام کی سرحد پر فوجی تیاریاں شروع کر دیں۔ حضور علیہ السلام نے ان تیاریوں کا مقصد سمجھ لیا اس لیے قیصر کی عظیم طاقت سے ٹکرانے کا فیصلہ کر لیا اس معرکہ نے ایسے وقت سر اٹھایا جب مدینہ میں قحط سالی تھی۔ گرمی اس قدر تھی گویا دوزخ کا منہ اسطرف کھل گیا ہو۔ تبوک کے اس دور دراز سفر کیلئے پانی سواریوں اور دیگر سروسامان کا انتظام بہت بڑا مسئلہ تھا۔ پہلے کی جنگوں سے یہ جنگ بہت مختلف نوعیت کی حامل تھی۔ اس میں شام اور روم کی تربیت یافتہ فوج سے مقابلہ تھا جس کے ساتھ جنگی سروسامان کے لحاظ سے کوئی نسبت نہ تھی۔

مدینہ طیبہ میں مسلمانوں میں بہت سے منافق ابھی بھی چھپے بیٹھے تھے۔ جنگ تبوک کا معرکہ اور موقعہ انہیں بے نقاب کرنے میں اپنا پورا کام کر گیا۔ کیونکہ مسلمانوں کو تیاری کا حکم ملتے ہی منافقین نے حضورؐ کے پاس آ کر کئی حیلے بہانے تراشے تاکہ انہیں اس جنگ میں شریک نہ ہونے کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ قرآن مجید میں بڑی صراحت سے منافقین کی ان حرکتوں کا ذکر ہے۔ وفا شعار مسلمان اپنی اپنی بساط کے مطابق خود بھی تیاری میں مصروف ہو گئے اور جنگ کے اخراجات کے لیے بھی جو بن پڑا حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضرات صدیق اکبرؓ۔ عمر فاروقؓ۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور عثمان غنیؓ نے دل کھول کر لشکر اسلام کی مالی امداد فرمائی۔ جان نثار ہر طرف سے آ کر لشکر میں شریک ہونے لگے۔ جو بے سروسامان تھے اور کہیں سے جانے کا بندوبست نہ ہو سکا' روتے رہ گئے۔

آدمیوں کی کثرت سواریوں کی کمی اور ضروری ساز و سامان کی قلت کے باعث تبوک جانے والے لشکر کو جیش عسرت بھی کہتے ہیں اور چونکہ اس غزوہ کی وجہ سے منافقین کی راز داریاں مکمل فاش ہو گئیں اور ان کی بہت فضیحت ہوئی لہٰذا اس کو غزوہ فاضحہ بھی کہتے ہیں۔

رجب ۹ ہجری میں حضور علیہ السلام تیس ہزار مجاہدین کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے۔ ان میں دس ہزار سوار تھے۔ ایک سواری پر کئی آدمی باری باری بیٹھتے۔ آگ کی طرح تپتے صحراؤں سے گزر رہے تھے۔ مگر جذبہ شوق اور اللہ کے دین سے لگاؤ اور محبت نے ان میں ایسا جوش پیدا کر دیا تھا کہ یہ تکالیف ان کے لیے ہیچ تھیں۔ راستے میں وادیٔ حجر کا مقام آیا تو حضورؐ کے حکم سے سر جھکائے لشکر اسلام تیزی سے گزر گیا۔ یہاں بھی قوم ثمود بستی تھی جن پر عذاب آیا۔

لشکر اسلام نے تبوک پہنچ کر قیام کیا۔ یہی جگہ میدان جنگ تھی۔ حضور علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ قیصر نے سرحدی علاقوں میں فوج اکٹھی کی ہوئی تھی۔ قیصر روم کو جب معلوم ہوا کہ اس کی اتنی زبردست تیاری کے باوجود مسلمان اتنی بے خوفی اور دلیری کے ساتھ نکل آئے ہیں اور برابر بڑھتے چلے آرہے ہیں تو اسے اپنی فوجیں واپس لے جانے کے علاوہ کوئی بہتری معلوم نہ ہوئی اور وہ جنگ کو ٹال گیا۔ غزوہ موتہ میں وہ خود اس لشکر کا نظارہ کر گیا تھا جس میں حضورؐ شامل نہ تھے اور اب اس معرکے کی قیادت حضور علیہ السلام بنفس نفیس فرما رہے تھے۔

قیصر کے اس طرح میدان جنگ سے ہٹ جانے کو کافی سمجھا گیا پیچھا کرنے کی بجائے اس علاقے پر اپنے اثرات مضبوط کرنا مناسب خیال فرمایا۔ چنانچہ بیس یوم قیام کے بعد اور اردگرد کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو جو رومیوں کی باج گزار تھیں اسلامی حکومت کا مطیع بنایا گیا انہوں نے خراج دینا منظور کر لیا۔ البتہ رومہ کا عیسائی حکمران اکیدر بن عبدالملک جو سرحدی علاقوں کا حکمران تھا' اکثر شرارتیں کرتا رہتا۔ آپؐ نے حضرت خالدؓ کو ایک دستہ کی کمان کے ساتھ اس کی سرکوبی کرنے کے لیے روانہ فرمایا۔ وہ اس طرح بڑھے کہ اکیدر کو پتہ نہ چل سکا۔ اکیدر اور اس کا بھائی حسان اسی رات شکار کے لیے قلعہ سے باہر آئے اور اسلامی لشکر کے ہاتھ چڑھ گئے حضرت خالدؓ نے حسان کو قتل کر دیا اکیدر کی جان بخشی اس شرط پر کی کہ قلعہ کے دروازے کھول دے چنانچہ اکیدر نے دروازے کھلوا دیئے۔ لشکر اسلام نے قلعہ فتح کر لیا تو سامان غنیمت کے ساتھ اکیدر کو بھی حضورؐ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ آپؐ نے بھی اکیدر کو امان دی اور وہ اسلامی ریاست کا باجگزار بن گیا۔

اس طرح یہ غزوہ بغیر جنگ کے ختم ہوا مگر اس سے سیاسی فوائد بہت حاصل ہوئے جو قبائل اور سرحدی حکمران پہلے قیصر کی حمایت میں اٹھتے رہے اب ان میں بیشتر اسلامی ریاست کے معاون ہو گئے۔

جب حضور علیہ السلام واپس مدینہ تشریف لائے تو حسب معمول پہلے مسجد نبوی آئے سجدہ شکرادا فرمایا اور لوگوں سے ملاقات کیلئے تشریف فرما ہوئے۔ منافقین آ کر جھوٹے بہانے اور قسمیں کھا کر غزوہ نہ کر سکنے کی معذرت کرتے جاتے آپؐ نے ان کے باطن عذرات کو اللہ کے سپرد فرمایا۔ پھر کعب بن مالک' بلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع کے معاملات پیش ہوئے یہ سچے مومن تھے۔ عذر کر کے خلاصی حاصل کر سکتے تھے لیکن انہوں نے سچ بیان کیا۔ حضور علیہ السلام نے ان کے بارے فیصلہ اللہ پر چھوڑ دیا اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان سے کلام وسلام نہ کیا جائے۔ اللہ تعالٰی نے چالیس دن بعد قرآن میں ان کی بریت کا اعلان فرمایا اور ان کی توبہ قبول ہوئی' مدینہ کے مسلمان ان کی ملاقات کے لیے ٹوٹ پڑے کیونکہ یہ دن ان کی زندگی کا سب سے بہتر دن تھا۔

شرک کی ایک اور آندھی

مدینہ میں ایک عیسائی راہب کی درویشی' پارسائی اور علم کا بہت چرچا تھا۔ وہ بڑی عزت وتکریم کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور ان لوگوں میں سے تھا جو سمجھتے تھے کہ مدینہ اللہ کے آخری نبیؐ کی ہجرت گاہ ہے اور آپ کی آمد کا منتظر تھا۔ لیکن جب حضور علیہ السلام مدینہ تشریف لائے تو بجائے حاضر ہو کر اسلام لانے کے اس پر اسلامی دعوت کا الٹا اثر پڑا اور اسے اپنی سربراہی کا چاند ماند پڑنے کا خدشہ ہو گیا اور اسلام اور حضورؐ کا بدترین دشمن بن گیا اور اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف ہو گیا۔ جنگ خندق اور قیصر کو مدینہ پر حملہ کیلئے تیار کرنا اسی کی کاوشوں کا نتیجہ تھا۔

اسلام کے خلاف اس نے ایک اور سازش کی یہ کہ مدینہ کے منافقین کو اکٹھا کر کے انہیں اپنی اجتماعیت کو مضبوط کرنے کے لیے ایک عمارت کی تعمیر کا منصوبہ دیا کہ اس عمارت کو بظاہر مسجد قرار دے کر اسلحہ کا ذخیرہ خانہ بنا دو تاکہ بوقت ضرورت مسلمانوں کے خلاف استعمال ہو سکے۔ چنانچہ منافقین نے ایسا ہی کیا اور قبا میں یہ عمارت تعمیر کر کے مسجد ظاہر کی۔

چنانچہ تبوک سے واپسی پر جب یہ لوگ حضور علیہ السلام کے پاس آئے کہ آپؐ اس مسجد کا خود افتتاح فرمائیں تو اللہ تعالٰی نے آیت نازل فرما کر اس کو مسجد ضرار قرار دیا اور گرانے کا حکم دیا۔ اس طرح مسلمان مشرکین کے ایک اور فتنہ سے محفوظ ہو گئے جو قوم میں تفرقہ کا سبب بن سکتا تھا۔

بنو ثقیف کا اسلام لانا (رمضان ۹ ہجری)

جنگ حنین سے جانیں بچا کر بنو ثقیف طائف جا کر پناہ گزیں ہو گئے اور کئی دن تک محصور رہے۔ آخر حضور علیہ السلام کے حکم سے محاصرہ اٹھا لیا گیا اور لشکر اسلام مدینہ کی طرف روانہ

ہو گیا۔

ابن اسحاق نے کہا ہے کہ جب تبوک سے واپس آ کر حضور علیہ السلام مدینہ طیبہ پہنچے تو اسی بنو ثقیف کا وفد حاضر خدمت ہوا یہ واقعہ بڑی اہمیت کا حامل ہے اس لیے اس کی تفصیل سے آ گاہ ہونا ضروری ہے۔

رسول خداؐ جب ثقیف کے محاصرہ سے واپس ہوئے تو بنی ثقیف کا ایک سردار عروہ بن مسعود آپ کے پیچھے تلاش میں نکلا اور مدینہ پہنچنے سے قبل ہی راستے میں حضور علیہ السلام کو پالیا اور اسلام لے آیا اور مسلمان ہونے کی حالت میں اپنی قوم کے پاس واپس جانے کی اجازت مانگی۔ آپؐ نے فرمایا تمہیں بنی ثقیف قتل کر دیں گے مگر عروہ بن مسعود کو زعم تھا کہ قوم اسے محبوب رکھتی ہے اس لیے بصد اصرار اجازت لے کر قوم کے پاس آیا۔ ابن اسحاق نے کہا: عروہ واقعی قوم کا محبوب تھا مگر جونہی اس نے اپنا اسلام ظاہر کیا قوم یکدم بھڑک اٹھی اور اس پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی اور بنو مالک کے ایک شخص کے تیر سے وہ شہید ہو گئے۔ عروہ کو اس کی وصیت کے مطابق محاصرہ کے وقت شہید ہونے والوں کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔

عروہ کے قتل کے بعد بنو ثقیف وہاں ٹھہرے رہے اور حالات کا جائزہ لیتے رہے اور باہم مشورہ کیا' آخر طے پایا کہ اردگرد کے عربی قبائل سے جنگ کی وہ طاقت نہیں رکھتے لہٰذا سب نے بیعت کر لی اور اسلام قبول کر لیا اور ایک وفد مدینہ بھیجنے کی تجویز کی۔ اس کے لیے انہوں نے عبد یالیل کو منتخب کیا۔ عبد یالیل ڈر گیا کہ مدینہ واپس آنے پر عروہ کی طرح وہ بھی قتل نہ کر دیا جائے۔ بنو ثقیف نے پانچ شخص جو سردار تھے وہ اس کے ساتھ کر دیئے۔ چنانچہ وفد روانہ ہو گیا۔

حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے' آپؐ نے انہیں الگ خیمہ میں ٹھہرایا اور حضرت خالدؓ بن سعید حضور علیہ السلام اور وفد بنی ثقیف کے درمیان واسطہ بنے۔ بنی ثقیف اسلام لانے کو تیار تھے مگر ان کے دو مطالبے تھے ایک یہ کہ وہ بت پرستی تو نہ کریں گے مگر تین سال تک ان کے بت لات کو منہدم نہ کریں یہ مطالبہ نامنظور ہوا بلکہ ایک دن کی تاخیر کی اجازت بھی نہ دی گئی ان کا دوسرا مطالبہ ادائیگی نماز کی معافی۔ آپؐ نے فرمایا: دراصل اس دین میں کوئی بھلائی نہیں جس میں نماز نہیں بنی ثقیف نے ادائیگی نماز کا وعدہ کر لیا تو حضورؐ نے انہی میں سے ایک نوجوان عثمان بن ابی العاص کو ان کا امیر مقرر کیا۔ یوں بنو ثقیف مسلمانوں کی طاقت میں اضافہ کا سبب بنے۔

پہلا اسلامی حج اور اعلان برات

حضور علیہ السلام پورے دو ماہ مدینہ طیبہ ہی میں رہے۔ ۹ھ کے حج کے لیے حضرت ابوبکرؓ کو کاروانِ حج کا امیر بنا کر بھیجا کہ وہ پہلے جا کر مسلمانوں کے حج کا انتظام کریں۔ ادھر مشرکین بھی اپنے طور پر حج کا انتظام کر رہے تھے چنانچہ مسلمان جو حج کو جانے والے تھے مکہ روانہ ہو گئے۔

حضور علیہ السلام اور مشرکین کے مابین معاہدہ تھا کہ بیت اللہ میں جو بھی آئے اسے روکا نہ جائے گا اور نہ ہی شہر حرم میں کسی کو خوفزدہ کیا جائے گا یہ معاہدہ عام بغیر کسی وقت و مدت کے تعین کے تھا۔ اس معاہدے میں ایسے لوگ بھی شامل تھے جو اسلام کے خلاف دلوں میں بہت کچھ چھپائے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس معاہدے کو کالعدم قرار دے دیا۔ جب سورۃ براءت کا نزول ہوا تو حضرت ابوبکرؓ مکہ روانہ ہو چکے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیام براءت کا اعلان کرنے کے لیے حضور علیہ السلام نے حضرت علیؓ کو طلب فرما کر کہا:

> "براۃ (دست برداری) کے ابتدائی حصے میں سے اس حصے کو لے کر جاؤ اور یوم النحر (دسویں ذی الحج) کو جب لوگ منا میں جمع ہوں۔ اعلان کر دو کہ کوئی کافر جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور کوئی شخص برہنہ ہو کر بیت اللہ کا طواف نہیں کرے گا اور جس کا رسول اللہ سے معاہدہ ہے تو وہ معاہدہ اس کے لیے اسی مدت تک رہے گا اس کے بعد کوئی معاہدہ نہ ہوگا"۔

چنانچہ حضرت علیؓ ابن ابی طالب آپؐ کی اونٹنی پر سوار ہو کر مکہ روانہ ہو گئے اور حضرت ابوبکرؓ کو راستے میں ہی پا لیا۔ حضرت ابوبکرؓ کے پوچھنے پر حضرت علیؓ نے کہا کہ امیر حج آپ ہی ہیں۔ پھر اس سال بھی عرب اپنی جگہ جاہلیت کے دستور کے حج کا انتظام کر رہے تھے۔ جب یوم النحر آیا تو حضرت علیؓ نے کھڑے ہو کر لوگوں کے سامنے وہ ہی اعلان فرما دیا جس کی ہدایت رسولؐ اللہ نے فرمائی تھی۔

اعلان برات سے چار ماہ کی مدت مقرر فرمائی تا کہ ہر قبیلہ اپنے اپنے امن کے مقام یا اپنے اپنے شہروں میں واپس پہنچ جائے۔ پھر کسی مشرک سے معاہدہ نہ رہا۔ چنانچہ اس سال کے بعد کسی مشرک نے حج نہ کیا اور نہ کسی نے برہنہ ہو کر طواف سکیا اور اللہ تعالیٰ نے خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف جہاد کرنے کے احکام صادر فرمائے۔

سالِ وفود

ابن اسحاق بیان فرماتے ہیں کہ عام عرب اسلام کے بارے میں قریش کے رویے کے منتظر تھے۔ کیونکہ قائدین عرب قریش کی برتری کے معترف تھے۔ چنانچہ جب مکہ فتح ہو گیا تو قریش بھی اسلام کے قریب آ گئے۔ عرب کے دیگر قائدین نے محسوس کر لیا کہ اب مسلمانوں سے جنگ ان کے بس کی بات نہیں رہی تو اسلام کی طرف راغب ہونے لگے۔ اور ہر طرف سے وفود کی آمد کا تانتا بندھ گیا اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔ ان وفود میں وفد بنی تمیم، بنی عامر اور سعد بن بکر بھی تھے مگر بنی عامر کا وفد جو تین اشخاص پر مشتمل تھا ارادہ بد سے آیا لیکن نامراد واپس لوٹا اور تباہ ہو گیا۔ وفد بنو حنیفہ، وفد عبدالقیس، وفد طئی، وفد عدی بن حاتم قابل ذکر ہیں۔ پھر کندہ اور اہل جرش بھی اسلام لائے۔ تبوک سے ایک وفد شاہان حمیر کی تحریر لے کر حاضر خدمت ہوا جس میں عرض کی گئی تھی کہ ان کا سارا قبیلہ دولت اسلام سے مالا مال ہو گیا ہے۔ حضور علیہ السلام ایسے نومسلم قبیلوں میں فہم دین پیدا کرنے اور دین اسلام سکھانے کا بھی اہتمام فرماتے۔

بنو الحارث کا وفد جن میں ان کے بڑے بڑے سردار تھے حضرت خالدؓ کے ہمراہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور آتے ہی اسلام لانے کا اعلان کر دیا۔ حضور علیہ السلام نے انہیں دین اسلام کے قواعد سکھائے۔ ارکان اسلام کی طرف توجہ دلائی۔ وضو کرنے کا طریقہ بتایا۔ پانچوں نمازوں کے اوقات سمجھائے۔ نماز جمعہ کی تاکید فرمائی۔ زکوٰۃ اور روزوں کے آداب سکھائے۔

رفاعہ بن زید خزاعی صلح حدیبیہ کے موقع پر اسلام لایا، ان کا اسلام پختہ اور اچھا ہو گیا تو آپؐ نے انہیں اپنی قوم کی طرف دعوت اسلام دے کر روانہ کیا۔ جب انہوں نے اپنی قوم میں پہنچ کر حضورؐ کا پیغام دیا تو ان کا سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

تبوک سے ہمدان کے سرداروں اور رؤساء کا وفد حاضر ہو کر بخوشی اسلام لایا اور اپنے آپ کو اسلام کی اطاعت کیلئے پیش کیا۔ چند یوم بعد یہ وفد اسلام کی دولت سمیٹتا ہوا واپس وطن روانہ ہوا، انکی کاوشوں سے انکا وطن حلقہ بگوش اسلام ہوا۔

سورۃ النصر کے ثمرات اور حجۃ الوداع

اس سورت کے نزول کے بعد آپؐ کو معلوم ہو گیا کہ رحلت کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔ اس لیے اب ضرورت تھی کہ ساری دنیا کے سامنے اسلامی شریعت اور اخلاق کے تمام بنیادی

اصول مجمع عام میں بیان کر دیئے جائیں۔ چنانچہ رسول اللہؐ نے اس سال یعنی ۱۰ھ کو حج کا ارادہ فرمایا تاکہ خود تشریف لے جا کر مسلمانوں کو اعمال حج سے آگاہ فرمایا جائے۔

ذیقعدہ میں اعلان عام ہوا کہ حضور علیہ السلام حج کے ارادے سے تشریف لے جا رہے ہیں۔ یہ خبر پورے ملک میں پھیل گئی۔ صحراء کے بادیہ نشین پہاڑوں کی گھاٹیوں میں رہنے والے۔ دیہات اور شہروں کے باشندے۔ نزدیک و دور ہر طرف سے لوگ سمٹ کر مدینہ طیبہ پہنچنے لگے۔ یہ وہ لوگ تھے جو چند سال پیشتر ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے مگر آج اسلام نے انہیں ایک دوسرے سے محبت واخوت کے جذبہ سے سرشار کر دیا تھا اور آپس میں بھائیوں کا سا برتاؤ کر رہے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ۲۶ ذیقعدہ ۱۰ھ کو ایک لاکھ چالیس ہزار صحابہؓ کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ تمام ازواج مطہرات آپ کے ساتھ تھیں۔ آپ نے مدینہ طیبہ سے ۹ کلومیٹر کے فاصلہ پر ذوالحلیفہ کے مقام پر جو میقات ہے وہاں قیام فرمایا۔ شب بھر وہاں ٹھہرے اور اگلے روز حضورؐ کے ساتھ کاروان حج نے احرام باندھے اور اللھم لبیک کا ترانہ آواز بلند سے کہتے ہوئے مکہ روانہ ہو گئے۔ آپؐ جب مقام سرف میں پہنچے تو آپؐ نے حکم دیا کہ جو لوگ قربانی کے جانور نہیں لائے وہ عمرہ ادا کر کے احرام کھول دیں۔ ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ پھر رسول اللہؐ نے حج کی ادائیگی شروع کی' لوگوں کو مناسک حج بتائے اور سنن حج کی تعلیم دی۔

سرف کے مقام پر آپؐ غسل فرما کر دوسرے روز یعنی اتوار ذوالحج کی چار تاریخ کو صبح کے وقت مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ بنو ہاشم کے بچوں نے خوش آمدید کہا۔ بیت اللہ نظر آیا تو دعا کی: ''اے خدا اس گھر کو اور زیادہ عزت وشرف دے''۔ پھر کعبہ کا طواف کیا۔ طواف سے فارغ ہو کر دو رکعت نماز ادا کی' مقام ابراہیم کو سجدہ گاہ بنایا۔ صفا پر تشریف لائے' آیات مبارک تلاوت فرمائیں' مروہ پر پہنچ کر پھر دعا فرمائی' اسی طرح سات چکر مکمل فرمائے' جن صحابہ کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں تھے انہیں عمرہ مکمل کر کے احرام کھولنے کا حکم دیا جمعرات کے روز آٹھویں تاریخ کو تمام مسلمانوں کے ساتھ منا میں قیام فرمایا۔ اگلے دن جمعہ کے روز نماز فجر ادا کر کے منا سے روانہ ہو کر عرفات میں آئے اور تمام مسلمانوں میں بھی عرفات میں ٹھہرنے کا اعلان کرا دیا۔

حقوق انسانی کا عظیم ترین عالمی منشور

دوپہر ڈھل گئی تو کم وبیش ایک لاکھ چالیس ہزار اہل ایمان کے درمیان مکہ کے قریب

میدان عرفات میں آپؐ نے اپنی اونٹنی (قصوا) پر سوار ہو کر وہ خطبہ ارشاد فرمایا جو اسلام کے انفرادی اور اجتماعی اخلاقیات اور اصول شریعت کا ایک جامع ضابطہ ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حقوق انسانی کے عظیم ترین عالمی منشور کی حیثیت رکھتا ہے جسے ایک دائمی انسانی چارٹر کا درجہ دیا گیا ہے۔ خدائے بزرگ کی حمد وثناء کے بعد آپؐ نے خطبے کی یوں ابتداء فرمائی:

لوگو۔ میری بات سنو۔ میں نہیں سمجھتا کہ آئندہ کبھی ہم اس طرح کسی مجلس میں یکجا ہو سکیں گے اور غالباً اس سال کے بعد میں حج نہ کر سکوں گا۔

لوگو۔ اللہ کا ارشاد ہے۔ ''انسانو ہم نے تم سب کو ایک مرد عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں جماعتوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا کہ تم الگ الگ پہچانے جا سکو۔ تم میں زیادہ عزت و کرامت والا خدا کی نظروں میں وہ ہی ہے جو خدا سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔'' چنانچہ اس آیت کی روشنی میں نہ کسی عرب کو عجمی پر کوئی فوقیت حاصل ہے نہ کسی عجمی کو کسی عرب پر۔ نہ کالا گورے سے افضل ہے نہ گورا کالے سے۔ ہاں بزرگی اور فضیلت کا کوئی معیار ہے تو وہ تقویٰ ہے۔

انسان سارے ہی آدم کی اولاد ہیں اور آدم کی حقیقت اس کے سوا کیا ہے کہ وہ مٹی سے بنائے گئے۔ اب فضیلت و برتری کے سارے دعوے خون و مال کے سارے مطالبے اور سارے انتقام میرے پاؤں تلے روندے جا چکے ہیں۔ بس بیت اللہ کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمات اب بھی باقی رہیں گی۔ پھر ارشاد فرمایا: قریش کے لوگو۔ ایسا نہ ہو کہ خدا کے حضور اس طرح آؤ کہ تمہاری گردنوں پر تو دنیا کا بوجھ لدا ہوا ہو اور دوسرے لوگ سامان آخرت لے کر پہنچیں اور اگر ایسا ہوا تو میں خدا کے سامنے تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔

قریش کے لوگو! خدا نے تمہاری جھوٹی نخوت کو ختم کر ڈالا اور اب اسلاف کے کارناموں پر تمہارے فخر و مباہات کی کوئی گنجائش نہیں۔

لوگو۔ تمہارے خون و مال و حرمتیں ایک دوسرے پر قطعاً حرام کر دی گئیں ہمیشہ کے لیے۔ ان چیزوں کی اہمیت ایسی ہے جیسی تمہارے اس دن کی اور اس ماہ مبارک ذوالحج کی خاص کر اس شہر میں ہے تم سب خدا کے آگے جاؤ گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس کرے گا۔

دیکھو میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا۔ کہ آپس میں کشت و خون کرنے لگو۔ اگر کسی کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ اس بات کا پابند ہے کہ امانت رکھوانے والے کو امانت پہنچا دے۔

لوگو۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اپنے غلاموں کا خیال رکھو۔ انہیں وہی کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو۔ ایسا ہی پہناؤ جو تم خود پہنتے

ہو۔

دور جہالت کا سب کچھ میں نے اپنے پیروں سے روند دیا ہے۔ زمانہ جہالت کے خون کے سارے انتقام اب کالعدم ہیں۔ پہلا انتقام جسے میں کالعدم قرار دیتا ہوں میرے اپنے خاندان کا ہے۔

ربیعہ بن حارث کے دودھ پیتے بیٹے کا ہے جسے بنو ہذیل نے مار ڈالا تھا۔ اب میں معاف کرتا ہوں اور جہالت کا سود اب کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ پہلا سود جسے میں چھوڑتا ہوں عباس بن عبدالمطلب کے خاندان کا سود ہے۔ اب یہ ختم ہو گیا۔

لوگو۔ خدا نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے۔ اب کوئی کسی وارث کے لیے وصیت نہ کرے۔

بچہ اسی کی طرف منسوب کیا جائے گا جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا۔ جس پر حرام کاری ثابت ہو۔ اس کی سزا پتھر ہے۔ حساب وکتاب خدا کے ہاں ہوگا۔

جو کوئی اپنا نسب بدلے گا یا کوئی غلام اپنے آقا کے مقابلہ میں کوئی اور آقا ظاہر کرے گا اس پر خدا کی لعنت۔

قرض قابل ادائیگی ہے۔ عاریتاً لی ہوئی چیز واپس کرنی چاہیے۔ تحفے کا بدلا دینا چاہیے۔ جو کوئی کسی کا ضامن بنے۔ وہ تاوان ادا کرے۔

کسی کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے کچھ لے۔ سوائے اس کے جس پر اس کا بھائی راضی ہو اور خوشی خوشی دے۔ خود پر اور ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرو۔

عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کا مال اس کی اجازت کے بغیر کسی کو دے۔

دیکھو تمہارے اوپر تمہاری عورتوں کے کچھ حقوق ہیں۔ اسی طرح ان پر تمہارے حقوق واجب ہیں۔ عورتوں پر تمہارا یہ حق ہے کہ اپنے پاس کسی ایسے شخص کو نہ بلائیں جنہیں تم پسند نہیں کرتے اور وہ کوئی خیانت نہ کریں۔ کوئی کام کھلی بے حیائی کا نہ کریں اور اگر وہ ایسا کریں تو خدا کی جانب سے اس کی اجازت ہے کہ تم انہیں معمولی جسمی سزا دو اور وہ باز آ جائیں تو انہیں اچھی طرح کھلاؤ پہناؤ۔

عورتوں سے بہتر سلوک کرو۔ کیونکہ وہ تمہاری پابند ہیں اور خود اپنے لیے وہ کچھ نہیں کر سکتی۔ چنانچہ ان کے بارے میں خدا کا لحاظ رکھو کہ تم نے انہیں خدا کے نام پر حاصل کیا اور اسی کے نام پر وہ تمہارے لیے حلال ہوئیں۔ لوگو۔ میری بات سمجھ لو۔ میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا۔

میں تمہارے درمیان ایک چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ تم کبھی گمراہ نہ ہوسکو گے۔ اگر اس پر قائم رہے اور وہ خدا کی کتاب ہے اور ہاں دیکھو دینی معاملات میں غلو سے بچنا کہ تم سے پہلے کے لوگ انہی باتوں کے سبب ہلاک کر دیئے گئے۔

شیطان کو اب اس بات کی کوئی توقع نہیں رہ گئی ہے کہ اب اس کی اس شہر میں عبادت کی جائے گی۔ لیکن اس کا امکان ہے کہ ایسے معاملات میں جنہیں تم کم اہمیت دیتے ہو اس کی بات مان لی جائے اور وہ اسی پر راضی ہے۔ اس لیے تم اس سے اپنے دین وایمان کی حفاظت کرنا۔

لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو۔ پانچ وقت کی نماز ادا کرو۔ مہینے بھر کے روزے رکھو۔ اپنے مالوں کی زکوٰۃ خوش دلی کے ساتھ دیتے رہو۔ اپنے خدا کے گھر کا حج کرو اور اپنے اہل امر کی اطاعت کرو تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

اب مجرم خود ہی اپنے جرم کا ذمہ دار ہوگا اور اب نہ باپ کے بدلے بیٹا پکڑا جائے گا۔ نہ بیٹے کا بدلہ باپ سے لیا جائے گا۔

سنو! جو لوگ یہاں موجود ہیں۔ انہیں چاہئے کہ یہ احکام اور یہ باتیں ان لوگوں کو بتا دیں جو یہاں نہیں ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی غیر موجود تم سے زیادہ سمجھنے اور محفوظ رکھنے والا ہو۔

اور لوگو! تم سے میرے بارے میں خدا کے ہاں سوال کیا جائے گا بتاؤ تم کیا جواب دو گے؟

لوگوں نے جواب دیا کہ ہم اس بات کی شہادت دیں گے کہ آپ نے امانت (دین) پہنچا دی اور آپ نے حق رسالت ادا فرما دیا اور ہماری خیر خواہی فرمائی۔

یہ سن کر حضورؐ نے اپنی انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھائی اور لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین بار ارشاد فرمایا:

خدایا گواہ رہنا۔ خدایا گواہ رہنا۔ خدا گواہ رہنا۔

اس خطبے کے بعد حضور علیہ السلام نے نماز ظہر وعصر اکٹھی ادا فرمائیں۔

تکمیل شریعت

''آج ہم نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور اسلام کو تمہارے لیے دین پسند کر لیا۔''

یہ آیت مبارک اسی یوم عرفہ کو حضور علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی۔ بقیہ وقت

اللہ سے دعائیں کرتے گزرا۔

غروب آفتاب کے وقت مزدلفہ روانہ ہوئے وہاں مغرب وعشاء کی نمازیں عشاء کے وقت اکٹھی ادا فرمائیں رات بھر عبادت میں بسر ہوئی صبح نماز فجر ادا فرما کر رمی جمار کے لیے تشریف لے گئے فارغ ہو کر بال منڈائے اور احرام سے باہر آ گئے۔ غسل کے بعد طواف وزیارت فرمانے کعبۃ اللہ حاضر ہوئے پھر واپس منا تشریف لا کر گیارہ بارہ ذوالحج رمی جمار کرتے ہوئے مناہی میں تشریف رکھے رہے اور ارکان حج پورے ہو گئے۔

ہجرت مدینہ سے قبل وہ زمانہ تھا جب اسلام کم تھا آدمی اپنے مذہب کی بناء پر فتنہ میں مبتلا ہو جاتا اور لوگ اس کو قتل کر دیتے۔ ہجرت سے آٹھ سال بعد تک کا زمانہ بھی تمام تر انہی فتنوں کی دارو گیر' مخالفوں کی شورشوں اور ہنگاموں کی مداخلت اور ملک میں امن وامان قائم کرنے میں گزرا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لیے فرمایا تھا۔ ان کافروں سے جہاد کرو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور دین تمام تر خدا کے لیے ہو جائے۔ اسی لیے مدینہ طیبہ میں آٹھ برس کی وسیع مدت میں فرائض اسلام سے جو چیز ہر موقعہ اور ہر جگہ نمایاں نظر آتی ہے' وہ صرف جہاد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ میں ایک ایک غزوہ کی تفصیل سینکڑوں صفحات پر محیط ہے۔ لیکن نماز، روزہ، زکوٰۃ کے متعلق چند صفحات سے زیادہ نہیں ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز ہرگز نہیں کہ ارباب سیران فرائض کی عظمت اور اہمیت پیش نظر نہیں رکھتے بلکہ حالات نے ثابت کیا ہے کہ غزوات کی مصروفیت بوجہ ملک کی بدامنی' عوام میں فتنہ وفساد کے رجحانات کے سبب اکثر فرائض دیر میں آئے اور جو پہلے فرض ہو چکے تھے ان کی ادائیگی بتدریج ہوئی کیونکہ اس زمانہ کے لیل ونہار زیادہ تر مخالفین کے تیر وتفنگ روکنے میں بسر ہوئے۔

جن احکام کا تعلق ملکی نظم ونسق سے تھا وہ جلد نافذ نہ ہوئے کیوں کہ اس وقت اسلام کوئی حکمران طاقت نہ تھا بلکہ جب کبھی ایسے حالات پیدا ہوتے تو احکام کا نزول ہو جاتا اور اس طرح بتدریج نظام اسلام کے نفاذ میں حکمت یہ بتائی گئی ہے کہ عربوں کو محض احکام اسلام کا بتا دینا مقصود نہ تھا بلکہ عملاً ان کی زندگی کو ان پر کاربند بنا دینا تھا۔ اس لیے یہ عمل نہایت آہستہ آہستہ ایک ترتیب سے آگے بڑھایا گیا۔ اس نکتہ پر حضرت عائشہؓ مزید روشنی ڈالتے ہوئے فرماتی ہیں کہ پہلے عذاب و ثواب کی آئتیں نازل ہوئیں پھر جب دلوں میں استعداد اور رقت پیدا ہو گئی تو احکام نازل ہوئے۔ وگرنہ اگر پہلے دن ہی یہ حکم نازل ہوتا کہ شراب نہ پیو تو کون مانتا؟

الغرض مختلف حالات واسباب کی بناء پر اکثر احکام وفرائض ایک ترتیب کے ساتھ

آتے رہے۔ اعلان نبوت سے تئیس سال کے عرصے میں آج یوم عرفات کے موقعہ پر حضور علیہ السلام پر مندرجہ بالا آیات کا نزول فرما کر اللہ تعالیٰ نے احکام دین اسلام کی تکمیل فرما دی جو قیامت تک نہ تبدیل ہو سکے گی نہ ہی کوئی ختم کر سکے گا اور مسلم معاشرہ انہی احکام پر عمل پیرا ہو کر قائم رہے گا۔

عقائد اور اسلام کے اولین اصول

توحید، رسالت، ملائکہ، قیامت، حشر ونشر اور ضروریات دین پر ایمان لانا اسلام کے بنیادی عقائد میں داخل ہے۔ حضور علیہ السلام نے مکہ میں نبوت کے تیرہ سال' اللہ تعالیٰ کی وحدانیت' عظمت وجلال کے اظہار' قیامت کی ہولناکیاں، جنت ودوزخ کا پر اثر بیان' رسالت کے خواص' اس کی ضرورت کے دلائل بیان فرما کر دعوت اسلام دی۔ شرک اور بت پرستی کی برائیوں سے قوم کو بار بار سمجھایا۔ الغرض عقائد کے تمام اجزاء کھول کر بیان فرما دیئے تاہم مدینہ طیبہ آ کر اسلام کے تمام عقائد واصول اولین کی مجموعی تعلیم شروع فرمائی۔ سورۃ البقرہ اور النساء جن کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا ان تمام کی بڑی تفصیل بیان ہوئی ہیں۔ خاص کر نماز' روزہ' زکوٰۃ اور کئی اخلاقی احکام گنائے گئے ہیں۔

رفتہ رفتہ ایمان اور اسلام کے اصول کلیہ کی جب تکمیل ہو چکی تو اس کے کئی لوازم کی بھی تعلیم دی گئی۔ مثلاً آپؐ نے فرمایا: ایمان کی کچھ اوپر شاخیں ہیں جن میں ایک شاخ حیا ہے۔ ایک دفعہ فرمایا: بہترین اسلام یہ ہے کہ مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہے۔ ایک اور سوال کے جواب میں فرمایا: بہترین اسلام یہ ہے کہ محتاجوں کو کھانا کھلاؤ اور کسی سے جان پہچان ہو یا نہ ہو مگر اس کو سلام کرو۔ یہ بھی فرمایا کہ اس وقت تک تم مومن نہیں جب تک اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرو جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو۔ غرض اسلام کے تمام اصول وفروع کی تعلیم اسی طرح بتدریج تکمیل کو پہنچ گئی۔

حضور علیہ السلام کائنات میں خدا کے آخری اور مکمل پیغام قرآن مجید کے ساتھ آخری نبی ورسول خدا کی حیثیت سے تشریف لائے تھے اور کاروان اسلام کی تربیت جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی اور ان کے بعد کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام کاروان اسلام کی تعلیم وتربیت میں رضائے الٰہی کے مطابق مصروف رہے۔ آج خدا کی کائنات میں اس کی مخلوق کی تعلیم وتربیت اللہ کے آخری پیغمبر حضرت محمدؐ رسول اللہ مکمل فرما رہے ہیں جو خلق خدا کی رہنمائی

کے لیے تا قیامت نافذ العمل رہنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے مطابق حضور علیہ السلام کے بعد اب کسی ہادی کی ضرورت نہ رہے گی جو اس کی مخلوق کو عبادات' معاملات' ماکولات میں حرام و حلال کے لیے ناقص العقل بیان دے سکے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کائنات میں اپنی تمام مخلوق کے لیے مکمل ضابطہ حیات حضور علیہ السلام کے دست مبارک سے مکمل کرا دیا ہے۔

وفات اور رفیق الاعلیٰ سے ملاقات

۱۲ ربیع الاول ۱۱ ھ

روح قدسی کو عالم جسمانی میں اسی وقت تک رہنے کی ضرورت تھی کہ تکمیل شریعت اور تزکیہ نفوس کا عظیم الشان کام درجہ کمال تک پہنچ جائے اور حجۃ الوداع میں یہ فرائض اہم ادا ہو چکے۔ توحید کامل اور مکارم اخلاق کے اصول عملاً قائم کر کے عرفات کے مجمع عام میں انکا اعلان کر دیا گیا۔

سورۃ فتح کا نزول خاص خاص صحابہ کرام کو حضور علیہ السلام کے قرب وفات کی اطلاع دے چکا تھا۔ اب حجۃ الوداع کے موقعہ پر آپؐ نے یہ اعلان فرما دیا کہ مجھے امید نہیں کہ آئندہ تم سے مل سکوں۔ شاید اس کے بعد میں حج نہ کر سکوں۔ رسولؐ خدا نے اللہ کا پیغام لوگوں کو پہنچا دیا۔ راہ حق میں قربانی اور جانفشانی کا حق ادا کر دیا اور ایک امت تیار کر دی جو دعوت کی ذمہ داریوں کو انجام دے سکتی تھی اور اس کو اس دعوت کا علمبردار اور اس دین کو تحریف سے محفوظ رکھنے کا ذمہ دار بنایا گیا۔ اس کے ساتھ ہی اللہ نے قرآن مجید جو اس دین کی اساس' ایمان و یقین کا سرچشمہ ہے کی حفاظت کی ذمہ داری بھی لے لی۔

عبادت میں اضافہ

حضور علیہ السلام نے عبادات میں اضافہ فرما دیا۔ ہر سال رمضان کے آخری عشرہ میں دس یوم کا اعتکاف فرماتے۔ اس سال بیس یوم اعتکاف فرمایا۔ حضرت جرائیلؑ رمضان کی ہر شب آ کر آپؐ سے ملتے اور آپؐ کے ساتھ قرآن مجید کا دور فرماتے۔ آپؐ نے فرمایا: اس مرتبہ وہ ایک کی بجائے دوبارآئے تو مجھے اندازہ ہو گیا کہ میرا وقت قریب آ گیا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو لقاء رب اور وصال حق کی اجازت عطاء فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کو بھی اس لقاء کا اشتیاق اور آپؐ کو بھی اس کا غایت درجہ شوق تھا۔

حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد آپؐ سے ایسی باتیں ظاہر ہوئیں جن سے ارشاد ملتا تھا

کہ آپؐ کی وفات کے دن قریب ہیں۔آپؐ نے احد کے شہداء کے لیے آٹھ سال بعد اس طرح دعا کی۔جیسے عنقریب آپ صحابہ کرام سے جدا ہونے والے ہیں پھر ممبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا: میں تمہارے آگے جانے والا ہوں اور تم پر گواہ ہوں۔اب تم سے ملاقات حوض (کوثر) پر ہوگی میں اپنے کو اس مقام پر کھڑا ہوا دیکھ رہا ہوں۔مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئی ہیں۔مجھے یہ ڈر نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرنے لگو گے۔مگر میں اس سے ڈرتا ہوں کہ تم حصول دنیا میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگو اور جیسی گذشتہ قومیں ہلاک ہوئی تھیں تم بھی ہلاک ہو جاؤ۔

علالت کا آغاز

حضور علیہ السلام کو شکایت ماہ صفر کے آخر میں اس طرح ہوئی کہ آپ جنت البقیع کو نصف شب تشریف لے گئے اور اہل قبور کیلئے دعائے مغفرت کی پھر گھر تشریف لائے تو صبح اسی روز علالت شروع ہوگئی۔اس دوران دیگر ازواج مطہرات سے اجازت لے کر عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ میں رہے۔

جیش اسامہؓ

آپؐ نے اسامہؓ بن زید بن حارثہؓ کو ایک لشکر کا امیر بنا کر شام جانے کا حکم دیا۔یہ آخری لشکر تھا جسے آپؐ نے تیاری کا حکم دیا۔اس لشکر میں مہاجرین وانصار کے چیدہ چیدہ بزرگ اور برگزیدہ اصحاب بطور سپاہی شامل فرمائے۔جن میں سب سے نمایاں حضرت عمرؓ تھے۔لیکن چونکہ آپؐ اس کے بعد فوراً سخت علیل ہو گئے اور جیش اسامہ رک گیا۔جو بعد میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت میں روانہ کیا گیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی امامت

حضور علیہ السلام کی تکلیف میں اضافہ ہو گیا تو اس حالت میں دریافت فرمایا: کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی۔عرض کی گئی حضورؐ کی انتظار میں ہیں۔حضور علیہ السلام نے پانی منگوایا۔اٹھنے کی کوشش کی مگر غشی آ گئی دو دفعہ ایسا ہی ہوا تو حضرت ابوبکرؓ کو کہلوایا کہ وہ نماز پڑھائیں۔چنانچہ ان دنوں حضرت ابوبکرؓ ہی نماز کی امامت کرتے رہے۔ایک دن کچھ افاقہ ہوا تو سہارا لے کر نماز ظہر کے لیے مسجد تشریف لائے۔حضرت ابوبکرؓ پیچھے ہٹنے لگے کہ اشارہ سے روک دیا اور آپؐ ان کے پہلو میں بیٹھ کر نماز میں شریک ہوئے۔اس کے بعد کسی نماز کی جماعت میں شریک نہ ہو

سکے۔

خطبۃ الوداع

ایک دفعہ ممبر پر تشریف لاکر فرمایا: بندوں میں سے ایک بندہ کو اللہ تعالیٰ نے دنیا اور اللہ کے پاس جو چیز ہے میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کی اجازت دی ہے تو اس نے جو کچھ اللہ کے پاس ہے اسے اختیار کیا۔ حضرت ابوبکرؓ معاملہ سمجھ گئے اور رو پڑے۔ آپؐ نے فرمایا ابوبکرؓ ٹھہرو جلدی نہ کرو۔ بلاشبہ کوئی شخص ایسا نہیں جس نے اپنی جان اور مال سے مجھ پر اتنا احسان کیا ہے جتنا ابوبکرؓ نے کیا ہے۔ اگر میں لوگوں میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا لیکن اسلام کا تعلق' اسلام سے محبت سب سے افضل ہے۔

ایک دفعہ فرمایا: میں تم کو انصار کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں وہ اور تم جسم و جان کی طرح اور میرے معتمد اور راز دار ہیں۔ ان پر جو ذمہ داری تھی اس کو انہوں نے پورا کیا۔ ان کا دوسروں پر حق ہے وہ باقی ہے۔ اس لیے ان کے اچھے اور صالح لوگوں کی بات قبول کرنا۔ جو ان میں سے قصور وار ہوں ان سے درگزر کرنا۔

آخری وصیت

وفات کے قریب آپؐ کی زیادہ تر وصیت یہ تھی: دیکھو نماز کا خیال رکھنا اور اپنے ماتحتوں و غلاموں کا بھی۔ یہ آپؐ بار بار فرماتے رہے۔

اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کو تباہ کرے انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد گاہ بنالیا۔ آپؐ مسلمانوں کو اس سے خبردار فرمارہے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جس وقت جدائی کی گھڑی قریب آئی تو اس وقت آپؐ کا سر مبارک میری ران پر تھا۔ ایک ساعت کے لیے غشی آئی پھر ہوش آیا۔ گھر کی چھت کی طرف نگاہ اٹھائی اور فرمایا بے شک سب سے اعلیٰ اور برتر رفیق کے پاس۔ یہ آخری الفاظ تھے جو رحلت کے وقت آپؐ کی زبان مبارک سے نکلے۔

آپ کی وفات دوشنبہ کے روز ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو زوال کے بعد ہوئی۔ آپ نے ۶۳ سال کی عمر پائی۔ وحی کا سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے منقطع ہو گیا۔ جس طرح حضور علیہ السلام کی ولادت باسعادت کا دن انسانیت کے لیے سب سے مبارک' روشن و تابناک دن تھا' اسی طرح آپؐ کی وفات کا دن مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ تاریک اور وحشت ناک و سب سے بڑا

صدمے اور ابتلا کا دن تھا۔

دین اللہ کا یہ کاروان چونکہ رہتی دنیا تک زندہ جاوید رہنے کے لیے وجود میں آیا تھا اس لیے اس کاروان کی مستقل ہدایت ورہنمائی کے لیے حجتہ الوداع کے موقعہ پر اسلام کے منشور عظیم کا اعلان فرما کر حاضر امت کو تاکید کی تھی کہ جو یہاں حاضر ہیں وہ غیر حاضر کو اس اسلامی منشور سے آگاہ کریں۔ یہ خطاب ایسی امت کو فرمایا جو نبوت کی ذمہ داریاں سنبھال سکتی تھی اور یہ ثابت کر دیا کہ بے شک حضور علیہ السلام کی تعلیم پر عمل پیرا ہو کر نصف صدی گزرنے سے قبل آدھی دنیا سے زیادہ لوگ اسلام کی دولت سے بہرہ مند ہو گئے اور چودہ صد سالوں سے زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود دین اسلام کی اساس میں کوئی تحریف نہیں کر سکا اور تا قیامت نہ کوئی کر سکے گا۔

صحابہ کرام نے آپؐ کی وفات کی خبر کس طرح سنی

رسول اللہؐ کی وفات کی خبر صحابہ کرام پر بجلی بن کر گری وہ خیال کرتے تھے کہ ایسا نہیں ہو سکتا اور انہیں یقین نہیں آتا تھا ان میں پیش پیش حضرت عمرؓ تھے آپ اس شخص کی بہت تحقیر کرتے جو یہ کہتا کہ حضور علیہ السلام وفات پا گئے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بڑا جرأت مندانہ انداز اختیار کیا اور حضرت عمرؓ کو روکا کہ وہ ایسا نہ کریں جب وہ خاموش نہ ہوئے تو صحابہ کرام سے آپ نے خطاب فرمایا اور یہ آیت پڑھی 1

> ''اور محمدؐ (تو صرف خدا) کے پیغمبر ہیں ان سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو گزرے ہیں۔ بھلا اگر ان کی وفات ہو جائے یا شہید کر دیے جائیں۔ تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ اور جو الٹے پاؤں پھر جائے گا تو خدا کا کچھ نقصان نہ کر سکے گا اور خدا شکر گزاروں کو بڑا ثواب دے گا۔'' (سورۃ آل عمران)

ابوبکرؓ کی خلافت

حضور علیہ السلام کی وفات کے فوراً بعد مسلمانوں نے سقیفہ بنو ساعدہ میں بالاتفاق حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی۔ اس عجلت کا مقصد ریاستی معاملات اور شیطان کے وسوسوں سے محفوظ رہنے کے لیے بیان کیا گیا تا کہ کوئی رخنہ پیدا نہ ہو سکے اور یہ کہ رسولؐ اللہ کی تجہیز و تدفین کے امور بھی خلیفۃ المسلمین کے ہاتھوں انجام پائیں۔ جب تدفین سے لوگ فارغ ہوئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔

''انس کیا تمہارے دلوں نے یہ گوارا کر لیا کہ جسد مبارک پر مٹی ڈالو''۔

اخلاق وشمائل

حضور علیہ السلام تمام کائنات کے لیے رسول و نبی مبعوث ہوئے تھے آپ کی زندگی کا ہر عمل اور کلام مبارک کا ایک ایک لفظ رہتی دنیا تک کے لیے ایک اسوہ حسنہ تھا۔ جس کی پیروی ہر مسلمان کیلئے شرط ایمان تھی اور ہے۔ اس لیے تمام کائنات میں بنی نوع انسان کی دینی' سیاسی' سماجی اور تمدنی زندگی کے لیے ایک قابل عمل نمونہ ہے جو آپؐ کے اخلاق عالیہ اور اوصاف کریمہ پر محیط ہے۔ مثلاً تعلق باللہ' متاع دنیا کی حیثیت اور اس سے آپ کی بے رغبتی' خلق خدا کے ساتھ حسن سلوک' اعتدال پسندی اور سلامت ذوق' اپنے گھر میں اہل و عیال کے ساتھ برتاؤ' خطرات اور آزمائشوں میں طرز عمل' لطافت شعور اور جذبات کی بلندی اور پاکیزگی' کرم گستری اور تحمل' تواضع اور انکساری' شجاعت دلاوری اور شرم و حیاء' یہ آپؐ کی زندگی کے نمونے ہیں جن کے متعلق علمائے کرام نے بہت کاوشیں کیں ہیں۔

کامل' عالمگیر اور لازوال نمونہ

اس کتاب کا اختتام خطبات مدارس کے ایک اقتباس و انتخاب پر کرتے ہیں' جس میں حضور علیہ السلام کے کامل عالمگیر اور لافانی نقش حیات آپؐ کی جامعیت اور تمام طبقات انسانی کے ہر ماحول' ہر زمانہ ہر مشغلہ اور ہر سطح کے معیار کے لیے آپ کے اسوہ حسنہ کی نہایت موثر انداز میں تشریح کی گئی ہے:

''ایک ایسی شخصی زندگی جو ہر طائفہ انسانی اور ہر حالت انسانی کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو۔ صرف رسول اللہؐ کی سیرت ہے۔ اگر تم دولتمند ہو تو مکہ کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کی تقلید کرو۔ اگر تم غریب ہو تو شعب ابی طالب کے محصور اور مدینہ کے مہمان کی کیفیت سنو۔ اگر تم بادشاہ ہو تو سلطان عرب کا حال پڑھو۔ اگر تم رعایا ہو تو قریش کے محکوم کو ایک نظر دیکھو۔ اگر تم سپہ سالار ہو تو بدر و حنین کے سپہ سالار پر نگاہ نظر دوڑاؤ۔ اگر تم نے شکست کھائی ہے تو معرکہ احد سے عبرت حاصل کرو۔ اگر تم استاد اور معلم ہو تو صفہ کے معلم مقدس کو دیکھو۔ اگر شاگرد ہو تو روح الامین کے سامنے بیٹھنے والے پر نظر جماؤ۔ اگر تم واعظ اور ناصح ہو تو مسجد مدینہ کے ممبر پر کھڑے ہونے والے کی باتیں سنو۔ اگر تم تنہائی اور بے کسی کے عالم میں حق کی منادی کا فرض انجام دینا چاہتے ہو تو مکہ کے بے یار و مددگار نبی کا اسوہ حسنہ تمہارے سامنے ہے۔ اگر تم حق کی نصرت کے بعد اپنے دشمنوں کو زیر اور مخالفوں کو کمزور بنا چکے ہو تو فاتح مکہ کا نظارہ کرو۔ اگر تم اپنے کاروبار اور دنیاوی جدوجہد کا نظم و نسق درست کرنا چاہتے ہو تو بنی نضیر' خیبر اور فدک کی

زمینوں کے مالک کے کاروبار اور نظم ونسق کو دیکھو۔ اگر تم یتیم ہو تو عبداللہ اور آمنہ کے جگر گوشہ کو نہ بھولو۔ اگر بچہ ہو تو حلیمہ سعدیہ کے لاڈلے کو دیکھو۔ اگر جوان ہو تو مکہ کے ایک چرواہے کی سیرت پڑھو۔ اگر سفری کاروبار میں ہو تو بصریٰ کے کاروان سالار کی مثالیں ڈھونڈو۔ اگر تم عدالت کے قاضی اور پنچائیت کے ثالث ہو تو کعبہ میں نور آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے ثالث کو دیکھو جو حجر اسود کو کعبہ کے ایک کونہ میں نصب کر رہا ہے۔ مدینہ کی کچی مسجد کے صحن میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھو جس کی نظر میں شاہ وگدا' امیر وغریب سب برابر تھے۔ اگر تم بیویوں کے شوہر ہو تو امہات المومنین خدیجہؓ اور عائشہ صدیقہؓ کے مقدس شوہر کی حیات طیبہ کا مطالعہ کرو۔ اگر تم اولاد والے ہو تو حضرت فاطمہؓ کے والد ماجد کا حال پوچھو۔ غرض تم جو کچھ بھی ہو کسی بھی حال میں ہو تمہاری زندگی کے لیے نمونہ تمہاری سیرت کی درستگی اور اصلاح کے لیے رہنمائی تمہارے ظلمت خانے کے لیے ہدایت کا چراغ اور نور محمدؐ رسول اللہ کی جامعیت کبریٰ کے خزانے میں ہر وقت اور ہمہ دم مل سکتا ہے۔ اس لیے طبقات انسانی کے ہر طالب علم اور نور ایمان کے ہر متلاشی کے لیے صرف حضور علیہ السلام کی سیرت ہی ہدایت کا نمونہ اور نجات کا ذریعہ ہے۔''

حضور علیہ السلام تمام جہانوں کے لیے یعنی جس اللہ تعالیٰ نے سارے جہان پیدا فرمائے اس کے ان تمام جہانوں میں جو کچھ بھی ہے اس جملہ مخلوق کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے۔ آپؐ کی رحمت عامہ سے جس نے نور ہدایت حاصل کرنے کی سعی کی اللہ تعالیٰ نے اسے صراط مستقیم کی نشاندہی فرما دی۔ بنی نوع انسان پر آپؐ کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ آپؐ نے دنیا کو عقیدہ توحید کی نعمت عطاء فرمائی۔ اس سے زیادہ انقلاب انگیز اور حیات بخش معجز نما عقیدہ دنیا کو نہ پہلے ملا اور قیامت تک نہ مل سکے گا۔ یہ انسان جس کے شاعری' فلسفہ اور سیاست میں بڑے بڑے دعوے ہیں۔ جس نے قوموں اور ملکوں کو بار بار غلام بنایا۔ عناصر اربعہ پر اپنی حکومت چلائی جس نے گاہے خدائی کا دعویٰ بھی کیا یہ اپنے سے کہیں زیادہ مجبور وذلیل' بے حس وحرکت' بے جان و مردہ اور بعض اوقات اپنی ہی ساختہ چیزوں کے سامنے جھکتا تھا۔ ان سے ڈرتا اور ان کی پرستش کرتا اور دریاؤں' درختوں' جانوروں ہی کے سامنے ہی نہیں کیڑوں مکوڑوں تک کے سامنے سجدہ ریز ہوتا تھا۔ آپؐ نے انہیں خالص سہل الفہم عقیدہ توحید کی تعلیم دی جس سے وہ خالق کائنات کے سوا سب سے نڈر ہو گیا۔ ہر ایک سے آزاد اور بے فکر ہو گیا۔ اس میں ایک نئی قوت' نئی شجاعت اور نئی وحدت پیدا ہوئی اور اس نے صرف اللہ تعالیٰ کو کارساز حقیقی اور نفع ونقصان پہنچانے والا سمجھنا شروع کر دیا اس عقیدہ توحید نے اس کی دنیا ہی بدل دی۔ اس کا لازمی نتیجہ انسانی عظمت وشرف کا قیام تھا جس سے دنیا محروم ہو چکی تھی اور ہر انسان دوسرے انسان کی غلامی سے بھی آزاد ہو گیا۔

آپؐ کا دوسرا احسان عظیم وحدت انسانی کا وہ تصور ہے جو آپؐ نے دنیا کو عطاء فرمایا۔ انسان قوموں' برادریوں اور ذات پات کے اعلیٰ طبقوں میں بٹا ہوا تھا ان کے درمیان انسانوں اور جانوروں' آقاؤں اور غلاموں اور عبد و معبود کا سا فرق تھا۔ وحدت انسانی اور مساوات کا کوئی تصور نہ تھا۔ آپؐ نے صدیوں کے بعد پہلی مرتبہ یہ انقلاب انگیز اعلان فرمایا:

''لوگو تمہارا پروردگار ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے تم سب اولاد آدم ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پاک باز ہے۔ کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کی بناء پر''۔

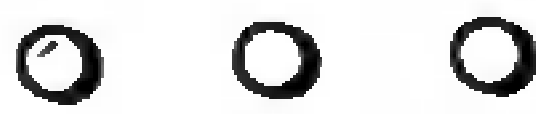
حضور علیہ السلام نے یہ الفاظ خطبہ حجتہ الوداع کے موقعہ پر میدان عرفات میں فرمائے۔ یہ وہ بنیاد ہے جس پر نسل انسانی کی حقیقی وحدت کو تعمیر کیا جا سکتا ہے اور جس کے سائے میں انسان کو امن و سکون حاصل ہو سکتا ہے۔ اس طرح ہر انسان دوسرے انسان سے دوہرا رشتہ رکھتا ہے۔ ایک روحانی وہ یہ کہ سب انسانوں کا اور جہانوں کا رب ایک ہے۔ دوسرا جسمانی وہ یہ کہ سب انسان ایک باپ کی اولاد ہیں۔ قرآن نے اسی ماحول اور فضاء میں اعلان فرمایا:

''لوگو تم کو ہم نے ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کرو۔ خدا کے نزدیک تم میں عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے''۔

حضور علیہ السلام نے یہ الفاظ آخری حجتہ الوداع میں اعلان فرمائے۔

حضور علیہ السلام کے رحمت اللعالمینؐ ہونے کا تیسرا بڑا احسان بنی نوع انسان پر انسانیت کا احترام ہے۔ آپؐ کی بعثت سے قبل انسان کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی اور وہ ذلیل و خوار ہو کر رہ گیا تھا۔ لیکن اللہ نے حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے یہ اعلان فرمایا کہ وہ خلیفتہ اللہ ہے۔ یہ ساری دنیا اسی کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ وہ اشرف المخلوقات ہے۔ اس سے زیادہ انسان کی عزت افزائی اور اہمیت کا اعتراف کیا ہو سکتا ہے۔ آپؐ نے پوری صفائی سے اعلان فرمایا کہ انسان اپنی عملی زندگی کا خود آغاز کرتا ہے۔ اپنے اچھے یا برے عمل سے خود اپنی عاقبت بناتا یا بگاڑتا ہے۔ وہ کسی دوسرے کے عمل کا ذمہ دار یا جواب دہ نہیں۔ اس اعلان سے انسان کا اپنی فطری صلاحیتوں پر اعتماد بحال ہو گیا۔

بشیر کہیے' نذیر کہیے' انہیں سراج منیر کہیے
جو سر بہ بسر ہے کلام ربی وہ میرے آقا کی زندگی ہے



تاریخ الانبیاءؑ

مولوی محمد انور

نگارشات

24- مزنگ روڈ ○ لاہور فون: 0092-42-7322892
E-mail:nigarshat@wol.net.pk - nigarshat@yahoo.com